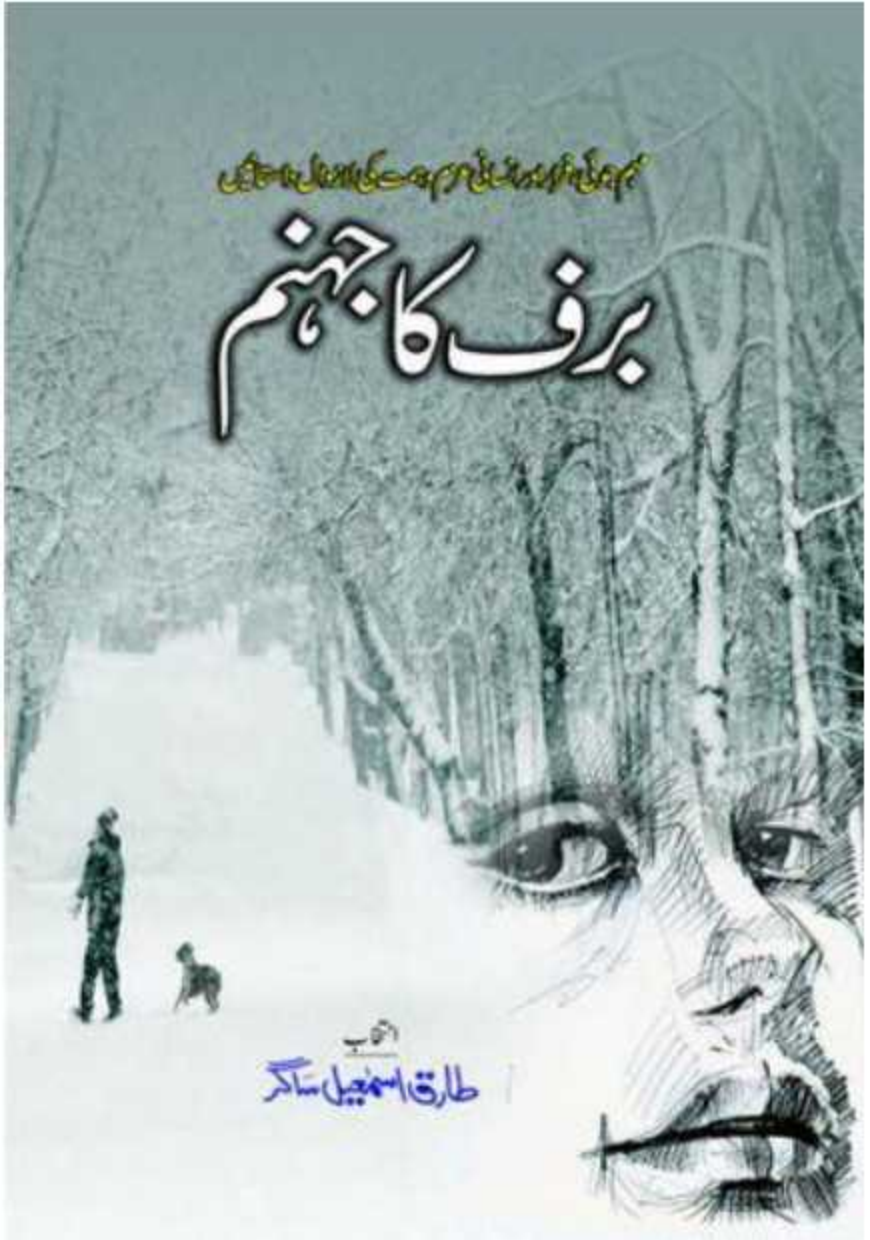

برف کا جہنم
طارق اسمٰعیل ساگر

برف کا جہنم

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

طارق اسمٰعیل ساگر:

قسط نمبر1

دخترکشمیر

اگست اور ستمبر ۱۹۶۵ء میں اگر آپ ''صدائے کشمیر'' ریڈیو سنتے رہے ہوں تو آپ کو یاد ہوگا کہ کشمیر کے حریت پسندوں نے مقبوضہ کشمیر کے اندر جہاں بھارتی فوج کے کنوائیوں کو تباہ کیا تھا وہاں بہت سارے پلوں کو بھی تباہ کیا تھا۔جس سے مقبوضہ کشمیر پر قابض فوج اتنی کمزور ہوگئی تھی کہ اس کا کشمیر میں ٹھہرنا محال ہوگیا تھا اور حقیقت یہ تھی کہ مقبوضہ کشمیر حریت پسند گوریلوں کے قبضے میں آگیا تھا۔فرق صرف یہ رہ گیا کہ آزاد کشمیر کی فوج کو اندر جا کر باقاعدہ قبضہ کرنا تھا۔

صدائے کشمیر کی انہی خبروں میں اس پل اور اس مشین گن پوسٹ کا بھی ایک روز ذکر کیا گیا تھا جس کی میں کہانی سنانے لگا ہوں۔بھارت والے ابھی تک شور مچا رہے ہیں کہ مقبوضہ کشمیر میں پاکستان آرمی کے جوان گوریلا جنگ لڑ رہے تھے۔یہ الزام کہاں تک غلط ہے، میں اس کے متعلق کچھ نہیں کہتا ہوں کہ جہاں تک میری گوریلا پارٹی کا تعلق تھا، ہمیں پاکستان آرمی کی کوئی مدد حاصل نہیں تھی۔نہ میں نے نہ میرے ساتھیوں نے کبھی پاکستان آرمی کا کوئی آدمی اس آپریشن میں دیکھا تھا۔ہماری اپنی جنگ تھی وہ ہمارے ہی باپ، چچے قادر ماموں تھے جنہوں نے ۴۸۔۱۹۴۷ء میں ڈوگرہ راج کے خلاف مسلح بغاوت کی تھی اور ریاست اور بھارت کی پکی فوجوں کے خلاف لڑے تھے۔اس وقت ہم بچے تھے۔ہم بھی لڑنا چاہتے تھے۔لیکن ہمارے بزرگوں نے ہمیں پاکستان میں یا ان جگہوں پر بھیج دیا تھا۔جہاں ان کا قبضہ تھا۔پھر بھی بہت سے لڑکے محاذ پر پہنچ گئے تھے اور مجاہدوں کو ایمونیشن پہنچانے کے علاوہ لڑے بھی تھے۔

ہم یہی خواہش لے کر جوان ہوئے کہ ایک تو کشمیر کو ہندو سے آزاد کرائیں گے اور دوسرے یہ کہ نہتے کشمیری مسلمانوں کے خون کا بدلہ لیں گے۔خدا نے سولہ برس بعد موقع عطا کر دیا اور ہم ماؤں سے دودھ بخشوا کر نکل کھڑے ہوئے۔ہم بھارتیوں کے خلاف دل میں آگ لئے ہوئے جوان ہوئے تھے، اس لئے مرنا ہمارے لئے کوئی عجیب اور خوفناک بات نہیں تھی۔ہم ایک قسم کے پیدائشی فوجی تھے۔ہم بہت سے لڑکے اکٹھے ہو کر سکیمیں بنایا کرتے تھے کہ مقبوضہ کشمیر میں ہم کس طرح تباہی مچا سکتے ہیں۔جب ہم لکھ پڑھ گئے تو چین کے گوریلوں کے کارنامے پڑھنے لگے، پھر ویت نام کے وطن پرست گوریلوں کے کارنامے سامنے آنے لگے۔تو ہم نے ان کے جنگی طور طریقوں کو ازبر کر لیا۔آزاد کشمیر آرمی میں ہمارے گاؤں اور علاقے کے بہت سے آدمی تھے جو چھٹی آیا کرتے تھے تو ہم ان سے رائفل، مشین گن اور گرینیڈوں سے متعلق معلومات اور ان کے استعمال کے طریقے پوچھتے رہتے تھے۔جب ہم جوان ہوئے تو فوجیوں کی بارکوں تک پہنچنے لگے۔فوجی بھائیوں نے ہمیں تمام ہتھیار دکھائے اور دو تین بار فائرنگ رینج پر ان کی فائرنگ بھی دکھائی۔ان ہتھیاروں کے دھماکوں سے ہمارا خون کھولنے لگتا تھا اور ایسی خواہش ہوتی تھی کہ یہ ہتھیار چرا کر اپنے گھر رکھ لیں۔

آخر وہ وقت آیا کہ وہ ہتھیار خود ہی ہم تک پہنچ گئے۔میرا خیال ہے کہ آپ کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہونی چاہیے۔کہ ہمیں ہتھیار اور گرنیڈ کہاں سے ملے۔میں صرف اتنا بتا دیتا ہوں کہ یہ پاکستان سے نہیں آئے تھے۔ہم تین تین چار چار کی ٹولیوں میں مقبوضہ کشمیر کے اندر چلے گئے۔وادیوں اور پہاڑی راستوں سے ہم خوف واقف تھے۔ہم رات کو کسی چوکی یا اکیلی دکیلی فوجی گاڑی پر ہلہ بولتے تھے۔اس سے نہ صرف دشمن کو نقصان ہوتا ہے بلکہ ہمیں اسلحہ اور ایمونیشن مل جاتا تھا۔ہماری کوشش یہ ہوتی تھی کہ صبح سے پہلے پہلے اپنی سرحد کے اندر آجائیں۔

ہماری ایک تنظیم جس کے تحت ہمیں کبھی کبھی اکٹھا کر کے سارے مقبوضہ کشمیر کی صورتحال سے آگاہ کیا جاتا تھا اور ہمیں نئی ٹارگٹ بتائے جاتے تھے۔وہاں ہمیں یہ بھی بتایا جاتا کہ ہماری تنظیم کے کون کون سے ساتھی شہید یا قید ہو چکے ہیں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

گوریلا آپریشن کو پچیس چھبیس دن گزر چکے تھے اور مقبوضہ کشمیر کے اندر بھارتی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے تھے۔فتح ہمارے قدم چوم رہی تھی۔کوئی پل سلامت نہیں تھا نہ کوئی چوکی رہ گئی تھی لیکن ایک روز ہمیں بتایا گیا کہ ایک ندی پر چھوٹا سا پل ہے جہاں پگڈنڈی گزرتی ہے۔دشمن کی فوجیں اس پل کو استعمال کر رہی تھیں۔پل کی پوزیشن ایسی تھی کہ دونوں طرف اونچی چٹانیں تھیں۔ایک چٹان پر دشمن کی بڑی مشین گن کا ''گھونسلہ'' تھا۔یہ گن پوسٹ چٹان میں ایسی جگہ لگی ہوئی تھی کہ دائیں بائیں اور پیچھے سے اسے چٹان نے محفوظ کر رکھا تھا۔سامنے کا علاقہ ایسا کھلا تھا کہ زمین پر چوہا بھی چلے تو اوپر سے مشین گن کے گنروں کو نظر آجاتا تھا۔پیچھے جا کر گرنیڈ پھینکنا بالکل ممکن نہ تھا کیونکہ اس طرف سے چٹان دیوار کی طرح سیدھی تھی۔دائیں اور بائیں سے بھی اوپر چڑھنا آسان نہ تھا۔ایک

خیال یہ بھی تھا کہ دائیں بائیں دشمن نے بارودی سرنگیں بچھا رکھی ہیں۔
اس پل کو تباہ کرنے کے لیے ہماری دو پارٹیاں گئی تھیں جن میں تین تین جوان تھے۔ پہلی پارٹی گئی اور کبھی واپس نہ آسکی۔ دوسری پارٹی کا بھی یہی حشر ہوا۔ تیسری پارٹی میں پلندری تحصیل کے دو آدمی تھے۔ ان میں سے ایک رینگتا ہوا پل تک پہنچ گیا۔ اس کے پاس ڈائنامیٹ تھا۔ اس کا ساتھی ہلکی مشین گن لئے پیچھے رہا تھا کہ اپنے ساتھی کی حفاظت کر سکے۔ جب اس کا ساتھی پل تک پہنچا تو چٹان کے اوپر سے مشین گن کی دھاڑ سنائی دی۔ گن کی پوری بوچھاڑ اس جانباز کے جسم سے پار ہوگئی۔ اس کے ہاتھ میں ڈائنامیٹ تھا جو گولی لگنے سے ہیبت ناک دھماکے سے پھٹا۔ اب آپ تصور کر سکتے ہیں کہ اس شہید کے جسم کا کیا حال ہوگا۔ اس کے ساتھی کو پہلی بار معلوم ہوا کہ پل کی حفاظت کے لئے دشمن نے مشین گن لگا رکھی ہے۔ وہ رینگ رینگ کر ایسی آڑ تلاش کرنے لگا جہاں سے وہ اس مشین گن کو اپنی مشین گن سے ختم کر سکے مگر دشمن کی گن پوزیشن ایسی تھی کہ کسی طرف سے زد میں نہیں آسکتی تھی۔
اس مجاہد نے یہی بہتر سمجھا کہ واپس آکر اپنے ہیڈ کوارٹر کو خبردار کر دے کہ اس پل کو انتہائی خطرناک پوزیشن سے ایک مشین گن کور کر رہی ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

ہیڈ کوارٹر نے اس مجاہد کی رپورٹ کے مطابق اگلی رات کو تین مجاہدوں کی پارٹی بھیجی۔ انہیں پوری طرح ذہن نشین کرا دیا گیا تھا کہ وہاں کس طرح کے خطرات ہیں لیکن وہ پارٹی بھی واپس نہ آسکی۔
چوتھے روز میری پارٹی کے ایک مجاہد نے رضا کارانہ کہا کہ اس پل اور مشین گن کو ہم تباہ کریں گے۔ میں بھی تیار ہوگیا۔ چنانچہ ہم چار آدمی اس آدم خور مشین گن کے شکار کے لیے رات کی تاریکی میں روانہ ہوگئے۔ ہمارے ساتھ چوتھا آدمی وہی تھا جو اس مشین گن کی خبر لایا تھا۔ راستہ اسی کو معلوم تھا۔ ہم ہر بار نئی جگہ سے سرحد پار کرتے تھے۔ اس رات بھی ہم ایک نئی جگہ سے خیریت سے پار نکل گئے۔ ہمارے پاس ڈائنامیٹ کا ایک سیب، چھ چھ گرینیڈ اور ہر ایک کے پاس ٹین گن تھی۔ رات کے تقریباً ساڑھے گیارہ بجے ہم بھارتی فوج کے ایک گشتی دستے کے نرغے میں آگئے اور جھاڑیوں میں چھپ گئے۔ دو بھارتی میرے سر پر آکر رک گئے۔ ایک کہہ رہا تھا..... ''میرا خیال ہے کہ کوئی آدمی نہیں گیدڑ ہوگا''.....
دوسرے نے کہا..... ''حوالدار کہتا ہے کہ اس نے دو تین آدمی دیکھے ہیں''۔ پہلے نے گالی دے کر کہا..... ''حوالدار کو خواب میں بھی پاکستانی نظر آتے رہتے ہیں''۔
یقین کیجئے ان دونوں بھارتیوں اور مجھ میں صرف آٹھ دس انچ کا فاصلہ تھا۔ اگر وہ پیچھے ہٹتے تو ان کا پاؤں میرے اوپر پڑتا۔ میں انہیں پیچھے سے آسانی سے ختم کر سکتا تھا لیکن ہمارا مشن کچھ اور تھا۔ ہم راستے میں کسی سے الجھنے سے گریز کر رہے تھے۔ اتنے میں کوئی سو ڈیڑھ سو گز دور سے گیدڑ کی آہو آہو سنائی دی۔ ایک بھارتی سپاہی نے حوالدار کو غلیظ گالی دیکر کہا..... ''دیکھا نا گیدڑ کو پاکستانی کہہ رہا ہے''۔
دوسرے سپاہی نے کہا..... ''یہ حوالدار سور کا بچہ ہمیں کسی دن پاکستانیوں سے مروائے گا..... چلو چلیں''۔
ان جاہلوں کو معلوم نہ تھا کہ آہو آہو کی آواز گیدڑ کی نہیں میرے ایک ساتھی کی تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ خطرہ ٹل رہا ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

☆☆☆☆☆
آخر خطرہ ٹل گیا۔ بھارتیوں کا گشتی دستہ جو غالباً جاٹ رجمنٹ کا تھا پہاڑی نشیب و فراز میں غائب ہوگیا۔ اور کوئی بیس منٹ بعد ہم چاروں ساتھی اکٹھے ہو کر آگے کو چل پڑے۔ صبح کاذب کا وقت ہوگا جب ہم ہانپتے ہوئے چھوٹی سی ایک وادی میں پہنچے تو ہمارے رہبر ساتھی نے کہا ''یہیں رک جاؤ۔ پل چار پانچ فرلانگ رہ گیا ہے''.....
ہم رک گئے۔ میرے ایک ساتھی نے جھولے (فوجی تھیلی) سے مکئی کی میٹھی روٹیاں نکالیں جو ہم سب نے کھالیں۔ ہم بہت تھک گئے تھے لیکن نیند کا ذرہ بھر احساس نہ تھا۔ بس ایک ہی احساس تھا کہ مشین گن کو ختم کر کے پل کو برباد کرنا ہے۔
وہیں صبح ہوگئی۔ قریب ہی گھنی جھاڑیاں اور ان کے ساتھ پہاڑی میں کھوہ سی تھی۔ ہم وہاں دبک گئے۔ دن کے وقت اس علاقے میں گھومنا پھرنا ایسے ہی تھا جیسے کوئی موت کے منہ میں پھر رہا ہو۔ پھر بھی میں اپنے راہنما کو ساتھ لے کر چھپتا چھپاتا ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں سے پل نظر آتا تھا۔ اس کے دونوں طرف چٹانیں تھیں اور جس چٹان پر مشین گن لگی ہوئی تھی وہ بہت اونچی تھی۔ میں نے پوری طرح جائزہ لیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ پل کو اڑانا آسان نہیں۔
ہم واپس آرہے تھے کہ اچانک ہمیں ایک کشمیری لڑکی نظر آئی۔ وہ سر پر گٹھڑی سی رکھے حیران و پریشان چلی جا رہی تھی۔ پیشتر اس کے کہ میں فیصلہ کرتا کہ اس لڑکی سے چھپے رہیں یا کیا کریں کہ میرے ساتھی نے اوٹ سے اٹھ کر اس کا راستہ روک لیا۔ لڑکی کی ہلکی سی چیخ نکل گئی لیکن میرے ساتھی نے یہ کہہ کر کہ ''ہم مسلمان ہیں'' اسے خاموش

کر دیا۔

بھولی سی یہ لڑکی بیس اکیس برس کی عمر کی ہوگی۔ وہ کشمیری لڑکیوں کی طرح خوبصورت تھی لیکن اس کے چہرے پر مظلومیت اور اذیت کے آثار تھے۔ وہ چپ چاپ کھڑی تھی۔ ہم اسے اوٹ میں لے گئے۔ میرے ساتھی نے پھر کہا۔

''ہم مسلمان ہیں اور آزاد کشمیر سے آئے ہیں۔''

لڑکی نے پوچھا...... ''تم بھی ہندوؤں سے لڑائی کرنے آئے ہو؟'' اسکی آواز میں خوشی نہیں تھی نہ غم تھا، نہ اس کی آواز میں جوش تھا نہ ہی اس کی آواز مری ہوئی تھی۔ کہنے لگی...... ''تم کشمیر کو کب آزاد کراؤ گے؟ یہاں جو آتا ہے، مارا جاتا ہے۔ اس پل کے پاس آزاد کشمیر کے بہت سارے آدمی مارے گئے ہیں۔''

''تم کہاں رہتی ہو'' میں نے اس سے پوچھا ''تمہارے ساتھ کون رہتا ہے۔؟''

اس نے اپنی مظلومیت کی بہت ہی لمبی کہانی سنا ڈالی، اس وقت میں نے دیکھا کہ اس کی آواز میں کوئی تاثر نہ تھا۔ وہ رو بھی رہی تھی اور دانت بھی پیس رہی تھی۔ باتیں کرتے کبھی اس طرح ہو جاتی جیسے انسان نہیں پتھر ہے۔ اس کی داستان مختصراً یہ ہے کہ اس کے گاؤں (جو وہاں سے دو تین فرلانگ دور تھا) میں تین چار گھرانے بھاگ نہیں سکے تھے۔ باقی گاؤں خالی تھا۔ اب ان کے لئے بھاگ کر آزاد کشمیر چلے جانا ممکن نہیں تھا۔ یہ لوگ بھارتی فوجیوں کے لئے بیگار کرتے تھے۔ اور یہ لڑکی مسلسل غیر انسانی مظلومیت کا نشانہ بنی ہوئی تھی۔ گاؤں کے تمام جوان آدمی شہید کر دیے گئے تھے۔ وہاں اب نوعمر لڑکے اور بوڑھے رہ گئے تھے جو فوجیوں کے لئے سامان اٹھا اٹھا کر ادھر ادھر لے جاتے تھے۔ اگر کوئی فوجی دستہ اس علاقے میں قیام کرے تو عورتیں اس کے لیے کھانا پکاتی تھیں انہیں اس کی اجرت دو وقت کی روٹی کی صورت میں ملتی تھی۔

اس لڑکی پر جو ظلم و ستم ہو رہا تھا، میں اس کی تفصیل نہیں سناؤں گا کیونکہ آپ اپنا خون پینے کے سوا کچھ نہیں کر سکیں گے۔ ہم چار آدمی تو گئے ہی مرنے کے لیے تھے لیکن اس لڑکی کی باتیں سنیں تو ہم نے فیصلہ کر لیا کہ ہم پل پر بھارتی مشین گن کا نشانہ بننے سے پہلے اس لڑکی کی عصمت کا انتقام لے کر مریں گے۔

لڑکی نے بتایا کہ یہاں سے دو میل دور ایک فوجی کیمپ ہے وہ وہاں ہندو افسروں کے چھوٹے موٹے کام کرنے جاتی ہے۔ یہ بھی ایک قسم کی بیگار تھی۔ اسے وہاں حکماً بھیجا جاتا تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ اس پل پر اور چٹان پر لگی ہوئی مشین گن کو بہت اچھی طرح جانتی ہے۔ اس نے کہا ''تم میں سے کوئی بھی اس پل کو نہیں اڑا سکتا۔ تم سے پہلے بہت مسلمان شہید ہو چکے ہیں۔ تم واپس کیوں نہیں چلے جاتے۔؟''

میرے ایک ساتھی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا ''تمہاری عزت کی قسم ہم واپس نہیں جائیں گے۔ کچھ کر کے جائیں گی اور تمہیں ساتھ لے کے جائیں گے یا تمہارے ساتھ یہیں مریں گے۔

لڑکی بھی جذباتی ہو گئی اور بے طرح رونے لگی۔ پھر اس نے باتیں شروع کیں تو ہمیں دشمن کی مشین گن کے متعلق نہایت کارآمد باتیں معلوم ہونے لگیں۔ لڑکی نے بتایا کہ اس مشین گن پوسٹ پر سات آٹھ آدمی ہیں۔ ان کے لئے ہر بدھ وار کی رات جیپ یا ٹرک پر پورے ہفتے کے لئے راشن آیا کرتا ہے۔ لڑکی نے کہا...... ''بعض اوقات کافروں کے افسر مجھے دو دو تین تین راتیں اپنے پاس روک لیتے ہیں اور بدھ وار کے راشن والے ٹرک پر بٹھا کر یہاں بھیج دیتے ہیں۔''

وہ سوموار کا دن تھا اور یہ وہی سوموار تھا جس روز انڈین آرمی نے پاکستان پر حملہ کیا۔ ہمیں تو بعد میں پتہ چلا تھا۔ ہم چاروں ساتھی اکٹھے ہو گئے۔ ہم نے لڑکی سے پوچھا کہ وہ اب کہاں جائے گی؟ اس نے خود اعتمادی سے کہا...... ''جہاں تم جاؤ گے'' جواب قدرتی تھا۔ ہم نے اسے کہا کہ انشاءاللہ اسے ساتھ لے چلیں گے۔

ہم ساتھیوں نے آپس میں مشین گن کی باتیں شروع کر دیں اور سکیمیں بنانے لگے۔ ہم میں سے کسی نے گرینیڈ کا نام لیا تو لڑکی نے بے تابی سے پوچھا ''تمہارے پاس گرینیڈ ہے۔''

ہم نے کہا ''ہاں'' ہے۔

وہ بولی ''میں نے سنا ہے کہ گرینیڈ میں ایک چھلا ہوتا ہے اسے کھینچ کر پھینکو تو وہ دشمن کو اڑا دیتا ہے۔'' ہم نے اسے بتایا کہ ہاں ایسے ہی ہوتا ہے۔

''ایک گرینیڈ مجھے دے دو۔'' اس نے پر جوش لہجے میں کہا ''میں اکیلی مشین گن اڑا دوں گی۔

''نہیں'' میرے ایک ساتھی نے کہا ''یہ تمہارا کام نہیں ہے۔ ہماری موجودگی میں ایک لڑکی لڑنے جائے ہمارے لئے شرم کی بات ہے۔''

لڑکی نے بجلی کی تیزی سے ایک ہاتھ میری کلائی پر اور دوسرا میرے گریبان پر رکھا اور چیخ کر بولی...... ''مجھے گرینیڈ دو''...... اس کی انگلیاں میری کلائی کے گرد اس قدر زور سے لپٹ گئیں جیسے میری کھال میں اتر گئی ہوں۔ میں نے اسے دیکھا تو اللہ کی قسم ڈر گیا۔ اس کی آنکھیں لال سرخ ہو گئی تھیں۔ چہرہ بھی سرخ اور اس کے دانت پس رہے تھے۔ وہ اب ایک خوبصورت اور مظلوم لڑکی نہیں، سراپا قہر بن چکی تھی۔ میرے ایک ساتھی نے اسے کندھے سے تھام کر کہا...... ''بہن صبر سے کام لو، یہ کام تمہارا نہیں۔''

وہ پھر چیخی...... ''مجھے گرینیڈ دو''۔ وہ رونے لگی اور ساتھ ہی چیخ چیخ کر کہنے لگی۔ ''مجھے گرینیڈ دے دو۔ یہ کام میرا ہے، عزت میری لٹی ہے۔ تم بے غیرت مسلمان کشمیر کو کیا آزاد کراؤ گے، مجھے گرینیڈ دے دو۔ مجھے اپنے باپ کے خون کا بدلہ لینا ہے۔ اپنے چھوٹے بھائیوں کے خون کا بدلہ لینا ہے۔'' وہ اور زور سے چیخی...... ''مجھے گرینیڈ دے دو بے غیرت! مجھے اپنی عزت کا بدلہ لینا ہے''...... اس کی انگلیاں میرے بازو میں اُتر گئیں اور میرا گریبان جو اس نے ہاتھوں میں دبوچا تھا میرا گلہ دبانے لگا۔

بڑی مشکل سے اس سے گریبان چھڑوایا لیکن اس وعدے پر کہ اسے گرینیڈ دے دیں گے۔ ہمیں توقع تھی کہ اس کا ابال سرد پڑ جائے گا لیکن نہیں، وہ پاگل ہو چکی تھی۔ ہمارے رہبر نے اس سے پوچھا کہ وہ مشین گن پوسٹ پر کس طرح گرینیڈ پھینکے گی؟''

''بھارتیوں کو تم نہیں جانتے، میں جانتی ہوں۔'' اس نے کہا...... ''وہ مجھے دیکھیں گے تو اوپر بلا لیں گے۔ کیونکہ وہ مجھے مظلوم اور غلام لڑکی سمجھتے ہیں۔ میں اوپر چلی جاؤں گی۔ وہ اپنے نشے میں بدمست ہوں گے اور میں ان کے درمیان گرینیڈ پھینک دوں گی۔''

میں اب سوچتا ہوں تو مجھے شرم آتی ہے کہ ہم نے ایک لڑکی کو گن پوسٹ تباہ کرنے کیلئے بھیج دیا تھا لیکن لڑکی کی اس وقت کی ذہنی حالت یاد آتی ہے تو تسلی ہوتی ہے کہ ہمیں اس کی خواہش پوری کرنی چاہیے تھی، ورنہ وہ چیخ چیخ کر ہمیں پکڑوا دیتی۔

میں نے اسے گرینیڈ دیا تو اس نے پوچھا کہ یہ کیسے چلے گا؟ میں اسے بتایا کہ چھلا کھینچ کر پھینک دینا اور گرینیڈ پھینک کر خود لیٹ جانا اوٹ میں ہو جانا۔

لڑکی نے گرینیڈ ہاتھ میں لے لیا اور اس کی پاس جو چھوٹی سی گٹھڑی تھی اسے اس طرح ہاتھ میں اٹھا لیا کہ کسی کو گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ اس کے ہاتھ میں گرینیڈ بھی ہے۔

وہ آگے چل پڑی اور ہم رینگتے اور چھپتے اس کے تعاقب میں چل پڑے۔ آدھے گھنٹے بعد دیکھا کہ لڑکی نیچے پگڈنڈی پر کھڑی اوپر مشین گن پوسٹ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ہم زیادہ دور نہیں تھے۔ ہمیں مشین گن کا ''گھونسلہ'' صاف نظر آ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ایک بھارتی سپاہی باہر نکلا اور ہاتھ ہلا کر بولا...... ''اوپر آ جاؤ''...... اور اس نے غلیظ سی بات کہہ دی۔

لڑکی اوپر چڑھنے لگی۔ اوپر جانے کا راستہ خاصا دشوار تھا۔ ایک دو دفعہ لڑکی ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ اس کے علاوہ وہاں بونے بونے درخت اور جھاڑیاں بھی تھیں۔ مشین گن پوسٹ خاصی بلندی پر تھی۔ ہم نے دیکھا کہ دو اور سپاہی باہر نکلے اور زور زور سے ہنسنے لگے۔ اتنے میں لڑکی کا سر نظر آیا۔ وہ مشین گن سے پندرہ بیس گز نیچے رہ گئی تھی۔

اچانک بڑے زور سے دھماکہ ہوا۔ جہاں لڑکی کا سر نظر آیا تھا وہاں سیاہ دھواں اور پتھر اڑے بھارتی سپاہی بھاگ کر مشین گن کے بنکر میں گھس گئے۔ اس کے بعد لڑکی نظر نہ آئی۔ ہم ایک ہی بات سمجھ سکے...... لڑکی نے شاید گرینیڈ کی پن نکال لی تھی لیکن اسکے سپرنگ کو مٹھی میں دبا کے رکھنا بھول گئی تھی۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے اسے بتایا تھا یا نہیں کہ اسے دبا کر رکھے معلوم ہوتا ہے کہ گرینیڈ اس کے ہاتھ میں پھٹ گیا تھا...... کشمیر کی مظلوم لڑکی آزاد ہو گئی تھی۔

ہم پر سکتہ طاری ہو گیا اور ہم اپنی پناہ گاہ میں واپس آ گئے۔ اب ہمارے ذہن پر بدھ وار والا راشن ٹرک سوار ہو گیا۔ ہم نے سوموار کی رات، منگل کا دن اور رات، بدھ کا دن بھی وہیں چھپے چھپے گزارا۔ ہمیں کچھ علم نہیں کہ ٹرک رات کس وقت راشن لیکر آتا ہے۔ بدھ کی رات آٹھ ساڑھے آٹھ بجے ہم پناہ گاہ سے نکلے اور دور کا چکر کاٹ کر، مشین گن والی چٹان کے پیچھے سے گزرتے اس پگڈنڈی پر پہنچ گئے جو آگے آ کر پل سے گزرتی تھی، ٹرک کے لئے یہی راستہ تھا۔ ہم پل سے خاصا دور پیچھے چلے گئے اور ایک آڑ دیکھ کر گھات میں بیٹھ گئے۔ خدا کی مدد شامل حال تھی۔ ہم اسی کے بھروسے یہ مہم سر کرنے آئے تھے۔ ہم گھات میں بیٹھے ہی تھے کہ دور سے ٹرک کی گونج سنائی دی۔ ہم سٹین گنوں پر میگزینیں چڑھا کر تیار ہو گئے لیکن فیصلہ یہ کیا کہ فائر نہ کریں کیونکہ پکڑے جائیں گے۔

ٹرک قریب آ گیا۔ اس کی بتیاں بجھی ہوئی تھی۔ یہ پندرہ ہنڈرڈ ویٹ ٹرک تھا۔ رفتار زیادہ نہیں تھی۔ جونہی ہمارے قریب سے گزرنے لگا۔ میرا ایک ساتھی ڈرائیور کی طرف سے ٹرک پر چڑھا۔ اور آہستہ سے کہا گاڑی روکو، میرے ہاتھ میں گرینیڈ ہے۔'' ادھر سے میں چڑھ گیا اور سٹین گن گاڑی کے اندر کر دی۔ میرے دو ساتھی ٹیل بورڈ پر جا چڑھے اور آہستہ سے للکارا ''خبردار، کوئی ہلا تو گولی مار دیں گے۔'' گاڑی رک گئی۔ اس میں ڈرائیور کے ساتھ ایک

نائک اور پیچھے تین سپاہی بیٹھے تھے۔حریت پسندوں کے کارنامے سن سن کر ان پر پہلے ہی دہشت طاری تھی۔کیا مجال کہ ان میں کسی نے اونچی سانس بھی لی ہو وہ تو مٹی کے پتلے نکلے اور بے حد دہشت زدہ۔

انہیں نیچے اتارا پھر چار بھارتیوں کی وردیاں اتروائیں جو ہم چاروں نے پہن لیں۔سر پر ان کی فولادی ٹوپیاں رکھیں۔انہیں ہانک کر ٹیکریوں کی اوٹ میں لے گئے۔ضرورت کے سامان میں ہمارے پاس مضبوط موٹی رسیاں بھی ہوتی تھیں۔ہم نے ان کے ہاتھ اور پاؤں ایک ہی رسی سے باندھ کر انہیں پیٹ کے بل لٹا دیا اور ٹرک سے گندے کپڑے اور اپنے رومال نکا کر سب کے منہ میں ٹھونس دیئے۔ہم ان پر فائر نہیں کر سکتے تھے ورنہ مشن چوپٹ ہو جاتا۔ہمارے رہبر نے ان سے پوچھا ''آج کا پاس ورڈ کیا ہے؟''

نائک نے جواب..... ''گھوڑا''۔

اس کے منہ میں پھر کپڑا ٹھونس دیا گیا۔میں نے انہیں کہا کہ اگر یہ ''پاس ورڈ'' غلط نکلا تو آ کر تمہیں جان سے مار دیں گے۔نائک نے سر ہلا دیا کہ نہیں، یہ ٹھیک ہے۔

میرا ایک ساتھی ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھا۔ساتھ ہمارا رہبر بیٹھا اور ہم دو پیچھے چڑھ گئے اور ٹرک چلا دیا۔تھوڑی دیر بعد ہم مشین گن پوسٹ کے نیچے کھڑے تھے۔رہبر نے ہارن بجایا تو اوپر سے آواز آئی..... ''ہالٹ، بکم ذر..... ادھر سے جواب ملا فرینڈ، ادھر سے آواز آئی..... ''پاس ورڈ'' ادھر سے جواب ملا۔''گھوڑا'' اوپر سے آواز آئی..... پاس فرینڈ اور ہم چاروں اوپر چڑھنے لگے۔اوپر سے آواز آئی۔ارے کیا لائے ہو؟..... سالے دال لائے ہوں گے..... میں نے جواب دیا..... ''نہیں یار، آج تو ترمال ہے''..... اوپر سے ہنسی کی آواز آئی۔

اوپر چڑھنا محال تھا۔قدم قدم پر پاؤں پھسلتا تھا۔آخر ہم مشین گن کے ''گھونسلے'' تک جا پہنچے۔ایک حوالدار نے پھر مذاق کرنا چاہا تو میں نے کہا ''ارے سب اندر ہو جاؤ، میجر صاحب بھی آ رہے ہیں''..... حوالدار بھاگ کر بنکر کے اندر چلا گیا اور اپنے سپاہیوں سے کہنے لگا ''پوزیشن، پوزیشن میجر صاحب آ رہے ہیں۔ایمونیشن ٹھیک سے رکھو''

ہم نے انہیں اندر کر کے ایک منٹ بھی ضائع نہ کیا۔چاروں نے نہایت پھرتی سے ایک ایک گرینیڈ پرائم کر کے مشین گن پوزیشن کے چوڑے سوراخ سے اندر پھینک دیا۔ایک ایک سیکنڈ کے وقفے سے چار گرینیڈ پھٹے۔ہم گرینیڈ پھینکتے ہی سوراخ کے نیچے لیٹ گئے تھے۔اس قدر زور کا دھماکا ہوا کہ پتھر دور دور تک اڑے اور ساری وادی میں دھماکے کی گونج کتنی ہی دیر بھٹکتی رہی ''گھونسلے'' کے اندر دو تین چیخیں سنائی دیں پھر خاموشی طاری ہو گئی۔

ہم نے دھواں دھار میں نارچ سے دیکھا ''گھونسلے'' کی چھت اڑ گئی تھی۔اندر کوئی بھی زندہ نہ تھا۔ایک میڈیم مشین گن پوزیشن میں تھی جو پرے جا پڑی تھی۔دوسری الگ پڑی ہوئی تھی اور دو لاشوں کے نیچے مارٹر گن پڑی تھی۔ہم نیچے آئے، نہایت اطمینان سے پل کے نیچے دیسی ساخت کا ڈائنامیٹ رکھا۔یہ بتی والا ڈائنامیٹ تھا۔بتی کو آگ لگائی اور دور بھاگ گئے ایک منٹ بعد وادی ایک دھماکے سے لرز اٹھی اور پل کے پرخچے اڑ کر بکھر گئے۔

ہم نے ٹرک سے بھارتیوں کے ہتھیار اٹھائے۔پھر وہاں گئے، جہاں ٹرک والے بھارتی سپاہیوں کو باندھ آئے تھے۔وہ اس طرح اوندے منہ پڑے تھے۔میرے ایک ساتھی نے مشین گن کے فائر کا جھڑکاؤ کیا اور سب کو ٹھنڈا کر دیا۔

اس رات ہم واپس اپنے ٹھکانے پر پہنچ گئے۔ہمارا مشن کامیاب تھا۔میں آج بھی اس ہیبت ناک مہم کی متعلق سوچتا ہوں تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔پھر خوشی ہوتی ہے کہ ہم نے مہم سر کر لی تھی لیکن اس کے ساتھ ہی مجھے وہ کشمیری لڑکی یاد آ جاتی ہے تو دل کی کیفیت کچھ اور ہو جاتی ہے۔میرے آنسو نکل آتے ہیں اور دل اس طرح ڈوبنے لگتا ہے جیسے میں نے کوئی بھی مہم سر نہیں کی..... کشمیر ابھی تک غلام ہے۔میں شکست خوردہ ہوں۔

خفیہ کیپسول

موسم سرما کی پہلی برف باری نے ''البوکرک'' میں میرا استقبال کیا اور جب میں کیری زوزو میں دوپہر کا کھانا کھانے رکا تو پک اپ کی ونڈ شیلڈ پر برف کے ننھے ٹکڑے تیر رہے تھے۔

الماکوڈور میں ہر شے ایٹمی ہے یا پھر جوہری یہاں کے لوگ غالباً اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ پہلا ایٹمی تجربہ ان کے پڑوس میں کیا گیا تھا۔ایک ایٹمی کیفے میں کیش کلرک سے میں نے ایٹمی دھماکہ کے بارے میں دریافت کیا جو پہلے ملتوی کر دیا گیا مگر اب دوبارہ اس تجربہ کا پروگرام بنایا گیا ہے۔کلرک نے زیادہ دلچسپی کا مظاہرہ نہ کیا چنانچہ میں نے بھی کافی ختم کی اور اپنی راہ لی۔

''ایل پاسو'' پہنچا تو سورج غروب ہو رہا تھا اور لوگوں کے لباس سے ظاہر ہو چکا تھا کہ میں میکسیکو کے نزدیک ہوں۔مجھے ایل پاسو میں لیمبرون نامی ایجنٹ سے رابطہ قائم کر کے کچھ معلومات حاصل کرنا ہیں۔اس کے بعد میرا اصل کام شروع ہو جاتا۔میک نے مجھے یہاں روانہ کرتے ہوئے بتایا تھا کہ ہماری ایک ایجنٹ خاص مشن پر یہاں بھیجی گئی تھی مگر اب معلوم ہوا کہ وہ دشمن کے ساتھ مل گئی ہے اور بہت جلد وہ ایک خطرناک قسم کے کام میں دشمن کی مدد کرنے والی ہے۔

میرا کام سارہ نامی ایک خاتون کو واپس لانا تھا۔میرے انتخاب کی ایک وجہ یہ تھی کہ سارہ ایک مہم میں میرے ساتھ کام کر چکی تھی اور میں اسے بخوبی جانتا تھا۔

ایل پاسو کے ایک ہوٹل میں میری لیمبرون سے ملاقات ہوئی اور اس نے بتایا کہ سارہ آج کل میری جین کے نام سے جوارز کے جن ہوا ہوا نائٹ کلب میں رقص کرتی ہے اور وہیں اس کے ساتھ ملاقات ہو سکتی ہے۔

سرحد عبور کر کے ہم جوارز پہنچے اور پہلے ہم نے ایک ہوٹل میں کھانا کھایا۔کھانے کے دوران میری نظر ایک خوبرو نوجوان اور انتہائی حسین عورت پر پڑی۔عورت بہترین لباس میں ملبوس تھی اور اس کا حسن پورے ہوٹل میں نمایاں ہو رہا تھا۔جبکہ کاؤبوائے سوٹ میں ملبوس نوجوان اس کے سامنے نوجوان لگتا تھا۔مجھے اس عورت کے نقوش کچھ شناسا سے نظر آئے اور میں نے لیمبرون کو کہنی سے ٹہوکا دیا۔لیمبرون نے اس عورت کو دیکھا اور نفی میں سر ہلا دیا کہ وہ اسے نہیں جانتا۔

کھانا کھا کر ہم جن ہوا ہوا کلب روانہ ہو گئے۔اور ہمارے پہنچنے سے پہلے رقص شروع ہو چکا تھا۔ایک نوعمر لڑکی نیم تاریک ماحول میں ہیجان انگیز رقص کر رہی تھی اور ابھی ہم نے کلب میں قدم ہی رکھا تھا کہ فوراً پردہ گر گیا اور شمع روشن ہو گئی۔آرکسٹرا پوری آواز میں بجنے لگا اور ایک شخص نے مائیک پر آ کر اگلے آئٹم کے لئے میری جین کے نام کا اعلان کیا۔

سازوں کی لے مدھم ہوئی اور پھر سارہ سٹیج پر نمودار ہوئے۔روشنیاں ایک بار پھر مدھم ہوئیں اور مائیک ہاتھ میں لئے ہوئے ایک شخص سٹیج پر آ کر رقاصہ کو ہدایات دینے لگا۔لیمبرون نے مجھے آہستہ سے چھوا اور میں نے دیکھا کہ ہماری نزدیکی میز پر کاؤبوائے اور اس کی ساتھی خاتون آ کر بیٹھ رہے ہیں۔میں ایک مرتبہ پھر رقص کی طرف متوجہ ہو گیا۔سارہ نے ابھی رقص کا آغاز ہی کیا تھا کہ ایک خنجر اڑتا ہوا آیا اور اس کی پشت میں دل کے مقام پر پیوست ہو گیا۔ہال میں بھگدڑ مچ گئی اور ہر شخص دروازے کی طرف بھاگنے لگا۔

میں سٹیج کی طرف لپکا مگر وہاں خوبصورت خاتون مجھے دھکیلتی ہوئی آگے نکل گئی۔میرے سٹیج پر پہنچنے سے پہلے وہ عورت سارہ پر جھکی ہوئی تھی مائیک پر رقص کی ہدایات دینے والا میرے راستے میں آیا اور اس نے مجھ پر حملہ کر دیا میں نے ذرا جھک کر اس کا وار خالی جانے دیا اور میرے پیچھے آنے والے لیمبرون نے اسے قابو کر لیا۔سارہ سانس لے رہی تھی اور اس نے اپنے سر کے پچھلے حصہ میں ہاتھ ڈال کر کیپسول نما ایک چیز اس عورت کے حوالے کر دی۔

جب میں ان کی طرف متوجہ ہوا تو سارہ کی نظر مجھ پر پڑی اور اس نے ''گیلی'' کہہ کر اس عورت کو اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا۔

دونوں عورتوں کے چہرے ایک دوسرے کے نزدیک تھے اور اب مجھے معلوم ہو گیا کہ خوبصورت خاتون مجھے صورت آشنا کیوں لگ رہی تھی۔دونوں عورتوں کے نقوش ملتے جلتے تھے۔مجھے اپنی پشت سے لیمبرون کا سگنل سنائی دیا کہ کوئی حملہ کرنے والا ہے۔میں فوراً زمین پر لیٹ گیا۔حملہ آور میرے اوپر سے ہوتا ہوا سٹیج کے پیچھے جا گرا۔اور اسے دوبارہ اٹھنا نصیب نہ ہوا۔دونوں عورتوں کے قریب پہنچنے پر مجھے معلوم ہوا کہ سارہ مر چکی ہے۔اور گیلی پر سکتہ طاری ہے۔

میں نے اس کا ہاتھ تھام کر عقبی دروازے کا رخ کیا اچانک کسی نے مجھے اس کا ہاتھ چھوڑنے کا حکم دیا۔میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا کاؤبوائے ہاتھ میں ریوالور تھامے کھڑا تھا۔میں رکنے لگا۔لیمبرون نے مجھے سگنل دیا اور میں عورت کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔اپنے پیچھے مجھے گولی چلنے کی آواز آئی مگر وہ میرے لئے نہیں تھی۔گیلی نے مزاحمت کرنے کی کوشش کی مگر میں اس کا ہاتھ تھامے دوڑتا رہا اور اپنی کار کے قریب پہنچ کر میں نے اسے اندر دھکیل کر ڈرائیور کو گاڑی تیز رفتاری سے بھگانے کا حکم دیا۔راہ میں مجھے خیال آیا کہ کہیں سرحد پر گیلی گڑبڑ نہ کر دے چنانچہ میں نے اس کی نظر بچا کر اپنی جیب سے بال پوائنٹ نکالا اور اسے کوٹ کی جیب میں موجود ہاتھ میں پکڑا لیا۔بال پوائنٹ کی نوک نمایاں کر کے میں نے گیلی کو اس طرف متوجہ کیا اور اسے دھمکی دی کہ اگر سرحد پر اس نے چیخنے چلانے کی کوشش کی تو میں بے دریغ گولی چلا دوں گا۔وہ خوفزدہ ہو گئی اور ہم اطمینان سے سرحد پار کر گئے۔

ہوٹل کے کمرہ میں پہنچ کر میں نے اپنا ہاتھ جیب سے باہر نکالا اور بال پوائنٹ پنسل اس کے سامنے رکھ دی۔وہ غصہ سے بے قابو ہو کر مجھے گالیاں دینے لگی مگر میں ہنستا رہا۔بالآخر میں نے اس سے کیپسول نما چیز طلب کی اور ساتھ ہی وہ الفاظ بتانے کو کہا جو سارہ نے مرتے وقت ادا کئے تھے۔گیلی نے اپنے ہونٹ بند کر رکھے تھے اور میرے بار بار یقین دلانے کے باوجود کہ میں سرکاری ایجنٹ ہوں وہ زبان کھولنے پر آمادہ نہ ہوئے۔میں نے آخری اقدام کے طور پر بائیبل ہاتھ میں لے کر اسے یقین دلانے کی کوشش کی مگر بے سود۔

تنگ آ کر میں زبردستی پر اتر آیا اور اس کے چیخنے چلانے کے باوجود میں نے اس کی تلاشی لینی شروع کر دی اور آخر کار کیپسول برآمد کر لیا۔ گیلی سسکیاں لے رہی تھی اور مزید معلومات حاصل ہونے کا اب کوئی امکان نہیں تھا۔ عین اس وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے محتاط انداز سے دروازہ کھولا اور میک کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔ کیونکہ میرے اندازے کے مطابق اسے واشنگٹن میں ہونا چاہئے تھا۔

میک نے کمرے میں داخل ہو کر ادھر ادھر دیکھا اور گیلی کو تاسف بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بستر کی چادر اس کی طرف اچھال دی۔ برہنہ عورت نے اپنا جسم ڈھانپ لیا اور میری طرف غصے بھری نظروں سے دیکھنے لگی۔ میک نے گیلی سے معذرت کرتے ہوئے میرے متعلق اپنے نادر خیالات کا اظہار کیا۔ گیلی اب بھی غیر مطمئن تھی۔ میک نے اپنے شناختی کاغذات اس کے سامنے کئے اور پھر اپنی مختصر تحریر میں ملک قوم اور امن جیسے خوبصورت الفاظ استعمال کرتے ہوئے اس سے تعاون کی اپیل کی۔

گیلی نے پہلے تو میرے بارے میں سخت ہتک آمیز الفاظ ادا کئے جن کا میں نے بالکل برا نہ مانا اور پھر اس نے اپنی داستان شروع کر دی۔ اس نے سارہ کے آخری الفاظ بتائے جو یہ تھے "تیرہ دسمبر کو دنیا تباہ ہو جائے گی۔ "میک دم" تک یہ چیز پہنچا کر اس تباہی کو روک سکتے ہو۔" میک نے اسے ذہن پر زور ڈال کر اور کچھ یاد کرنے کو کہا مگر گیلی نے کہا اس کے بعد بہن مر گئی۔

میک اور گیلی سارہ کے بارے میں اپنی اپنی معلومات کا تبادلہ کرنے لگے جن کے مطابق جینی بچپن ہی سے سام گنتھر سے محبت کرتی تھی اور والدین کی ڈانٹ ڈپٹ پر ناراض ہو کر گھر سے بھاگ گئی۔ سام گنتھر کا عشق بڑی بہن گیلی کے ساتھ شروع ہو گیا اور والدین کے مرنے کے بعد گیلی نے ضمیر کی خلش سے مجبور ہو کر جینی کی تلاش شروع کر دی۔ سام گنتھر اس کے ساتھ رہا اور اب انہیں معلوم ہوا تھا کہ جینی جن ہوا ہوا کلب میں رقاصہ کے طور پر کام کر رہی ہے۔ گیلی اُسے لینے وہاں پہنچی تو یہ حادثہ پیش آ گیا۔ گیلی ایک بار پھر رونے لگی۔

اس ساری داستان سے مجھے یہ بات معلوم ہوئی کہ کاؤبوائے جس نے مجھ پر گولی چلانے کی کوشش کی تھی سام گنتھر ہے اور میک کی زبانی معلوم ہوا کہ سام گنتھر ایک خطرناک جاسوس کے طور پر کئی سرکاری جاسوسی اداروں کو مطلوب ہے۔ سرکاری فائلوں میں اس کا نام "کاؤبوائے" درج ہے اور آج تک اس کی نشاندہی ممکن نہیں ہو سکی تھی۔ میک کی گفتگو میں میرے لئے چونکا دینے والی لیفبروں کی موت تھی جسے سام گنتھر نے ہلاک کر دیا تھا اور خود سرحد عبور کر کے غائب ہو چکا تھا۔

میک نے مجھے سام گنتھر کو گرفتار کرنے کا کام سونپا مگر میرے لئے یہ کام شروع کرنے کی کوئی بنیاد نہ تھی۔ میک بھی یہ بات جانتا تھا چنانچہ اس نے گیلی سے اس معاملہ میں تعاون کرنے کو کہا مگر اس نے صاف انکار کر دیا۔ میک نے دوسرا طریقہ اختیار کیا۔ اس نے مجھ سے کیپسول نما چیز لے کر اسے کھولا اور ایک مائیکرو فلم باہر نکالی۔ جیب سے محدب عدسہ نکال کر پہلے اس نے خود فلم کو دیکھا پھر اسے عدسہ سمیت گیلی کو پکڑا دیا۔

گیلی نے فلم کا بغور جائزہ لیا اور اسے میک کے ہاتھ میں دے کر اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ میک نے بولنا شروع کیا کہ مائیکرو فلم میں ان اہم منصوبوں کی جزئیات اور تفصیلات موجود ہیں جو ایٹمی تجربہ گاہ میں انجام دیئے جا رہے ہیں۔ سب سے اہم تصاویر ایٹمی تجربہ سے متعلق سامان کی ہیں جو ایک دو روز میں کیا جانے والا ہے۔ ان معلومات اور تصاویر کو اپنے قبضے میں رکھنا اور سرکاری ایجنٹوں کے حوالے کرنے سے انکار ایسے جرائم ہیں جن کی سزا عمر قید سے لے کر پھانسی تک ہو سکتی ہے۔

گیلی سمجھ گئی کہ وہ نادانستگی میں ایک ایسے جال میں پھنس گئی ہے جس سے وہ ہماری خوشنودی کے بغیر نہیں نکل سکتی۔ چار و ناچار تعاون پر آمادہ ہو گئی اگرچہ اس کا رویہ معاندانہ تھا۔ ہم نے کام کا آغاز اس موٹیل سے کیا جو اب تک گیلی اور سام گنتھر کی رہائش گاہ کے طور پر استعمال ہوتی رہی تھی۔

جواریز میں رات بھر قیام کے بعد ہم اپنی مہم پر روانہ ہو گئے مگر اس کے باوجود مجھے سام گنتھر کا کوئی سراغ نہ ملا۔ اور نہ ہی کوئی ایسی چیز مل سکی جو اس کے پروگرام یا شخصیت پر روشنی ڈال سکے۔ واپسی پر میں نے محسوس کیا کہ ایک کار مسلسل ہمارا پیچھا کر رہی ہے میں نے اصل راستہ چھوڑ کر ایک پہاڑی سڑک پر گاڑی ڈال دی۔ تعاقب کرنے والا بدستور ہمارے پیچھے تھا۔ میں برسوں پہلے اس جگہ آ چکا تھا۔ اور ان راستوں سے اچھی طرح آشنا تھا۔ ایک بلند پہاڑی سڑک پر میں نے گاڑی کی رفتار تیز کر دی اور چوٹی پر پہنچ کر نشیب میں اترتے ہوئے ایک دم گاڑی روک کر ایک کنارے پر کھڑی کر دی۔ پیچھے آنے والی کار اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی اور ہمارے قریب سے گزرتے ہوئے الٹ گئی۔ کار میں بیٹھے ہوئے شخص کو میں نے پہچان لیا۔ وہ جن ہوا ہوا کلب کا ڈانس ڈائریکٹر تھا۔ گاڑی نشیب میں لڑھک رہی تھی۔ میں نے اپنی گاڑی کو ٹرن دیا اور واپس روانہ ہو گیا۔

☆☆☆☆

گیلی سخت خوفزدہ تھی اور اس کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکل رہی تھی۔ وہ اس وقت بھی خاموش تھی جب میں نے ایک کچے راستہ پر گاڑی ڈال دی اور کچھ دور چل کر ایک درخت کے نیچے روک دی۔ برف باری شدید ہو چکی تھی۔ میں نے گیلی کو پک اپ کے پچھلے حصہ میں جانے کا اشارہ کیا اور پھر خود بھی گاڑی کے دروازے وغیرہ اچھی طرح بند کر کے وہیں چلا گیا۔ سٹوو جلا کر ہم نے رات کا کھانا کھایا اور پھر سونے کی تیاری شروع کر دی۔ برفانی موسم تاریکی اور تنہائی نے اس رات گیلی کو میرے بہت قریب کر دیا۔ خوبصورت صبح کا آغاز بہت خوشگوار ہوا۔

جواریز واپس پہنچے تو ہمیں کھانے اور ایندھن کی ضرورت تھی دو تین پٹرول پمپ مسترد کرنے کے بعد بالآخر تیسرے گیس سٹیشن پر گیلی نے کہا "یہ ٹھیک ہے" میں نے اس کا ارادہ بدل جانے کے خوف سے فوراً گاڑی کمپاؤنڈ میں داخل کر دی۔ میں گیس سٹیشن پر موجود ملازم کو ہدایات دینے لگا اور گیلی گیس سٹیشن کے باہر لگے ہوئے ٹیلیفون بوتھ میں چلی گئی۔ میں اسے ڈائریکٹری کی ورق گردانی کرتے ہوئے دیکھتا رہا اور پھر وہ باہر آ گئی۔ اس میں تو "ڈگ دم" نام کی کسی جگہ یا آدمی کا نام نہیں ہے۔ میں نے کوئی جواب نہ دیا اور اسے گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

قصبہ کی بڑی سڑک سے گزرتے ہوئے میں نے ایک جگہ بہت سے لوگ کھڑے دیکھے۔ تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں نے کار واپس موڑی اور عین اس جگہ کے سامنے لا کر کھڑی کر دی۔ اس سے کچھ دور ایک سفید بالوں والا شخص سنہری بالوں والے ایک شخص سے باتیں کر رہا تھا۔ سنہری بالوں والا شخص مسلسل کچھ کہہ رہا تھا مگر سفید بالوں والے شخص کا سر نفی میں ہل رہا تھا۔

کسی نے مجھے آواز دی اور میں چونک پڑا۔ اس قصبہ میں مجھے جاننے والا کوئی نہیں تھا۔ میں نے اپنے قریب کھڑے ہوئے شخص کو دیکھا اور مجھے فوراً یاد آ گیا کہ وہ فرینک میکا ہے ہم دونوں جنگ عظیم کے زمانے میں ایک ہی اخبار کے لئے کام کرتے تھے اور جنگ ختم ہونے پر ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے۔ ہماری ملاقات کوئی بیس برس بعد ہوئی تھی۔

فرینک اس ایٹمی تجربہ کی رپورٹ کے لئے آیا تھا اور اس نے مجھے بہت سی قیمتی معلومات فراہم کیں۔ سفید بالوں والا شخص اڈکٹر رینوکیمپ تھا اور وہ ایٹمی تجربہ گاہ کا انچارج تھا۔ ایٹمی دھماکہ اس کی نگرانی میں ہونے والا تھا۔ سنہرے بالوں والا شخص ڈاکٹر نالڈی ماہر ارضیات تھا۔ ڈاکٹر نالڈی رینوکیمپ کو سمجھا رہا تھا کہ ایٹمی دھماکہ فی الحال ملتوی کر دیا جائے کیونکہ زمین کی اندرونی اور بیرونی سطحیں فی الوقت اس کی متحمل نہیں ہو سکتیں۔ مگر ڈاکٹر رینوکیمپ اسی ہفتے دھماکہ کرنے پر مصر تھا۔

فرینک نے بتایا کہ ڈاکٹر نالڈی پہلی مرتبہ بھی تجربہ ملتوی کرانے کا باعث بنا تھا۔ اور ڈاکٹر رینوکیمپ اس پر سخت برہم تھا۔ نالڈی بھی یہ جانتا تھا کہ رینوکیمپ تجربہ ضرور کرے گا۔ چنانچہ احتیاطی تدابیر کے طور پر اس نے تجربہ گاہ کا قریبی علاقہ خالی کرا لیا ہے۔ تاکہ وہاں کسی قسم کا نقصان نہ ہو۔

میری اور فرینک کی گفتگو دو آدمیوں کی وجہ سے منقطع ہو گئی۔ تعارف پر معلوم ہوا کہ ان میں سے ایک چیف سیکورٹی آفیسر جیمسن اور دوسرا اس کا نائب ڈان ہے۔ جیمسن نے نہایت درشتی سے فرینک کو یاد دلایا کہ اسے ہدایت کی گئی تھی تجربہ ختم ہونے تک کسی کو نہیں ملے گا اور نہ ہی اس کے بعد کسی سے بات کرے گا۔ اخبار میں جلی حروف میں وہی بات شائع کی جائے جس کے لئے حکام اجازت دیں گے۔ فرینک نے اسے سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر وہ نہ مانا اور فرینک کو وہاں سے کھینچ کر اس نے سختی سے میرا ہاتھ پکڑا اور اپنی گاڑی میں لا کر بٹھا دیا۔

عین اس وقت ڈاکٹر رینوکیمپ اور نالڈی کی گفتگو ختم ہو گئی مجھے رینوکیمپ کی آواز سنائی دی کہ تجربہ کل ضرور ہو گا۔ نالڈی میرے قریب سے گزرا تو میں نے اسے پہچان لیا۔ میں نے اسے جن ہوا ہوا کلب میں دیکھا اور رقص کے دوران وہ سٹیج کے بالکل قریب بیٹھا تھا۔

جیمسن ڈرائیور سیٹ پر بیٹھا تو ڈان نے اس کے قریب آ کر پوچھا لڑکی اور گاڑی کا کیا کیا جائے۔ جیمسن نے چونک کر اس کی طرف دیکھا پھر اس کی نظروں کا تعاقب کرتے ہوئے اس نے میرے ٹرک پر نظر ڈالی۔ اچانک اس کا رویہ تبدیل ہو گیا وہ گاڑی سے نیچے اترا اور مجھے باہر آنے کا اشارہ کیا مجھ سے معذرت کرتے ہوئے اس نے ہاتھ ملایا اور اچھے سفر کی تمنا کے ساتھ ایک بار پھر معذرت کی۔

میرے لئے اس کا رویہ حیرت انگیز تھا مگر میں نے سوچا غالباً اسے واشنگٹن سے میرے بارے میں ہدایات مل چکی ہیں اور ٹرک کا نمبر دیکھ کر اس نے میری شناخت کی ہے۔ ہوٹل واپس جانے سے پہلے میں نے اسی گیس سٹیشن سے میک کو ٹیلیفون کیا جہاں سے ہم نے ایندھن حاصل کیا تھا۔ پورے قصبہ میں چند ایک جگہوں پر ہی ٹیلیفون تھے اور یہ جگہ ان میں سے ایک تھی۔ میک کو میں نے ڈاکٹر نالڈی کے بارے میں بتایا اور پھر اس سے دریافت کیا کہ اس نے میرے متعلق کسی کو ہدایات دی تھیں۔

میک نے پہلے تو مجھے اس بات پر ڈانٹ ڈپٹ کی کہ میں غیر متعلق معاملات میں کیوں ٹانگ اڑا رہا ہوں میرا کام صرف سام تھر کو پکڑنا ہے۔ پھر اس نے یہ بتا کر مجھے حیران کر دیا کہ میرے سوٹ کیس کے نچلی تہہ میں میرے لئے ایک تحفہ ہے جو مجھے حاصل کر لینا چاہیے۔ اس کے بعد ٹیلیفون خاموش ہو گیا۔

اُلجھے ہوئے خیالات کے ساتھ میں بوتھ سے باہر نکلا تو میری نظر پٹرول پمپ کے مالک پر پڑی وہ اپنے کیبن سے باہر آ رہا تھا۔ کیبن کے باہر اس کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی۔ جس پر "جان وگنم" ملتے جلتے نام تھے۔ یعنی گیلی مجھے جان بوجھ کر اس جگہ تک لائی تھی اور ہمارا مطلوبہ شخص یہی تھا۔

مجھے اس جال کا اندازہ ہو گیا تھا جس میں گیلی نے مجھے پھنسا دیا تھا ہوٹل میں پہنچ کر میں نے اسے کہا کہ وہ جہاں چاہے جا سکتی ہے اور اسے یہ خوف نہیں ہونا چاہیے کہ ہمارے لوگ اسے گرفتار کر لیں گے۔ وہ بالکل آزاد ہے۔ گیلی رونے لگی وہ دراصل مجھے اپنی محبت کا یقین دلا کر بے خوف بنانا چاہتی تھی۔ مجھے اس کھیل میں لطف آنے لگا۔ اس نے اپنے آنسو پونچھے اور مجھ سے یہ کہتے ہوئے باہر نکل گئی کہ میں اب خود سارا کام کروں گی اور تمہیں اپنے خلوص کا یقین دلا دوں گی۔ میں نے اسے آواز دے کر روکا اور اسے اپنی حفاظت کے لئے ایک پستول دے دیا۔

مجھے یقین تھا کہ وہ اپنے لوگوں سے رابطہ قائم کرے گی اور مجھے بیوقوف بنا کر میری جاسوسی کرنے واپس آئے گی۔ مگر میں اس کے لئے تیار تھا کیونکہ اس کے علاوہ میرے پاس رہنمائی کے لیے کچھ نہیں تھا۔ میں نے میک کا دیا ہوا تحفہ نکال کر دیکھا۔ یہ ایک عام کاؤبوائے بیلٹ تھی مگر اتنی بے ضرر نہیں جتنی بظاہر دکھائی دیتی تھی۔ انگلیوں کی ایک مخصوص جنبش سے اس کے بلیڈ باہر آ جاتے تھے اور یہ خطرناک ہتھیار میں تبدیل ہو جاتی تھی۔

میں پورے اطمینان سے سو رہا تھا کہ دروازے پر ہلکی سی آہٹ نے مجھے بیدار کر دیا میں خاموشی سے دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ دروازہ دھکیل کر کھولا گیا۔ اندر داخل ہونے والے پہلے شخص کو میں نے زوردار لات رسید کی۔ وہ فرش پر گر کر دوہرا ہو گیا۔ دوسرے شخص کو میں نے مکہ رسید کیا۔ مگر اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس نے مجھے دبوچ لیا اور میرا دم گھٹنے لگا۔ عین اس وقت جب میرے ہوش وحواس غائب ہونے والے تھے کسی نے میرے مخالف کے سر پر ایک ضرب لگائی اور پھر دوسری۔ اس کے لیے بیہوش ہونے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں نے آزاد ہو کر دو تین طویل سانس لئے اور پھر دیکھا گیلی اپنے ہاتھ میں پستول تھامے کھڑی ہے اسی کے دستے سے اس نے میرے مخالف کو بیہوش کیا تھا۔ کمرہ روشن کر کے میں نے حملہ آوروں کی شکلیں دیکھیں اور حیرت زدہ رہ گیا۔ ان میں سے سیکورٹی آفیسر جینن اور دوسرا اس کا نائب ڈان تھا۔ کئی گھنٹے بیہوش رکھنے والے انجکشن دے کر میں نے ان دونوں کو فرش پر لٹا دیا اور گیلی کی طرف متوجہ ہوا۔

☆☆☆☆☆

اس نے بڑے جوش وخروش سے اپنی داستان شروع کی اور مجھے اپنی چند گھنٹے کی کوشش کے نتائج بتاتے ہوئے کہا ہماری مطلوبہ جگہ "روڈ وسو" نامی قصبے میں ہے اور "وگ وم" لاج کے نام سے جانی جاتی ہے۔ دونوں بیہوش افراد کو وہیں چھوڑ کر ہم "روڈ وسو" کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستہ میں گیلی نے مجھ سے پوچھا کہ "سام تھر سے ملاقات ہونے پر میں کیا کروں گا؟" میں نے فیصلہ کن انداز میں جواب دیا کہ "میری مہم اس کی گرفتاری پر ختم ہو گی۔ ورنہ ہم دونوں میں اسے ایک کو مرجانا ہو گا۔ اس کے علاوہ کوئی اور صورت نہیں۔" گیلی خاموش ہو گئی اور باقی تمام راستہ میں نے اس سے کوئی بات نہ کی۔

"روڈ وسو" میں وگ وم لاج تلاش کرنا مشکل ثابت نہ ہوا۔ ہم عمارت میں داخل ہوئے تو ایک بوڑھی عورت نے ہمیں خوش آمدید کہا۔ رجسٹر کھول کر اس نے ہمیں ایک کمرے کی چابیاں دیں ادائیگی کرنے کے بعد میں نے سامان سنبھالا اور بالائی منزل پر واقع کمرے کا تالا کھولنے لگا۔ دروازے کھلتے ہی گرم ہوا کا جھونکا میرے چہرے پر لگا۔ اور نیم تاریک ماحول میں دو افراد مجھے سامنے کھڑے نظر آئے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ میں پیچھے کی طرف پلٹنا چاہتا تھا کہ مجھے اپنی کمر پر کسی سخت چیز کا دباؤ محسوس ہوا ساتھ ہی گیلی کی آواز آئی "بری بات ہے ڈارلنگ تم اپنا نقصان کر لو گے۔" میں نے اپنا جسم ڈھیلا چھوڑ دیا اور کمرے میں داخل ہو گیا۔ گیلی نے کمرہ روشن کر دیا۔ میرے سامنے ڈاکٹر نالڈی ماہر ارضیات اور گیس سٹیشن کا مالک وگنم کھڑے تھے۔ ریوالور وگنم کے ہاتھ میں تھا۔ میری پشت پر موجود شخص بھی سامنے آ گیا اور سام تھر کو دیکھ کر مجھے کسی حد تک اطمینان ہو گیا کہ میں "درست" لوگوں تک پہنچ گیا ہوں۔

وگنم سب کا سربراہ معلوم ہوتا ہے۔ اس نے تھر کو میری تلاشی لینے کا حکم دیا۔ اور میرے قبضہ سے پستول وغیرہ برآمد کر لئے گئے۔ مکمل تلاشی کے باوجود وہ "مائیکرو فلم" میرے قبضہ سے برآمد کرنے میں ناکام رہے کیونکہ وہ میرے پاس تھی ہی نہیں۔ وگنم نے گیلی کی طرف دیکھا اس نے حیرت اور پریشانی سے بھرپور لہجے میں کہا وہ اس کے پاس تھی۔ اس نے خود مجھے بتایا تھا۔ وگنم مسکرانے لگا۔ مس گیلی وہ فلم اب تک واشنگٹن پہنچ چکی ہو گی۔ تم اس شخص کو نہیں جانتیں یہ ان کا تربیت یافتہ بہترین ایجنٹ ہے۔ گیلی کے علاوہ ڈاکٹر نالڈی کے لئے بھی یہ سب کچھ سخت صدمہ کا باعث تھا۔

ان کی گفتگو سے مجھے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر نالڈی بنی نوع انسان کو ایٹمی تباہکاری سے محفوظ رکھنا چاہتا ہے۔ اور اس نے خدمت انسانی کے جذبہ سے مغلوب ہو کر ایک مرتبہ ایٹمی تجربہ ملتوی کرا دیا۔ اسے علم تھا کہ ریڈ کیمپ ایٹمی دھماکہ ضرور کرے گا چنانچہ وگنم کی ترغیب پر اس نے تجربہ گاہ کے نقشے اور ساز وسامان کی تفصیلات ایک فلم پر اتار کر اسے دینے کا وعدہ کیا۔ مائیکرو فلم جن ہوا ہوا کلب میں سارہ کو دی گئی اور جب یہ سام تھر تک پہنچنے والی تھی تو میں درمیان میں ٹپک پڑا اور سارا منصوبہ خاک میں مل گیا۔

میں وگنم کو پہچان گیا تھا وہ ایک خطرناک روسی جاسوس تھا جس کی تصویر میں نے ایک فائل میں دیکھی تھی اس کا اصلی نام مجھے یاد نہیں رہا تھا مگر مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ "کاؤبوائے" کے نام سے مشہور ایجنٹ اصل میں کون تھا۔ سام تھر صرف ڈمی کے طور پر سامنے آیا تھا۔

سر کی پشت پر لگنے والی ضرب نے میرے خیالات کو مزید گھبرا کر دیا اور جب مجھے ہوش آیا تو میں اپنے سامان سمیت پک اپ کے عقبی حصہ میں تھا۔ میرے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے۔ اور میرے نزدیک گیلی بھی اس مضحکہ حالت میں پڑی تھی۔ پک اپ اور ٹریلر کے ملحقہ دروازے کے قریب "وگنم" ہاتھ میں ریوالور تھامے بیٹھا تھا۔ سردی کے باعث میری اور گیلی کی حالت خراب تھی۔ میں نے قریب پڑے ہوئے کمبل کی طرف کھسکنا چاہا مگر وگنم نے ریوالور ہلا کر مجھے اس حرکت سے منع کر دیا۔ میری گالیوں کے جواب میں وہ قہقہے لگاتا رہا۔

طویل عرصے کی خاموشی کے بعد میرے دو تین مرتبہ مخاطب کرنے پر وہ بولنے پر آمادہ ہو گیا۔ اس نے تفصیل کے ساتھ مجھے اپنا منصوبہ بتایا جس کے مطابق ایٹمی تجربہ گاہ کے بالکل مخالف سمت میں واقع ایک ویران گرجا گھر وگنم کے استعمال میں تھا۔ اس نے ایک تجربہ گاہ بنائی ہوئی ہے جہاں سے مقررہ وقت پر ایک میزائل چھوڑا جائے گا۔ میزائل ایٹمی تجربہ گاہ کو تباہ کر دے گا۔ اور تجربہ کی ناکامی کے علاوہ اس جگہ موجود سائنسدان ٹیکنیشن، سینیٹر اخباری نمائندے اور دوسرے سینکڑوں افراد کی ہلاکت ایک طرف تو امریکی حکومت کو ناقابل بیان دشواریوں میں مبتلا کر دے گی اور دوسری طرف پوری دنیا پر روسی برتری کا سکہ جم جائے گا۔

اس انکشاف پر میں سن ہو کر بیٹھ گیا۔ گیلی نے اور زور سے کانپنا شروع کر دیا۔ منزل مقصود تک مجھے اور گیلی کو بات کرنے کا موقع نہ ملا۔ مگر میں نے مختلف منصوبے سوچنا شروع کر دیئے۔ ویران گرجا گھر کے قریب پہنچ کر ٹرک رک گیا۔ نیچے اتر کر مجھے معلوم ہوا کہ سام تھر اپنی گاڑی میں ہماری رہنمائی کرتا رہا ہے۔ اور نالڈی پک اپ ڈرائیو کر رہا تھا۔

سام تھر نے اپنی کار کچھ دور کھڑی کر رکھی تھی گاڑی سے اتر کر ڈاکٹر نالڈی نے گرجا گھر کی چھت پر نظر ڈالی اور ٹاور پر نظر پڑتے ہی اس نے وگنم کی طرف دیکھا۔ ایک سائنسدان کی طرح اسے بہت جلد حقیقت کا ادراک ہو گیا اور وہ تیزی سے وگنم کی طرف بڑھا۔ نالڈی چیخ چیخ کر بولتا رہا مگر وگنم کے چہرے پر ایک سرد سی مسکراہٹ کے علاوہ کچھ نہ تھا۔

وگنم نے آہستگی سے نالڈی کو اپنے سے علیحدہ کیا اور بولا "بیوقوف بوڑھے تم عنقریب اپنی تمام انسانیت اور انسان دوستی سمیت دفن ہو جاؤ گے۔ مجھے غداروں سے کوئی محبت نہیں تم میرے لئے بھی خطرہ کا باعث بن گئے ہو کیونکہ جب سرکاری جاسوس تمہیں گرفتار کرنے پہنچے تو تم میری طرف بھاگ آئے۔ میں جو نہایت خاموشی سے اس علاقہ میں کام کر رہا تھا اور انہیں "کاؤبوائے" کا علم ہو گیا ہے۔ بہرحال تمہارا وقت آن پہنچا ہے۔ اس نے اپنے ہاتھوں کو جنبش دی مگر عین اسی لمحے ٹاور کی چھت سے رائفل کا فائر ہوا۔

ڈاکٹر نالڈی کی پیشانی میں سوراخ ہو گیا اور وہ زمین پر گر گیا اس کے مردہ جسم سے گاڑھا گاڑھا خون سفید برف پر گرتے ہی جم گیا۔ گیلی کے منہ سے پہلی بار ایک چیخ نکلی اور وہ زمین پر گرنے لگی۔ وگنم نے اسے سنبھال لیا اور آگے کی طرف دھکیلا ہم دونوں کو ایک تاریک کمرے میں دھکیل کر دروازہ بند کر دیا گیا۔ چند لمحوں کے بعد جب میری آنکھیں اندھیرے سے آشنا ہوئیں تو مجھے اپنے نزدیک ایک اور شخص پڑا دکھائی دیا۔ اوندھے منہ گرے ہوئے اس شخص نے اپنا چہرہ بلند کیا تو میں نے اسے پہچانا۔ وہ جن ہوا ہوا کے سٹیج پر اعلان کرنے والا شخص تھا اور اس نے بلند پہاڑی پر مجھے گاڑی سمیت دھکیلنے کی کوشش کی تھی۔

نیم تاریکی میں ہم دونوں نے ایک دوسرے کا مکمل تعارف حاصل کیا۔ وہ بھی ایک سرکاری ایجنٹ تھا مگر کسی دوسرے محکمے کے تحت۔ میری مشکوک حالت کی بنا پر اس نے میرا پیچھا کیا اور ناکام رہنے کے بعد اپنے افسروں کو میرے متعلق بتایا۔ میرا پیچھا کرتے ہوئے وہ اپنی کار سمیت نشیب میں جا گرا۔ اور اس وقت سے ان لوگوں کی قید میں تھا۔ مجھے یہ معلوم کر کے بھی افسوس ہوا کہ میرے ہاتھوں بیہوش ہونے والا سیکورٹی آفیسر جینن اور اس کا نائب

ڈان ہی اس شخص کے آفیسر تھے اور وہ سرکاری فرائض کے سلسلہ میں مجھ سے باز پرس کرنا چاہتے تھے۔ بہر حال انہوں نے بدسلوکی کی اور اس کی سزا پائی اس شخص کا نام روہرو تھا اسے بھی ویگ مین کے منصوبے کا علم تھا۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے تعاون کرنا چاہتے تھے مگر کیسے؟

میں نے فرش پر گری ہوئی گیلی کو پکارا اور اس کو ان حقائق سے پوری طرح آگاہ کیا جن کا ہمیں سامنا تھا۔ میں نے گیلی کو سمجھایا کہ ویگ مین نے بڑی خوبصورتی سے سام گتھر کو کاؤبوائے کے نام سے متعارف کرا رکھا ہے اور سرکاری فائلوں کے ذریعے سام گتھر کی نشاندہی ہو سکتی ہے۔ اصل آدمی کی نہیں ویگ مین کے لئے ہماری زندگی صرف اس کے منصوبے کی کامیابی کے لئے ضروری ہے۔ اس کے بعد وہ ہماری بے بسی اور بے چارگی سے داد وصول کر کے ہمیں ختم کر دے گا۔

گیلی میری بات سمجھ گئی اور پروگرام کے مطابق اس نے چیخنا چلانا اور سام کو آوازیں دینا شروع کر دیا۔ توقع کے عین مطابق سام اندر آ گیا۔ گیلی نے اسے گڑگڑا کر اپنی محبت کا یقین دلایا مگر وہ ہنستا رہا۔ میں صرف سام کی توجہ اپنی طرف سے ہٹانا چاہتا تھا تاکہ مجھے اپنی کمر پر موجود بیلٹ کا بکل پشت پر لا کر رسیاں کاٹنے کی مہلت مل جائے۔ گیلی اپنا کام بڑی خوبی سے ادا کر رہی تھی اور سام اس سے پوری طرح لطف اندوز ہو رہا تھا۔

بکل میری پشت پر آ گیا تھا مگر سخت سردی اور مسلسل بندھے رہنے کی وجہ سے میرے ہاتھ کام کرنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ گیلی اب بھی رو رو کر اپنی محبت کا یقین دلا رہی تھی اور سام آہستہ آہستہ پیچھے کی طرف ہٹ رہا تھا۔ گیلی زمین پر گھسٹ گھسٹ کر اس کی طرف بڑھ رہی تھی اور وہ قہقہے لگا رہا تھا۔ اور پھر اس نے ایک زوردار لات گیلی کو رسید کی اور دروازے کی طرف بڑھا۔ اچانک روہرو نے اپنی جگہ سے جنبش کی اور اچھل کر سام پر جا گرا۔ سام نے گولی چلا دی روہرو فرش پر لیٹ گیا۔

☆☆☆☆☆☆

میں نے بیلٹ کھولی اور اسے اپنی پینٹ میں پھنسا رہنے دیا۔ بندھے ہوئے ہاتھ پاؤں کے ساتھ میں نے سرکس کے کرتب کا مظاہرہ کیا اور زور سے گھوم گیا۔ بالکل سام کے چہرے سے ٹکرایا اور اس کی تیز دھار اس کا چہرہ کاٹ کر رکھ دیا۔ وہ زمین پر گر کر چلانے لگا۔ میں نے دوسرا وار کیا اور پھر تیزی کے ساتھ اپنے جسم کو گردش دی۔ دوران خون شروع ہونے سے ہاتھوں میں جان آ گئی اور میں نے پہلے اپنی اور پھر روہرو کی رسیاں کاٹ ڈالیں۔ گیلی کو میں نے بندھا رہنے دیا۔

وقت بہت کم تھا روہرو کے جسم سے تیزی سے خون بہہ رہا تھا۔ میں نے سام گتھر کو باندھا اور روہرو کی طرف لپکا اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ ڈوبتی ہوئی آواز میں اس نے مجھ سے وقت پوچھا۔ ویگ مین کا منصوبہ شروع ہونے میں صرف دس منٹ رہ گئے تھے۔ روہرو نے پستول اپنے ہاتھ میں تھام کر مجھے باہر جانے کا اشارہ کیا۔ میں تیزی سے باہر نکلا اور ٹرک میں بیٹھ کر اسے دروازے کے قریب لے آیا۔ ناور سے چند گولیاں چلیں جن کے جواب میں روہرو نے ایک شخص کو گرا لیا۔ روہرو کی فائرنگ کے نتیجے میں وگ مین اور اس کے ساتھی اوپر ہی رہنے پر مجبور ہو گئے۔ میں روہرو کو باہر چھوڑ کر اندر داخل ہوا تو گیلی بدستور بندھی ہوئی تھی مگر اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا چاقو تھا۔ سام گتھر کی رسیاں کٹی ہوئی تھیں۔ اور وہ غائب ہو چکا تھا۔ میں نے خاموشی سے ساتھ گیلی کی رسیاں کاٹیں اور اسے کھڑا کر دیا۔ روہرو نے مجھے باہر جانے کا اشارہ کیا اور گھسٹتا ہوا کنٹرول بورڈ کے پاس پہنچ گیا۔ اس کے چہرے پر موت لکھی ہوئی صاف نظر آ رہی تھی۔ میں نے آخری مرتبہ اسے اٹھانے کی کوشش کی مگر اس نے سختی سے میرا ہاتھ جھٹک دیا۔ میں باہر آ کر ٹرک میں بیٹھا اور روانہ ہو گیا۔ تھوڑی دور جا کر میں نے دیکھا کہ گرجا گھر سے ایک میزائل بلند ہوا۔ ٹرک روک کر میں نے گیلی سے لیٹ جانے کو کہا اور پھر ایک دھماکے کی آواز آئی۔ میزائل واپس آ کر عمارت سے ٹکرایا اور اردگرد کا تمام علاقہ لرزنے لگا۔ روہرو اپنا فرض انجام دے چکا تھا۔ گرجا گھر اور اس کے اردگرد کا علاقہ گڑھے میں تبدیل ہو گیا۔ برف باری تیز ہو گئی اور ٹرک آہستہ آہستہ سڑک پر رواں ہو گیا۔ سام گتھر کی چھوڑی کار مجھے نظر آ رہی تھی۔ میں نے ایک موڑ کاٹتے ہوئے دروازہ کھولا اور گیلی کو اپنی آغوش میں لے کر ٹرک سے چھلانگ لگا دی۔ نرم نرم برف میں لیٹی ہوئی گیلی کو چھوڑ کر میں واپس آیا اور نشیب میں گرے ہوئے ٹرک میں سے اپنا سوٹ کیس نکال لیا۔ میں نے سام گتھر کو مردہ پایا اور ٹرک کو آگ لگنے سے پہلے ہی اوپر پہنچ گیا۔

سام گتھر کو میں نے ٹرک کے عقبی حصہ میں بیٹھے ہوئے دیکھ لیا تھا اگرچہ گیلی کو اس بات کا علم نہیں تھا۔ وہ یہی سمجھ رہی تھی کہ سام پہاڑوں میں کہیں چھپ گیا ہے۔ سام کی کار میں بیٹھ کر ہم واپس روانہ ہو گئے۔ میرا مشن مکمل ہو گیا تھا۔ ۱۳ دسمبر کے سورج کو پہاڑوں کی اوٹ سے ڈوبتے ہوئے دیکھ کر میں نے کار کی رفتار تیز کر دی۔ میرے کانوں میں لیبرون کی آواز گونج رہی تھی۔ جس میں اپ روہرو کی آواز بھی شامل تھی۔ ان دونوں نے میرے لئے اپنی جان قربان کر دی تھی۔ میرا مشن ان کا ذکر کئے بغیر مکمل نہیں کیا جا سکتا تھا۔

©جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر2

موت سے فرار

یہ جاننے کے باوجود بھی کہ آج بارڈر پار کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔اور ہزار سمجھانے کے باوجود میں خودکشی کرنے پر تلا ہوا تھا۔دراصل مجھ پر اب ایک ضدی سوار ہوگئی تھی۔پچھلے ہفتے سے اب تک ہم چار مرتبہ ناکامی کا منہ دیکھ چکے تھے۔پنجاب میں اس کے علاوہ کسی بھی جگہ سے بارڈر پار کرنا ممکن نہ رہا تھا۔دونوں طرف سے فوجوں نے مورچے سنبھال رکھے تھے۔مشرقی پاکستان میں حالات جوں جوں بگڑتے جارہے تھے،اس کے ساتھ ساتھ مغربی محاذ پر بھی کشیدگی بڑھتی جارہی تھی۔ان حالات میں جب کہ سرد جنگ عروج پر پہنچ جائے، فتح کا تمام تر انحصار انٹیلی جنس کی کارکردگی پر ہوتا ہے۔مجھے کشمیر کے ایک نہایت نازک مقام پر پہنچ کر چند ضروری معلومات حاصل کرنا تھیں۔لمحہ لمحہ قیمتی تھا اور مجھے ہر لمحے سے فائدہ اٹھانا تھا۔

سیالکوٹ کی ایک تحصیل کا یہ سرحدی علاقہ جسے ہم نے اس مرتبہ چنا تھا۔بہرحال کسی حد تک محفوظ تھا۔چھوٹے چھوٹے نالے اور پہاڑی علاقوں نے کچھ ایسی پوزیشن اختیار کرلی تھی کہ کسی بھی بہترین تربیت یافتہ آرمی کے لئے اسے مکمل کمیوفلاج کرنا ناممکن تھا۔یہ علاقہ عام طور پر ان چوروں کے تصرف میں تھا۔جو بارڈر کے دونوں طرف چوریاں کرتے ہیں۔پاکستانی انڈین علاقے اور انڈین پاکستانی علاقے سے عام طور پر مویشی ہانک کر لے جایا کرتے تھے۔میرا گائیڈ جس کی مدد سے میں بارڈر پار کررہا تھا،اس علاقے کا منجھا ہوا چور تھا۔اسی نے نوسو چوہے کھانے کے بعد حج کو جانے کی ٹھان لی تھی۔اب ایک عرصے سے وہ اپنا یہ آبائی پیشہ خیرباد کہہ چکا تھا اور انٹیلی جنس کے لئے خدمات سرانجام دے رہا تھا۔وہ مسلسل دو گھنٹے سے میرا سر کھا رہا تھا''دیکھو یہ ستارہ فلاں وقت نکلتا ہے''.....''فائر ہونے پر کس طرف بھاگنا ہے''.....روشنی راؤنڈ فائر ہو تو ایسے چھپنا ہے.....وغیرہ وغیرہ۔

دراصل میری کم عمری نے اس کے ذہن میں نہ جانے کس شک کو جنم دے ڈالا تھا۔وہ سب کچھ مجھے ایک ہمدرد ہونے کے ناطے سمجھا رہا تھا۔رات کے سائے پھیلتے ہی ہم نے پاکستان کو الوداع کہہ دیا تھا۔ہم بڑی احتیاط سے ایک ایک قدم پھونک پھونک کر اٹھا رہے تھے۔مبادا تھوڑی سی آہٹ سے بھی دشمن ہوشیار ہوجائے۔اب ہم بارڈر سے قریباً دو میل اندر آگئے تھے۔یہاں سے دیہی آبادی شروع ہوگئی تھی۔ہمارے سامنے ایک گاؤں تھا جس کے باہر بنے ہوئے مندر کی دیوار کے قریب بلب لٹک رہا تھا۔بلب کی روشنی صرف اتنی تھی کہ اردگرد کے دو چار مکانوں پر ہی پڑ سکے۔گاؤں کے گرد ایک لمبا چکر کاٹ کر ہم اس بھی آگے نکل گئے۔دراصل ہم کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتے تھے۔پھر ایک اور گاؤں آیا اور گزر گیا۔ہم قریباً چار پانچ میل سرحد کے اندر گھس آئے تھے۔ایک جگہ پہنچ کر میرا گائیڈ ٹھہر گیا۔سامنے بڑی سڑک نظر آرہی تھی۔

''وہ سامنے جو روشنی نظر آرہی ہے نا!.....وہ ہے دینا نگر۔یہاں سے دینا نگر اور پٹھان کوٹ جانے والی لاری گزرے گی۔مقامی علاقوں کے لئے''ٹمپو'' بھی چلتے ہیں۔یہاں سے شیزان پور، کٹوعہ اور سانبا کے لئے جیسا مناسب سمجھو کرنا۔اچھا خدا حافظ!''اس نے سرگوشی میں مجھ سے یہ کچھ کہا اور ہاتھ ملا کر میرے پیچھے پھیلے ہوئے اندھیرے میں واپس رینگ گیا۔

جس جگہ میں کھڑا تھا اس کے قریب ہی سڑک پر بس سٹاپ تھا۔یہاں مسافروں کے بیٹھنے کے لئے جگہ بنادی گئی تھی۔میں اس جگہ سے ہٹ کر قریباً سو گز دور درختوں کے ایک جھنڈ میں چھپ کر بیٹھ گیا۔میری گھڑی پر رات کا ایک بج رہا تھا اور پہلی لاری یہاں سے کم از کم چھ بجے گزرے گی۔پانچ گھنٹے مجھے ابھی سردی میں ٹھٹھرنا تھا۔میں نے بازو پر لٹکے ہوئے تھیلے میں سے کمبل نکالا اور اس سے اچھی طرح جسم ڈھانپ کر کپڑے کا تھیلا نیچے رکھا اور درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔کمبل کے اندر ہی منہ کرکے میں نے سگریٹ سلگالیا اور اندر ہی اس کے کش لگانے لگا سگریٹ کی روشنی کسی طرح نزدیک سے بھی نظر نہ آسکے۔

سگریٹ کے کش لیتے ہوئے میں دل ہی دل میں ان تمام ہدایات کو دہرا رہا تھا جو مجھے اختیار کرنا تھیں۔اپنے مشن کو یاد کررہا تھا جسے سرانجام دینا تھا اور آنے والے حالات سے نمٹنے کے لئے لائحہ عمل تیار کررہا تھا۔مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ چپے چپے پر انڈین سکیورٹی پھیلی ہوئی ہے۔کوئی سڑک، کوئی پل، کوئی لاری اڈہ، کوئی اسٹیشن، ہوٹل، سرائے، آشرم، مندر اور گردوارہ ان کی دسترس سے باہر نہیں۔لیکن ان تمام حالات کے باوجود وہ سب کچھ کرنا تھا جس کے لئے مجھے یہاں بھیجا گیا تھا۔

پٹھان کوٹ کی طرف بہت دور مجھے ایک روشنی حرکت کرتی دکھائی دے رہی تھی۔پھر اس روشنی کا رخ پنجاب کی طرف ہوگیا۔یہ کوئی آرمی کا نوائے تھا جسے اب میرے سامنے والی سڑک سے گزرنا تھا۔سگریٹ بجھا کر میں نے اسے اچھی طرح مسلا اور وہیں پھینک دیا۔پھر کمبل اس طرح اپنے اوپر اوڑھ لیا کہ سوائے آنکھوں کے اور کچھ نظر نہ آسکے۔میرے کمبل کا رنگ اتنا گہرا تھا کہ رات کو نظر آنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔میرے سامنے بنے ہوئے

بس سٹاپ پر ٹرکوں کی ہیڈ لائٹس کی مدھم مدھم روشنی پڑنی شروع ہوگئی تھی۔

''میرے خدا..... یہ کیا'' ٹرک تو رکنا شروع ہوگئے تھے۔ بیک وقت کئی خیال میرے دل میں آئے۔ کہیں یہ میرے استقبال کو تو نہیں آرہے۔ ممکن ہے مخبری ہوگئی'' ''صرف اسی ایک بات کے ہونے سے میں پریشان تھا اس کی علاوہ کچھ بھی ہو میری بلا سے۔ مجھ سے قریباً ڈیڑھ دو سو گز کے فاصلے پر اب ٹرکوں سے جوانوں نے اترنا شروع کر دیا۔ جیپ سے بندھی ہوئی مختلف قسم کی توپیں میرے بہت قریب سے زیادہ سے زیادہ پچاس گز کے فاصلے سے گزر رہی تھیں۔ یہ کانوائے سرحدی علاقے پر ڈیپلائے ہونے کے لئے آیا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر یہ ادا کیا اگر کمبخت ایک گھنٹہ پہلے آجاتے تو۔ اس سے آگے میں کچھ نہ سوچ سکا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے گاؤں سے آگے بڑھ کر پوزیشن سنبھال لی تھی۔ یہ عمل رات گئے قریباً تین بجے ختم ہوا۔ اب ٹرک واپس جانے لگے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ہر طرف پہلے کی طرح سناٹا طاری ہوگیا۔ میرے لئے اب صبح کا انتظار کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ اور علاقے کے متعلق میری معلومات صرف سامنے والی اس سڑک تک محدود تھیں جو پنجاب اور جموں کشمیر کو ملاتی ہے۔ میں بڑی احتیاط سے اپنی کمین گاہ سے نکلا اور نپے تلے قدموں سے سڑک کی طرف بڑھنے لگا۔ اس بات سے میں بخوبی آگاہ تھا کہ جہاں آرمی ڈیپلائے ہوتی ہے وہاں رات کے وقت پٹرول (گشتی پارٹی) بھی ضرور ہوتی ہے اور پٹرول شروع ہونے سے پہلے میں وہاں سے بہت دور نکل جانا چاہتا تھا۔ کم از کم کولی کی رینج سے دور۔ عافیت اسی میں تھی۔

میں سڑک کے پرلی طرف کھیتوں میں اتر گیا۔ اور سڑک کے ساتھ ساتھ دینا نگر کی طرف چلنے لگا۔ مجھے صرف اسی حد تک علم تھا کہ یہ سڑک گورداسپور اور پٹھان کوٹ کو ملاتی ہے۔ اور بس! میں اتفاق سے پنجاب کی طرف ہی جارہا تھا یعنی گورداسپور کی طرف صبح قریباً پانچ بجے میں دینا نگر شہر کے نزدیک پہنچ گیا۔ شہر سامنے نظر آرہا تھا۔

سورج افق سے ابھر رہا تھا۔ گاؤں سے گوالے دودھ کے بھرے ہوئے کین سائیکلوں کے دونوں طرف لٹکائے شہر کی طرف رواں دواں تھے۔ مندر اور گردواروں کے سپیکر اونچی اونچی آواز سے چلا رہے تھے۔ میں نے عام ہندو دیہاتی کا روپ دھار رکھا تھا۔ شہر کو جانے والی سڑک سے ہٹ کر میں نے ایک لمبا چکر کاٹا اور ایک مندر کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ دینا نگر کا غالباً ایک یہی بازار تھا۔ مندر بازار کے اندر ہی واقع ہے۔ میرے سامنے سے لوگ ''ہرے رام، کا جاپ کرتے ہوئے گزر رہے تھے۔ میں بھی ''ست نام، ست نام'' کا ورد کرتا مندر میں چلا گیا۔ صبح ساڑھے چھ سات بجے تک پاٹھ ہوتا رہا۔ میں وہیں ایک کونے میں بیٹھا وقت گزارتا رہا۔ جب بازار میں خوب چہل پہل شروع ہوگئی تو میں بھی باہر نکل آیا۔ ایک ''وشنو ڈھابے'' پر میں نے صبح کا ناشتہ کیا۔ ہندو ہوٹل عموماً دو طرح کے ہوتے ہیں ایک جن میں گوشت پکتا ہے اور دوسرے جہاں گوشت سے متعلق کوئی شے نہیں پکتی۔ ویشنو گوشت نہ کھانے والے کو کہتے ہیں اور ایسے ہوٹلوں کو وشنو ڈھابہ۔ میرا ناشتہ دو آلو کی کچوریاں اور دہی پر مشتمل تھا یہاں عجیب عجیب باتیں سننے میں آرہی تھی۔

''فلاں جگہ ایک جاسوس وائرلیس کرتا پکڑا گیا ہے۔ وہ وہاں کافی عرصے سے جوگی کا روپ دھارے بیٹھا تھا۔ فلاں جگہ سے عورت پکڑی گئی۔ فلاں جگہ جاسوسوں نے بم پھینکا۔ فلاں جگہ پانی میں زہر ملا دیا جس کے پینے سے تین چار آدمی مر گئے وغیرہ وغیرہ۔ کچھ بھی ہو بہر حال ایک بات جو حقیقت پر مبنی ہے، وہ یہ تھی کہ وہ تمام لوگ جنگ سے خوفزدہ تھے۔ دینا نگر چونکہ ایک سرحدی قصبہ ہے اور جنگ کی لپیٹ میں بھی سب سے پہلے وہی آتا تھا، اس لئے لوگ یہاں سے بیاس کے پار بھاگ رہے تھے۔ یہ حقیقت یہاں دیکھنے میں عام طور پر آتی تھی کہ ۶۵ء کی جنگ نے پاک آرمی کو ان کے ذہنوں پر مسلط کر دیا تھا۔ وہ لوگ پاکستانی فوج سے بہت ڈرتے تھے خاص طور پر پاکستان ایئر فورس کی دھاک ان کے دلوں پر بیٹھی ہوئی تھی، اس لئے معمولی سی خبر بھی ان کے اعصاب پر بم بن کر گرتی تھی۔ شہر کا یہ واحد بازار تھا جہاں عام حالت میں تو شائد بڑی رونق ہوتی ہو۔ لیکن ان حالات میں کوئی خاص چہل پہل دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ لوگوں نے اپنے مال اسباب پیچھے بھیج دیئے تھے اور وہ صرف اپنے گھروں کی نگہداشت کے لئے یہاں رہ گئے تھے۔

☆☆☆☆☆

ایک اجنبی کا بغیر کسی مقصد، عام حالات میں یہاں کسی ہوٹل میں بیٹھے رہنا شاید کوئی نرالی بات نہ ہو لیکن ان حالات میں، جبکہ آکاش وانی صبح شام پروگرام روک روک کر پاکستانی جاسوسوں اور کمانڈوز کے داخلے کا شور مچا رہی تھی اور لوگ خواہ مخواہ روک کر ایک دوسرے سے پوچھ گچھ کا سلسلہ شروع کر دیتے تھے، کسی اجنبی کا چھوٹے سے قصبے کے ایک ہوٹل میں بیٹھے رہنا، آ بیل مجھے مار والی بات تھی۔ میں بھی ناشتے سے فراغت پاتے ہی لاری اڈے کی طرف چل دیا۔

دینا نگر کا لاری اڈہ معمولی سا ہے۔ پنجاب سے کشمیر کو آنے والی بسیں یہاں چند منٹ کے لئے صرف سواریاں

اُتارنے ٹھہرتی ہیں۔ ویسے تو پنجاب، راجستھان اور کشمیر کے تمام سٹیشن، ہوٹل، لاری اڈے، بس سٹینڈ، آشرم اور سرائیں انڈین سیکورٹی سے بھری رہتی تھیں لیکن سرحدی علاقے خاص طور سے جموں سے گورداسپور، ڈیرہ بابا نانک اور سرحد کے ساتھ ساتھ امرتسر تک کے علاقے پر ان کی خاص نظر رہتی تھی۔

یہاں بھی کئی سی آئی ڈی والے نظر آ رہے تھے۔ میں نے یہاں سے براہ راست کشمیر جانا مناسب خیال نہ کیا بلکہ پنجاب کی طرف جانے کا ارادہ کیا تا کہ وہاں بیٹھ کر کوئی مناسب راستہ نکالوں اور کسی (Cover) (آڑ) کے ساتھ کشمیر کی طرف جاؤں۔ میں پٹھان کوٹ کی طرف سے آنے والی کسی بس کا منتظر تھا تا کہ گورداسپور اور امرتسر کے درمیان واقع ایک شہر بٹالے چلا جاؤں جہاں سے واپس جموں کی طرف سفر کیا جا سکے۔ دینا نگر کے بازار سے یہاں تک دو آنکھیں مجھے مسلسل گھورتی ہوئی آئی تھیں۔ سب سے پہلا کام تو تھا ان سے جان چھڑانا۔ ابھی میں اس مسئلے پر غور ہی کر رہا تھا کہ میرے پیچھے ایک شور اٹھا۔

''پکڑ لو سالے کو''۔

''جاسوس ہے۔''

''اس کے کپڑے اتارو''۔

''تلاشی لو، اس کی''۔

مختلف ملی جلی آوازوں نے عجیب سا سماں باندھ رکھا تھا۔ میری تو ایک مرتبہ جیسے جان ہی نکل گئی۔ دھڑکتے دل سے گردن گھما کر دیکھا۔ ایک مخبوط الحواس آدمی کو بہت سارے لوگ گھیرے کھڑے تھے۔ جو صاحب بازار سے یہاں تک مجھ سے چمٹے ہوئے تھے وہ بھی انہی گدھوں میں شامل ہو گئے۔ میں نے موقع غنیمت جانا اور جلدی سے بس میں سوار ہو گیا جو جموں سے آئی تھی اور امرتسر کو جا رہی تھی۔ یہ بسیں عموماً ایکسپریس ہوتی تھیں اور راستے میں سواریاں اتارنے ہی کے لئے کہیں رک جایا کرتی تھیں۔ بس کا ڈرائیور بھی تماشا دیکھنے میں محو تھا ادھر میری جان پر بنی ہوئی تھی کہ کہیں وہ گدھا، جو یہاں تک میرے پیچھے آیا تھا، اسے دوبارہ میرا خیال نہ آ جائے۔ ایک ایک لمحہ قیامت ڈھا رہا تھا۔ میری حالت پر قدرت کو رحم آ گیا اور پیچھے سے ایک اور بس آ گئی جس کی وجہ سے ہماری بس کے ڈرائیور کو بس چلانا پڑی جونہی بس سٹینڈ سے باہر نکلی، میں نے سکھ کا سانس لیا۔

ساری بس کا موضوع گفتگو، جاسوس بنے ہوئے تھے۔ معلوم ہوتا تھا جیسے پاکستانی جاسوس ان لوگوں کے حواس پر چھائے ہوئے ہیں اور سارا بھارت ان سے الرجک ہو گیا ہے۔ تمام لوگ اونچی اونچی آواز میں ایک دوسرے کو مختلف پاکستانی جاسوسوں کے کارنامے اور گرفتاری کے واقعات سنا رہے تھے اور میں ان سب سے بظاہر بے نیاز بس سے باہر کھڑکی میں سے جھانک رہا تھا۔ جہاں ہر دو تین میل کے بعد کوئی نہ کوئی آرمی کا نوائے نقل و حرکت کرتا دکھائی دے رہا تھا یا پھر سہمے سہمے کسان تھے جو حسرت بھری نظروں سے اپنے کھلیانوں کو دیکھ رہے تھے۔ جن پر بھارتی فوج نے قبضہ کر رکھا تھا۔ سڑک سے ہٹ کر کھیتوں کے پھیلے ہوئے وسیع سلسلے اب سمٹنے لگے تھے۔ غالباً گورداسپور آنے والا تھا۔ گورداسپور اڈے پر سواریاں اتار کر بس پھر چل دی۔ نئے سوار ہونے والوں نے یہاں کے کسی جاسوس کی گرفتاری کا حال سنانا شروع کر دیا۔ ایک مہاشے جی مجھ سے دو سیٹ آگے بیٹھے ہوئے بہت دیر سے سب کی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے، انہیں نجانے کیا سوجھی کہ یکا یک میرے ساتھ والی سیٹ خالی دیکھ کر وہاں براجمان ہو گئے۔

''کیا خیال ہے مہاراج جی آپ کا؟'' انہوں نے بات چھیڑی۔

''جی؟ کس بارے میں؟'' میں نے بظاہر لاتعلقی سے جواب دیا۔

''اجی یہی کم بخت جاسوسوں کے بارے میں''۔

''آپ کو لالہ جی؟ مجھ میں کیا نظر آیا جو مجھ ہی سے اس بارے میں پوچھ رہے ہیں'' میں نے چڑتے ہوئے کہا ''میں کوئی جاسوس نہیں ہوں۔''

''اجی واہ! آپ تو مہاراج برا مان گئے میری بات کا۔ ویسے آپ بھی تو ہو سکتے ہیں'' اس نے ہنستے ہوئے عجیب سے لہجے میں کہا۔

''ہونے کو تو آپ بھی کم نہیں''۔ میں نے بھی اس لہجے میں جواب دیا۔

اس بات پر ہم دونوں ہی ہنس پڑے۔ وہ کھسیانی ہنسی ہنس رہا تھا اور میری ہنسی میں خوف کا عنصر تو شامل تھا لیکن نمایاں نہیں تھا۔ اب ہم بٹالے کے قریب آ گئے تھے۔ بٹالہ قدیم شہر ہے اور اپنی صنعتی خصوصیت کی وجہ سے پنجاب ہی میں نہیں سارے برصغیر میں ایک ممتاز مقام کا حامل ہے۔ یہاں کے ''ٹوکے'' اور اسی نوعیت کے دوسرے اوزار بہت مشہور ہیں۔

بٹالہ آ گیا۔ میں اڈے سے باہر ہی اتر گیا تا کہ وہاں پر موجود سی آئی ڈی کی نظر سے بچ سکوں۔ لاری اڈے کے

سامنے کچہری ہے اور وہیں سے جو راستہ امرتسر کو جاتا ہے اس پر واقع بازار میں جا گھسا۔ ارادہ یہ تھا کہ شام تک آوارگردی کروں گا اور پھر جموں جانے والی لاری میں سوار ہو جاؤں گا۔ رات کو جموں پہنچ کر کسی آشرم یا سرائے میں قیام کروں گا۔ اور صبح اٹھ کر اپنے ٹارگیٹ کی طرف جاؤں گا۔ تھوڑی دیر بعد میں لاری اڈے کا رخ کر رہا تھا کشمیر جانے کے لئے۔

بٹالے سے براہ راست جموں جانے والی لاری میں جگہ نہ مل سکی البتہ پٹھان کوٹ تک مجھے لاری میں جگہ مل گئی۔ ایک مرتبہ پھر انہی مقامات کو دیکھتا ہوا کور داسپور کے راستے پٹھان کوٹ کی طرف جا رہا تھا۔ راستے میں ایک دو میل چلنے کے بعد ہمیں کسی نہ کسی آرمی کانوائے کا سابقہ پڑ جاتا تھا۔ ان سب کا رخ بارڈر ایریا کی طرف ہوتا تھا۔ یوں دکھائی دیتا تھا جیسے بھارت نے سارے پاکستان پر قبضہ کرنے کا جنون خود پر سوار کر رکھا ہے۔ یہی حالت عوام کی تھی۔ لاریوں پر کاروں پر، ٹرکوں پر جگہ جگہ کرش پاکستان (Crush Pakistan) لکھا ہوتا تھا۔

پٹھان کوٹ پہنچ کر میں لاری سے اتر گیا۔ بنیادی طور پر یہ ایک چھاؤنی ہے اور یہی خصوصیت اس کو اور شہروں سے نمایاں مقام دلاتی ہے۔ جگہ جگہ مختلف رجمنٹوں کے جوان آجا رہے تھے۔ پٹھان کوٹ کا ہوائی اڈہ اور چھاؤنی چونکہ خصوصی اہمیت کے حامل ہیں، اس لئے یہاں قدم قدم پر سیکورٹی کا زبردست پہرہ تھا۔ ہر قدم پھونک پھونک کر اٹھانا پڑتا تھا۔ حد سے بڑھی ہوئی احتیاط بھی خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ کیونکہ خواہ مخواہ کی احتیاط بھی بسا اوقات شک پیدا کر دیتی ہے۔

میں اڈے سے باہر نکل آیا قریب ہی ایک ہوٹل میں چائے سے دل بہلانے لگا۔ میرے سامنے لاری اڈہ تھا۔ جس کے چاروں طرف انڈین سیکورٹی کے مختلف محکموں کے آدمی پھیلے ہوئے تھے۔ پانچ چھ تو اب تک اپنی پہچان بھی کروا چکے تھے۔ وہ خواہ مخواہ کسی نہ کسی مسافر کو گھیر کر اس سے الٹے سیدھے سوالات شروع کر دیتے تھے۔ میں پانچ بجنے کا منتظر تھا۔ کیونکہ پانچ بجے والی لاری کے لئے میں نے ٹکٹ بک کروا رکھی تھی۔ اب پانچ بجنے میں دس منٹ باقی تھے اور میں اپنی سیٹ سے اٹھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اچانک "پرنام" کی آواز سے چونک پڑا۔

"ست سری اکال" میری داہنے طرف سے کسی نے کہا۔ میں نے تیزی سے گردن گھمائی۔ اس اجنبی دیس میں ایسا کون سا میرا شناسا نکل آیا۔ پھر تو جیسے زمین نے میرے پاؤں پکڑ لئے۔

میرے سامنے امریک سنگھ کھڑا تھا۔

☆☆☆☆☆

امریک سنگھ امرتسر کا رہنے والا تھا اور بڑے عرصے سے ہمارے ساتھ کام کر رہا تھا۔ لیکن پھر اچانک اس کے ڈبل ایجنٹ ہونے کا انکشاف ہوا۔ اس نے دو تین دفعہ مجھے بھی بارڈر پار کروایا تھا۔ اب وہ ہمارے نزدیک "شکی" آدمی تھا اور اس سے بچنے کے لئے مجھے واضح احکام مل چکے تھے۔ میں بھرے بازار کے ایک ہوٹل میں بیٹھا تھا جس کے سامنے پٹھان کوٹ جیسے فوجی اہمیت کے حامل شہر کا ہوائی اڈہ تھا۔ قدم قدم پر سی آئی ڈی اور انٹیلی جنس کے تربیت یافتہ آدمی جنہیں خاص طور سے کمانڈوز سے نمٹنے کے لئے تیار کیا گیا تھا، موجود تھے۔ ان کے نزدیک مجھ جیسے کی حیثیت ہی کیا تھا۔ اگر میں امریک سنگھ کو پہچاننے سے انکار کرتا تو وہ میری پہچان خود ہی کروا دیتا۔ کیونکہ اچانک بھاگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ چند لمحوں کے اندر اندر دھڑکتے دل کے ساتھ خود کو آنے والے حالات سے نمٹنے کے لیے تیار کر لیا۔

"ست سری اکال" میں نے جواباً نمسکار کیا۔

میں نے دلی جذبات پر مکمل قابو پا لیا تھا۔ میری شدید خواہش تھی کہ میرے چہرے سے کچھ بھی ظاہر نہ ہونے پائے۔

"کس طرح آنا ہوا مہاراج" اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"امریکے مال لے کر! "اٹ پر آیا تھا"۔ وہ مخصوص جگہ جسے سمگلر ملاپ کے لئے دونوں اطراف سے چنتے ہیں "پارٹی نہیں پہنچ سکی۔ ناکے بہت لگتے ہیں۔ اس لئے میں اکیلا ہی "جیکٹ" لے کر پار آ گیا ہوں۔ "سمگلر لوگ سونے کی ریتیاں چھپانے کے لئے پہنتے ہیں اس میں انہیں سلا کر چھپایا گیا ہوتا ہے۔" پارٹی پٹھان کوٹ کی ہے لیکن یہاں آ کر معلوم ہوا کہ وہ لوگ پہلے ہی پولیس مقابلے میں مفرور ہیں۔ میں نے یہ سب کچھ سرگوشی کے انداز میں آہستہ آہستہ اس کے گوش گزار کیا۔ کیونکہ ایسے لوگوں کا مقصد صرف دولت کا حصول ہوا کرتا ہے۔ میں نے سوچا ممکن ہے ہزار تولے سونے کے لالچ میں یہ ابھی مجھے گرفتار نہ کروائے اور تھوڑی سی مہلت مل جائے۔ میں صرف تھوڑی سی مہلت چاہتا تھا اس کے بعد مجھے امید تھی کہ اللہ کا فضل و کرم شامل حال ہوتے ہوئے یہ لوگ مجھے زندہ گرفتار نہیں کر سکیں گے۔

ایک لمحے کے لئے امریک سنگھ کی آنکھوں میں بے یقینی کی کیفیت نظر آئی پھر ایسا لگا جیسے اسے میرے بیان پر یقین

آ گیا۔

''مال کہاں ہے؟'' اس نے اسی طرح سرگوشی کے انداز میں مجھ سے پوچھا اور میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔

''شیزان پور۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔

شیزان پور، پٹھان کوٹ کے نزدیک صرف پندرہ بیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس طرح کم از کم یہ بلا میرے گلے سے یہاں سے تو ٹلتی۔ پندرہ بیس میل کے سفر میں اطمینان سے اس سے نجات حاصل کر سکتا تھا۔

''کس کے پاس؟''

جواباً میں نے اطمینان سے ایک سمگلر کا نام لے دیا جس سے وہ خود بھی واقف تھا۔

''لعنت بھیجو اس پر۔ میں تمہارا مال امرتسر میں لگوا دیتا ہوں۔'' اس نے اسی لہجے میں دوبارہ مجھے کہا۔

''اور کیا چاہیے یار'' میں نے بظاہر بہت خوش ہوتے ہوئے اسے جواب دیا۔ اس کے ساتھ ہی اسے اٹھنے کا اشارہ بھی کر دیا۔ ہوٹل سے باہر نکل کر وہ خود ہی بولا۔

''یار، میں ذرا بدنام آدمی ہوں۔ تھوڑا فاصلہ رکھ کر چلنا چاہیے۔''

''ٹھیک ہے تم آگے آگے چلو، میں تھوڑے فاصلے سے پیچھے آ رہا ہوں۔'' خود آگے چلنے کا سن کر ایک لمحے کو غالباً وہ چونکا ہوگا، لیکن خدا کی مدد میرے شامل حال تھی۔ اس لئے وہ پھر داؤ میں آ گیا۔ دراصل ہزار تولے سونے کا سن کر اس کی عقل ماری گئی تھی۔ اس نے سوچا سونے پر خود قبضہ کر کے مجھے ٹھکانے لگا دے گا یا ڈرا کر بھگا دے گا۔ کیونکہ میری گرفتاری کی صورت میں اس سے سونا بھی پکڑا جائے گا اور اس کی دانست میں اتنا بیوقوف تو میں تھا نہیں کہ سونے کی خاطر خود کو بھارتی پولیس کے حوالے کر دیتا۔

اب ہم دونوں اپنی اپنی دانست میں ایک دوسرے کو بیوقوف بنا کر شہر سے باہر نکل رہے تھے۔ تاکہ کسی مقامی بس پر بیٹھ کر شیزان پور پہنچا جا سکے۔ پٹھان کوٹ کا لاری اڈہ شہر ہی میں ہے۔ وہاں پر آنے کے لئے تمام بسوں کو اڈے کے سامنے والے بازار میں سے گزر کر آنا پڑتا ہے۔ بازار میں سے گزرتے ہوئے لاریوں کی رفتار ذرا کم ہوتی ہے۔ میں کسی ایسے موقعے کا منتظر تھا کہ بازار کے ختم ہونے سے پہلے پہلے آنکھ بچا کر کسی لاری میں سوار ہو جاؤں لیکن دوسری طرف مقابلہ بھی امریک سنگھ سے تھا۔ وہ ہر دو تین منٹ بعد گردن گھما کر پیچھے کی طرف دیکھ لیتا۔ سورج کبھی کا غروب ہو چکا تھا اور پٹھان کوٹ کی بتیاں جل رہی تھیں۔ بازار ختم ہونے میں زیادہ سے زیادہ دس منٹ اور لگتے، اس کے بعد شیزان پور تک بھاگنے کا کوئی چانس نہیں تھا۔ میں دل ہی دل میں خدا سے دعائیں مانگ رہا تھا کہ اے مولا، پردہ غیب سے کوئی سبب پیدا کرے۔ میرے قریب سے اب تک پانچ چھ لاریاں گزر چکی تھیں۔ لیکن جب بھی کوئی لاری میرے قریب آتی، امریک سنگھ چلتے چلتے ٹھہر جاتا اور گردن موڑ کر مجھے اس وقت تک گھورتا رہتا جب تک لاری گزر نہ جاتی۔

سول ڈیفنس کی وردیاں پہنے کئی نوجوان وہاں گھوم رہے تھے۔ میں خدا سے دعا مانگنے لگا کہ ان ہی کی کوئی مشق شروع ہو جائے۔ اچانک سائرن کی آواز گونجی، تمام جوانوں نے سیٹیاں بجانی شروع کر دیں اور اور اس کے ساتھ لائٹ آف ہو گئی۔

''بلیک آؤٹ۔ بھاگو۔''

میرے ذہن نے تیز سرگوشی کی اور میں اندھا دھند پیچھے کی طرف بھاگا۔ اچانک اندھیرا ہو جانے کی وجہ سے میں دو تین دفعہ مختلف آدمیوں سے ٹکرایا۔ اسی کشمکش میں میرا بیگ بھی کہیں گر پڑا تھا۔ لیکن میں ان تمام باتوں سے بے پروا بھاگا چلا رہا تھا۔ سڑک سے خاصا ہٹ کر میں نے کھیتوں کا راستہ اختیار کر لیا۔ اب میری آنکھیں اندھیرے میں کسی حد تک دیکھنے کے قابل ہو گئی تھیں اور ابھی اتنا گہرا اندھیرا پھیلا بھی نہیں تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ امریک سنگھ بھی میرے ساتھ ہی پیچھے کی طرف بھاگا ہوگا۔ اچھی طرح اطمینان کرنے کے بعد کے وہ میرے پیچھے نہیں آ رہا، میں نے دوبارہ اپنا رخ تبدیل کر لیا۔ اب میں سڑک سے ہٹ کر بڑی تیزی سے اندازے کے ساتھ اسی سمت میں جا رہا تھا۔ جہاں سے میں نے بھاگنے کا آغاز کیا تھا۔ مجھے یہی خوف تھا کہیں اس طرح میں سول ڈیفنس کے ہتھے نہ چڑھ جاؤں۔

بسوں کی آمد و رفت جاری تھی کیونکہ یہ مشقیں کی ہی اس لئے جاتی ہیں کہ ایسے اوقات میں انہیں کیا حفاظتی تدابیر اختیار کرنی چاہیں۔ میں تیزی سے چلتا ہوا بازار کے آخری سرے پر پہنچ گیا۔ جہاں سے بسیں مڑ کر بڑی سڑک پر پہنچتی ہیں۔ اب میں وہیں ایک طرف درخت کی اوٹ میں کھڑا تھا تاکہ پنجاب کی طرف جانے والی کسی بھی لاری میں سوار ہو سکوں۔ اب میرا انڈیا میں رہنا خودکشی کے مترادف تھا۔ مجھے علم تھا کہ انڈین سیکورٹی شکاری کتوں کی طرح میری بو سونگھتی پھرے گی۔

ایک بس نہایت مدھم روشنی کے ساتھ نمودار ہوئی اور میں خدا کو یاد کر کے اس میں سوار ہو گیا اندر بیٹھ کر سب سے

پہلے میں نے اپنی حالت کا جائزہ لیا۔ خدا کا شکر ہے کہ تمام کپڑے صحیح سلامت تھے۔ ورنہ یہاں پھر کوئی پتا آن کھڑی ہوتی لیکن میں بچا رہا۔ یہ بس امرتسر کو جا رہی تھی۔ امرتسر ہارڈر سے میں صرف نقشے کی حد تک واقف تھا۔ خود پار کرنے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا۔ لیکن اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ میں چپ چاپ امرتسر کا ٹکٹ خرید لوں اگرچہ راستے میں اور شہر میں بھی آتے تھے جہاں چیکنگ کا خطرہ تھا لیکن میں نے اب خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔ رات کا سفر تھا۔ میں سارے راستے اونگھنے کی ایکٹنگ کرتا گیا۔ لاری بھی پنجاب وڈویز کی ایکسپرس ٹائپ کی کوئی چیز تھی کیا مجال جو کسی شہر میں بھی پانچ منٹ سے زیادہ ٹھہری ہو۔ سارے راستے غالباً وہ تین یا چار جگہ ٹھہری ہوگی۔ جہاں کہیں لاری رکتی میں اونگھتا اونگھتا اگلی سیٹ پر بازو رجما کر ان پر اپنا سر رکھ کر سو جانے کی ایکٹنگ شروع کر دیتا۔ اس اثنا میں اپنے ساتھ والی سواری کی چھٹی کروانے کے لئے اس سے پانچ چھ مرتبہ ٹکرا بھی چکا تھا وہ بڑی ڈھیٹ ہڈی کا معلوم ہوتا تھا، وہیں جما بیٹھا رہا۔

آدھی رات گئے ہم لوگ امرتسر پہنچ گئے۔ میں نے بجائے شریف پورے کی طرف جانے کے فتح گڑھ جوڑیاں کو جانے والا راستہ اختیار کر لیا۔ میں جلد سے جلد شہر کی حدود سے باہر نکل جانا چاہتا تھا۔ وہ رات میں نے امرتسر کے ایک نواحی کھیت میں چھپے چھپے کاٹ دی۔ اس سے پہلے میں دو راتوں کا جاگا ہوا بھی تھا۔ میرے بدن پر ایک کوٹ، جرسی، قمیض، پتلون اور پاؤں میں بوٹ تھے یا پھر کوٹ کی جیب میں دو یا تین سو روپے کی کرنسی باقی تمام پیسے بیگ ہی میں رہ گئے تھے۔ سردی کے مارے مجھے بار بار جسم کو حرکت دینی پڑتی تھی۔ آدھی رات میں نے سگریٹ پھونک پھونک کر ہی گزار دی۔ نیند بار بار مجھ پر حملہ کرتی رہی لیکن مجھے علم تھا کہ اگر آج میں سو گیا تو شاندار بڑی نیند سونا پڑے۔ امریک سنگھ مجھ سے بخوبی آگاہ تھا وہ میرے کارنامے اتنا بڑھا چڑھا کر بیان کرتا کہ میرے لئے پاکستان واپس جانا ایک سپنا بن کر رہ جاتا۔

صبح اٹھ کر میں نے بازار کا رخ کیا۔ ایک حلوائی کی دکان سے ناشتہ کیا۔ اور ایک آشرم میں چلا آیا۔ میں نے ایک کمبل بازار سے خرید لیا تھا اور اب میرے جسم پر چادر کرتا، جرسی اور کمبل تھے۔ میں شکل سے مکمل دیہاتی نظر آ رہا تھا۔

آشرم میں ایک چارپائی پر میں کمبل اوڑھ کر سو گیا۔ پجاری کی مٹھی میں نے آتے ہی گرم کر دی تھی۔ لہٰذا میں ہر خطرے سے بے نیاز ہو کر سو یا رہا۔ میں دو راتوں سے مسلسل جاگ رہا تھا لیکن نیند اب بھی آنکھوں سے دور تھی۔ مجھے فوراً فیصلہ کرنا تھا کہ بارڈر کس جگہ سے کراس کیا جائے۔ امرتسر، ڈیرہ بابا نانک، کلانور یہ تین نام میرے ذہن میں گھوم رہے تھے۔ بالآخر ذہن نے فیصلہ ڈیرہ بابا نانک کے حق میں دیا اور میں مطمئن ہو کر سو یا رہا۔ قریباً دو بجے تک سوتا رہا۔ مجھے علم تھا کہ آشرم سرائے، گوردوارے یا ہوٹل میں رات ہی کو چیکنگ ہو سکتی ہے۔ دن کو تو کوئی گدھا ہی ہے جو پھنسنے کے لئے خود بخود وہاں چلا آئے گا۔ دوپہر قریباً دو تین بجے میری آنکھ کھلی۔ ایک قریبی وشنو ڈھابے پر دو تین پھلکے زہر مار کئے اور چائے کا ایک کپ اسپرین کے ساتھ پی کر میں چار بجے کے قریب ڈیرہ بابا نانک جانے والی لاری پر سوار ہو گیا۔ اس علاقے سے کچھ کچھ واقف تھا۔ ایک مرتبہ یہاں سے بارڈر پار کرنے کا اتفاق بھی ہو چکا تھا۔

☆☆☆☆☆

قریباً پانچ بجے لاری یہاں پہنچی میں شاہ پور کے نزدیک اتر گیا اور پگھانے نام کے ایک گاؤں کی طرف چل دیا جہاں سے مجھے بارڈر پار کرنا تھا۔ میں سڑک کے کنارے کنارے چلا جا رہا تھا۔ راستے میں جگہ جگہ آرمی نے مورچے کھود رکھے تھے۔ کھیتوں میں بارودی سرنگیں بچھا رکھی تھیں۔ فصلیں جو کٹائی کی منتظر تھیں تباہ ہوتی جا رہی تھیں۔ میرے ساتھ ساتھ اور بھی اردگرد کے دیہاتوں میں لوگ آ رہے تھے اور ہم سب کو فوجیوں کی مسلسل گھورتی ہوئی آنکھوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ راستے میں پڑنے والے گاؤں میں اکا دکا فوجی بھی دکھائی دیتا تھا۔ کیونکہ بہت سے لوگ جنگ کے خطرے کے پیش نظر گاؤں چھوڑ کر شہروں کی جانب بھاگ گئے تھے۔ صرف وہی لوگ گاؤں میں باقی تھے جنہیں بھاگنے والے اپنے سامان کی حفاظت کے لئے پیچھے چھوڑ گئے تھے۔

میرے پیچھے آتے ہوئے دیہاتی اب ایک ایک کر کے ختم ہو گئے تھے۔ میں اکیلا ہی گاؤں کی سمت جا رہا تھا اور اب مجھے اکیلے کو گھورتی ہوئی آنکھوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

''ٹھہرو'' ایک مورچے کے قریب سے گزرتے ہوئے گونج سنائی دی میں ہڑبڑا کر رک گیا۔ ''کدھر جانا ہے'' ایک لمبے تڑنگے سکھ صوبے دار نے مجھے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''پکھیویں مہاراج'' میں نے قریبی گاؤں کا نام لے دیا۔

''کیا نام ہے تمہارا؟''

''امرجیت، مہاراج جی۔''

''کہاں سے آ رہے ہو۔''

''مہاراج جی! گمٹالے سے۔''

''کس سے ملنا ہے۔''

''سرپنچ سے مہاراج۔''

''کیا نام ہے سرپنچ کا؟''

''پرم جیت سنگھ مہاراج۔''

اردگرد کے دس گاؤں کے سرپنچوں کے نام تو مجھے حفظ تھے۔

''یہ تھیلا دکھاؤ'' اس نے کہتے ہوئے خود ہی میرے ہاتھ سے تھیلا چھین لیا جس میں اس سچوئشن سے نمٹنے کے لئے میں نے پہلے ہی امرتسر کچہری سے لے کر الٹے سیدھے کاغذات ڈال لئے تھے۔

''یہ کیا ہے؟'' اس نے کاغذوں کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

''مہاراج جی! مقدمے کے کاغذ ہیں۔ کل ہماری پیشی ہے۔ سرپنچ سے سفارش ڈلوانی ہے۔''

''ٹھیک ہے جلدی جلدی نکل جاؤ یہاں سے'' اس نے مطمئن ہوتے ہوئے مجھے تھیلا واپس کر دیا اور میں اس گدھے صوبے دار کو ست سری اکال کہہ کر اپنی منزل کی طرف چل دیا ابھی اور کئی مصیبتیں میری منتظر تھیں۔

''پکھیویں'' سے میں ''روسے'' پہنچ گیا۔ جہاں سے میں پگھانے کے ساتھ واقع نور پور نامی پکٹ کی ساتھ ساتھ باڈر کراس کرنا چاہتا تھا۔ سامنے دائیں طرف دریا کے ساتھ پاکستانی پکٹ کجرتو اور بائیں طرف صرف ''بیلے'' کا علاقہ تھا۔ جس کے سامنے ہماری پکٹ ''مردانہ'' واقع ہے۔ یہاں سے بارڈر کم از کم میل بھر کی مسافت پر واقع تھا۔ اور ایریا بھی ایسا جس کے چپے چپے پر انڈین آرمی یا تو خود ڈیپلائے تھی یا اس نے ''زمین دوز سرنگیں (مائنز) دبا رکھی تھیں۔ جب مجھے انڈیا میں داخل ہونا تھا تو اسی علاقے کا انتخاب کیا گیا تھا۔ لیکن یہاں سے ناکامی کے بعد مجھے دوسری جگہ سے داخل کیا گیا تھا۔ ہم نے یہاں سے داخل ہونے کی تین کوششیں کی تھیں۔ لیکن ناکامی ہوئی تھی۔ اس اثناء میں مجھے اس علاقے کے چپے چپے سے واقفیت ہو گئی تھی اور اب قسمت پھر مجھے اسی مقام پر لے آئی تھی۔ اس جگہ سے بارڈر پار کرنا کتنا خطرناک تھا۔ اس کا مجھے بخوبی علم تھا، لیکن اپنے ملک پہنچنے کی تمنا اور اپنی بقا کی جنگ جو میں لڑ رہا تھا، اس کے سامنے اس خطرے کی ذرہ بھر اہمیت نہیں تھی۔ میں کماد کے ایک کھیت میں چھپا اندھیرا پھیلنے کا منتظر تھا تاکہ قسمت آزمائی کر سکوں اب اندھیرا پھیلنا شروع ہو گیا تھا۔ کھیت کے باہر سرکنڈوں کا ایک چھوٹا سا سلسلہ تھا اور اس کے آگے کھڑے ہوئے فوجیوں کے مورچے جن کے درمیان سے گزر کر مجھے نور پور پکٹ کے قریب پہنچنا تھا تاکہ میں وہاں سے سرکنڈوں کی آڑ میں چلتا ہوا خشکی کے راستے پاکستان میں داخل ہو سکوں، یہاں ہماری پوزیشنیں دریا سے آگے بنی ہوئی تھیں کیونکہ دریا سے آگے تقریباً پانچ میل کا ایریا پاکستان علاقے ہی میں تھا اور اس کے لئے بارڈر لائن شروع ہوتی تھی۔ کماد کے کھیتوں سے سر باہر نکالا ہی تھا کہ میرے قریب ہی قریباً پچیس یا تیس فٹ دور زور کا دھماکا ہوا۔ غالباً کوئی بارودی سرنگ پھٹی تھی۔ اس کے ساتھ ہی گولیوں کی تڑتڑ کی آوازیں گونجنے لگیں۔ بھارتی فوجیوں کے پاس نجانے اتنا اسلحہ کہاں سے آ گیا تھا کہ وہ بغیر دیکھے بھالے خواہ مخواہ فائرنگ شروع کر دیتے تھے۔ میرے قریب سے روشنی راؤنڈ فائر ہوا اور وہ گدھے رک گئے۔ میں پھر واپس وہیں دبک گیا۔ روشنی میں ''ہوم گارڈ (Home Guard)'' کے جوان خاکی وردی پہنے، ہاتھوں میں رائفلیں تھامے ادھر ادھر بھاگتے نظر آ رہے تھے۔ خدا نے ایک اور کرم کیا کہ مجھے اپنے قریب والے مورچے کا بھی علم ہو گیا ورنہ ابھی تک میں اس سے بے خبر تھا۔ غالباً کسی ''ہوم گارڈ'' کا پاؤں غلطی سے بارودی سرنگ پر آ گیا تھا جس کی وجہ سے وہ پھٹ گئی۔ پندرہ بیس منٹ بعد ان کی بھاگم دوڑ ختم ہوئی اور ماحول پر ایک مرتبہ پھر پہلے جیسا سناٹا طاری ہو گیا۔

میری آنکھوں کے سامنے بوڑھا اور سرد آسمان اپنے دامن میں ہزاروں ستاروں کی ساتھ ٹھٹھرتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ مجھے علم تھا سامنے شکرگڑھ پر بھی یہی آسمان اپنے ننھے ننھے جگنوؤں کے ساتھ سایہ فگن ہو گا اور وہاں سے کچھ دور ایک شہر بے مثال میں میرے ماں باپ بہن بھائی آرام سے رضائیاں اور لحاف اوڑھے اطمینان کی نیند سو رہے ہوں گے۔ اس بات سے قطعی بے نیاز کہ ان سے کچھ فاصلے پر میں زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہا ہوں۔ میں نے چادر کو لنگوٹی کی طرح باندھ رکھا تھا۔ کمبل پھینک دیا تھا۔ میرے پاؤں ننگے تھے اور میں پنڈلیوں تک شبنم سے بھرا ہوا تھا لیکن مجھے سردی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ شدید سردی کے باوجود میرے ماتھے پر پسینے کے قطرے ابھرے ہوئے تھے اور مجھے اپنے وجود میں خون کی جگہ انگارے دوڑتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ رات اپنے سینے میں ہزاروں وحشتیں سمیٹے رینگ رینگ کر سورج دیوتا کی طرف بڑھتی جا رہی تھی۔ رات اور دن کا صدیوں سے جاری سفر جاری تھا۔ میں نے دل ہی دل میں ایک مرتبہ پھر آیت الکرسی پڑھی اور بڑی احتیاط سے

چلتا ہوا کھیتوں سے باہر نکل آیا۔ اب ایک خالی قطعہ زمین جو غالباً پندرہ بیس گز لمبا تھا، مجھے رینگ کر طے کرنا تھا اس کے بعد سرکنڈوں کا وہ سلسلہ تھا جس سے گزر کر مجھے آگے پکٹ کی طرف بڑھنا تھا۔ تمام ایریا آرمی نے مکمل کیمو فلاج کر رکھا تھا۔ کسی بھی وقت کسی بھی لمحے میرا پاؤں یا جسم کا کوئی اور حصہ کسی بھی مائنز کو چھو جاتا پھر ایک دھماکا ہوتا اور جسم کے پرخچے اڑ جاتے۔ میں رینگتا ہوا سرکنڈوں کی طرف جا رہا تھا۔ وقت بھی میرے ساتھ رینگ رہا تھا۔ ایک ایک لمحہ قیامت ڈھا دینے والا تھا۔ اب میں اس مقام پر آ گیا جہاں سے واپس لوٹنا بھی موت اور آگے بھی موت۔ میرے چاروں طرف موت اپنی تمام وحشتوں کے ساتھ رقص کر رہی تھی۔ لیکن میں زندگی کے لئے اس سے چوکھی لڑائی لڑ رہا تھا۔ اپنی بقا کے لئے موت سے جنگ کر رہا تھا اس امید کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے میں انشاءاللہ اپنے مقدس وطن کی زمین پر پہنچ جاؤں گا یا پھر مر جاؤں گا کیونکہ زندہ ان بھیڑیوں کے ہاتھ آنا تو سسک سسک کر مرنے والی بات ہے۔

میں دل کی تیز تیز دھڑکن کے ساتھ اب مورچوں کے عین نیچے پہنچ چکا تھا۔ نیم دائرے میں بنے ہوئے یہ مورچے مجھ سے دس بارہ فٹ کی اونچائی پر واقع تھے۔ جس کے نیچے سرکنڈوں کی ایک قطار سی پھیلتی چلی گئی تھی۔ میں اب مورچوں سے گزر کر بیلے میں داخل ہو گیا جہاں مجھے امید تھی کہ اب خطرہ ٹل گیا ہے۔

اچانک میرے پیچھے دھماکا ہوا اور سارا ماحول ننگا ہو گیا۔ میرے قریب ہی چھپے ہوئے کسی فوجی نے جو وہاں پوزیشن لئے بیٹھا تھا، مجھے دیکھ لیا تھا اور اس نے روشنی راؤنڈ فائر کر دیا تھا۔

''ہالٹ'' کسی کی زوردار آواز گونجی اور میں نے بڑی پھرتی سے سامنے بڑی بڑی لمبی جنگلی گھاس (بیلے) میں چھلانگ لگا دی۔ پر میں کمر کے بل جھک کر تیزی سے بھاگنے لگا۔ گولیوں کی سرخ لکیریں میرے تعاقب میں تھیں۔ میرے کانوں کے دونوں طرف شائیں شائیں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ لیکن میں جنونیوں کی طرح اپنی پوزیشن میں دوڑا چلا جا رہا تھا۔ میری پنڈلیوں سے خون رسنا شروع ہو گیا تھا اور دل کا یہ عالم کہ جیسے سینہ پھاڑ کر باہر آن گرے گا۔ سردی گرمی کا احساس مر چکا تھا۔ بس ذہن میں ایک ہی آواز مسلسل گونج رہی تھی۔ دوڑو..... دوڑو..... تیز..... اور تیز..... ان تمام باتوں کے باوجود میرا ذہن مکمل بیدار تھا۔ مجھے علم تھا اگر مجھ سے ذرا سا بھی سمت کا غلط اندازہ ہو گیا تو وہ مجھے گھیر کر مار ڈالیں گے۔ اب میں برجیوں پر پہنچ چکا تھا جو بارڈر کی حد ہوتی ہے۔ میں نے چھلانگ لگائی اور پاکستانی دھرتی کو بوسہ دے دیا۔

میرے پیچھے فائرنگ ابھی تک جاری تھی۔ اچانک ''ہالٹ'' کی آواز گونجی اور میں رک گیا جیسے یہ سب کچھ بجلی کا کوئی عمل ہو۔

''ہینڈز اپ۔''

میں نے فوراً ہاتھ کھڑے کر دیئے۔

''اوئے! یار تم پھر واپس آ گئے۔'' کمپنی کمانڈر نے میرے چہرے پر ٹارچ کی روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔

''ہاں آنے والی بات تو کوئی نہیں تھی۔''

اور میں نے ہاتھ نیچے گرا دیئے۔ ہم دونوں ایک ساتھ ہنس رہے تھے۔

©جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر3

آدم خور جزیرہ

میرا نام رالف روور ہے مجھے سیر و سیاحت کا جنون کی حد تک شوق ہے۔یہی وجہ ہے کہ میرے اصل نام رالف کے ساتھ میرے ساتھیوں نے لفظ ''سیلانی'' کا اضافہ کر رکھا ہے۔میں نے اس وسیع و عریض دنیا کے طول و عرض کی بڑے جوش اور خروش اور ذوق و شوق سے بادیہ پیمائی کی ہے۔بحری زندگی ہمارا آبائی پیشہ ہے۔والد صاحب اور دادا جان دونوں بحری جہازوں کے کپتان تھے اور میرے پردادا بحریہ میں ایک سپاہی تھے۔میری پیدائش کے بعد والد صاحب نے ضعیف العمری کے سبب سمندر کو خیر باد کہہ دیا۔اور انگلستان کے مغربی ساحل پر ہی علاقے میں ایک چھوٹا سا مکان خرید کر وہیں اپنی زندگی کے بقیہ ایام گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔جب میں نے ہوش سنبھالا تو انہوں نے مجھے ایک ساحلی جہاز پر بطور شاگرد بھرتی کروا دیا۔اور بحری سفر اختیار کرنے کی بخوشی اجازت دے دی۔اس پیشے میں آ کر مجھے کئی ایسے ملاحوں اور جہاز رانوں سے ملنے کا اتفاق ہوا جنہوں نے دنیا کا کونہ کونہ چھان مارا تھا،ان کی ولولہ انگیز مہماتی داستانوں نے مجھے بہت متاثر کیا۔لیکن جتنی بھی جگہوں کے متعلق انہوں نے مجھے بتایا،ان میں سب سے بڑھ کر بحر جنوبی کے مونگوں کے جزیروں نے میرے سمندری شوق پر مہمیز کا کام کیا۔چنانچہ پندرہ برس کی عمر میں میں نے جنوبی سمندروں کا سفر کرنے کی ٹھانی۔والد صاحب کے دیرینہ ساتھی ان دنوں مرچنٹ کیپٹن تھے اور ''دی ایرو'' نامی ایک عمدہ اور بڑے جہاز کے مالک بھی تھے۔چنانچہ میں اسی جہاز میں سوار ہو کر والدین کی دعاؤں کے ساتھ بحرالکاہل کے جزائر کے سفر پر روانہ ہو گیا۔

جہاز میں کئی لڑکے کام کرتے تھے۔لیکن ان میں سب سے زیادہ جیک مارٹن اور پیٹر کن کے عادات و اطوار میرے دل کو بھائے۔اور ان سے میری گاڑھی چھننے لگی۔دراز قد جیک مارٹن کافی پڑھا لکھا،ذہین اور باہمت لڑکا تھا۔سبھی اسے پسند کرتے تھے۔پستہ قد پیٹر کن بڑا خوش مزاج اور مزاحیہ طبیعت کا مالک تھا۔شرارتیں بہت کیا کرتا تھا۔لیکن اس کی شرارتیں ہمیشہ بے ضرر ہوتیں۔بصورت دیگر وہ ہم لوگوں کو اتنا محبوب نہ ہوتا۔

میں اپنے جہاز کے عرشے پر کھڑا ہو کر انواع و اقسام کی مچھلیوں اور قسم قسم کی سمندر مخلوقات کا نظارہ کیا کرتا تھا۔جب شارک مچھلیاں چھوٹی مچھلیوں کا شکار کرتیں تو عجیب منظر ہوتا۔ہمارے سفر کے دوران موسم زیادہ تر طوفانی رہا۔حتیٰ کہ کیپ ہارن تک پہنچتے پہنچتے سمندر میں ایک ہولناک طوفان کے آثار نظر آنے لگے۔خدا خدا کر کے ہم نے خوفناک کیپ ہارن کو عبور کیا اور بالآخر سمندر کی بپھری ہوئی موجوں سے سینہ سپر ہوتے ہوئے چند ہفتوں کے سفر کے بعد،ہم اپنی منزل یعنی ''مونگوں کے جزیروں'' کے قریب پہنچ گئے۔

ہم تینوں دوست مونگوں کے جزیروں کو دور ہی سے دیکھ دیکھ کر ان کے قدرتی حسن،دلکشی و رعنائی پر خوش ہوا کرتے تھے لیکن یہاں ایک نئی افتاد نے آن گھیرا۔ہمارے منطقہ حارہ میں داخلے کے فوراً بعد ایک رات ایک مہیب طوفان نے ہمارے جہاز کو گھیر لیا۔پانچ روز تک طوفان اپنے غیظ و غضب کے ساتھ چنگھاڑتا رہا۔تند و تیز ہواؤں نے عرشے پر سوائے ایک چھوٹی سی کشتی کے کچھ بھی باقی نہ چھوڑا اور سبھی کچھ اڑا کر لے گئیں۔ہمارا جہاز ٹوٹ پھوٹ رہا تھا۔کپتان کا کہنا تھا کہ ہم اپنے راستے سے بھٹک گئے ہیں اور ہمیں کچھ پتہ نہیں تھا کہ ہم کہاں ہیں۔سمندری لہروں کی شکل میں موت کا رقص ہمارے چاروں طرف جاری تھا۔طوفان کے چھٹے دن علی الصبح ہم نے اپنے نزدیک ایک جزیرہ دیکھا۔اس کے اردگرد چاروں طرف ٹوٹتے ہوئے مونگوں کی سطح سمندر کے برابر چٹانوں نے حلقہ بنا رکھا تھا۔جس پر اڑتی ہوئی جھاگ کے غضب کی شکل میں لہریں آ کر ٹکرا رہی تھیں۔آزمائش کی اس گھڑی میں بھی جیک کے چہرے پر کسی قسم کے خوف و ہراس کا نام و نشان نہ تھا۔البتہ طوفان کے تھپیڑوں اور موسلا دھار بارش کی بنا پر پیٹر کن کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔تیز ہوا کی گھن گرج پر کپتان کی آواز گونجی ''لڑکو! کشتی کو سمندر میں ڈالنے کے لئے تیار رہو،ہم کسی بھی لمحے چٹانوں پر قدم رکھ دیں گے۔''

ابھی اس کا فقرہ نامکمل ہی تھا کہ یکا یک ایک ہولناک لہر ہماری جانب آئی۔ہم تینوں ساتھی جہاز کے اگلے حصے کی طرف دوڑے تاکہ اپنے چپو کو پکڑ لیں۔ابھی ہم بمشکل وہاں تک پہنچ پائے تھے کہ ایک طوفانی لہر زور و شور سے عرشے پر گری اور جہاز کو درمیان سے توڑ دیا۔اس کا اگلا مستول عرشے کے قریب ہی ٹوٹ گیا اور اپنے جلو میں کشتی اور آدمیوں کو لے جاتے ہوئے پہلو کے ایک طرف جا گرا۔ہمارا چپو جہاز کے تباہ شدہ حصے کے ساتھ الجھ گیا۔

جیک نے اسے کاٹ کر چھڑانے کے لئے ایک کلہاڑی اپنی گرفت میں لے لی لیکن زبردست ہلچل کی وجہ سے اس سے جہاز کے رسوں کا نشانہ چوک گیا اور کلہاڑی چپو میں بڑی گہرائی تک گڑ گئی۔تاہم ایک دوسری لہر اسے جہاز کے تباہ شدہ حصے سے دور بہا کر لے گئی۔ہم سب نے اسے مضبوطی سے پکڑ لیا اور اگلے ہی لمحے ہم سمندر میں ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔آخری چیز جو میں نے دیکھی وہ سمندر کی موجوں میں گردان کی مانند چکر کھاتی ہوئی ہماری کشتی تھی اور تمام ملاح جھاگ اڑاتی ہوئی لہروں میں خس و خاشاک کی طرح پھینکے جا چکے تھے پھر مجھے کوئی ہوش نہ رہا۔

میں نے کراہتے ہوئے آنکھیں کھولیں تو جیک اور پیر کن دونوں کو اپنے اوپر جھکے ہوئے پایا۔ میں نے اپنے سر کو ہاتھ سے چھوا تو مجھے محسوس ہوا کہ اس کے آر پار ایک گہرا گھاؤ آ گیا ہے۔ جیک مجھے بتانے لگا کہ چپو میرے سر پر آ لگا تھا اور وہ بمشکل گرفت میں لے کر ساحل پر لے آنے میں کامیاب ہوا تھا۔

ہمارے دوسرے ساتھیوں کا کوئی نام و نشان نظر نہیں آ رہا تھا۔ جیک نے مجھے بتایا کہ جہاز تو سمندر کی تہہ میں پہنچ چکا ہے۔ وہ جزیرے کی دم سے ٹکرایا اور اس کے بعد اس کا اگلا حصہ سمندر کی تہہ میں بیٹھ گیا۔

اس وقت شاید ہم کسی ویران جزیرے پر اتر چکے تھے لیکن اگر اس پر انسانوں کا وجود ہوا تو؟ کیونکہ میں نے بحر جنوبی کے جزائر کے باسیوں کے متعلق سن رکھا تھا کہ وہ آدم خور ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس صورت میں ہم زندہ بھون لئے جاتے اور ان وحشیوں کے شکموں کا ایندھن بن جاتے اور اگر یہ جزیرہ وغیرہ آباد ہوا تو؟ ایسی صورت میں ہم فاقہ کشی کرتے ہوئے موت کے منہ میں چلے جاتے۔ جیک کہنے لگا کہ اگر یہ ''صحرائی جزیرہ'' ہوا تو پھر ہمیں جنگلی جانوروں کی طرح زندگی بسر کرنا ہوگی۔ لیکن ہمارے پاس تو کچھ بھی نہ تھا۔ یہاں تک کہ کوئی اوزار بھی نہ تھا۔ آخر کار پیر کن کی جیب سے ایک چھوٹا سا چاقو برآمد ہوا اور اس کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا۔

ہم تینوں نے اپنی اپنی جیبیں ٹٹولیں تو ایک ٹوٹا پھوٹا قلم نما چاقو، پنسل کا ایک پرانا روپہلی خول جس میں کوئی سکہ موجود نہیں تھا، رسی کا ایک چھ گز لمبا ٹکڑا، بادبان ساز کے استعمال میں آنے والی ایک چھوٹی سی سوئی اور جہازی دوربین ہماری جیبوں سے برآمد ہوئیں۔

یہ ایک پہاڑی جزیرہ تھا اور ہر بھرے درختوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ اس کے اجلے اجلے، سرسبز و شاداب ساحل پر آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی سفید ریت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی اور سمندر کی دھیمی دھیمی لہریں اس سے ٹکرا رہی تھیں اور کم گہری ساحلی جھیل کے اس پار ایک میل کے فاصلے پر عظیم سمندر دائرے کی شکل میں گھوم رہا تھا۔ ہمیں چپو اور ایک کلہاڑی ساحل پر پڑی ہوئی مل گئی۔ یہ وہی کلہاڑی تھی جسے جیک نے چپو میں دے مارا تھا۔ ہم نے وہاں ناریل کا ایک درخت بھی دیکھا جو پھل سے لدا ہوا تھا۔ مارے خوشی کے پیر کن کی تو چیخ ہی نکل گئی۔ وہ درخت پر چڑھ گیا اور درجنوں ناریل زمین پر پھینک دیئے۔ ہم نے چپو کی مدد سے ان ناریلوں میں سوراخ کئے اور سیر ہو کر ان کا ٹھنڈا اور میٹھا پانی پیا۔

شام ڈھلنے تک ہم نے بڑی محنت اور جانفشانی سے کام کیا۔ شاخیں اور پتے کاٹ کاٹ کر نیچے گرائے اور ان کی مدد سے اپنے اردگرد ایک قسم کی دیوار سی تعمیر کر لی۔ پھر ہم نے اندرونی فرش پر پتے اور خشک گھاس بکھیر لی اور اس طرح سادہ سے فرش پر بیٹھ کر ناریل کا گودا کھایا۔ اس رات ہمارا یہی کھانا تھا۔ رات بھر تاروں بھرا آسمان اوپر سے ہمیں تکتا رہا اور دور بہت دور سطح سمندر کے برابر اونچی چٹانوں پر چنگھاڑتی ہوئی بحری جھاگ یوں لگتا تھا جیسے ہمیں لوریاں دے دے کر سلا رہی ہو۔

ہمارا اگلا قدم اس جزیرے کی سیر و سیاحت کرنا تھا۔ کسی بھی پیش آمدہ خطرے کا مقابلہ کرنے کے ہم نے حفظ ماتقدم کی خاطر دو ڈنڈے بنا لئے اور جیک نے خود کو کلہاڑی سے مسلح کر لیا۔ ساحل کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ہم ایک وادی کے آغاز تک آ پہنچے۔ اس وادی کے انتہائی مقام پر تقریباً دو میل کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا پہاڑ تھا جو ماسوائے بائیں پہلو پر واقع ایک جگہ کے سارے کا سارا درختوں سے ڈھکا ہوا تھا جہاں ایک برہنہ اور سنگلاخ کھڑی چٹان نظر آ رہی تھی۔ پہاڑ کے دامن میں پہنچے تو درختوں کے جھنڈ میں سے گزرتے ہوئے ہمیں عجیب قسم کی ٹپ ٹپ کرنے کی آواز اور گڑگڑاہٹ نے چونکا دیا اور اچانک ایک بڑی چٹان گرد و غبار کے بادل اڑاتی ہمارے بالکل قریب ہی آن گری۔ ہم بالکل بال بال بچ گئے۔ اگر یہ چٹان چند ایک فٹ ادھر کو آ گرتی تو ہم تینوں کی ہڈیاں بھی کہیں نظر نہ آتیں۔

پہاڑ پر پہنچ کر انکشاف ہوا کہ صرف یہی پہاڑ اس جزیرے کا بلند ترین مقام نہیں ہے بلکہ اس کے پرے ایک دوسرا پہاڑ بھی ہے اور ان دونوں پہاڑوں کے درمیان درختوں سے بھری ہوئی ایک وسیع وادی تھی۔

ہم اس پہاڑ سے نیچے اترے، اس وادی کو عبور کیا اور دوسرے پہاڑ پر چڑھنا شروع کر دیا۔ ابھی چوٹی سے زیادہ دور نہیں تھے کہ ہمیں ایک اور صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ جیک حیرت سے چیخ اٹھا۔ اسے کسی درخت کا کٹا ہوا تنا نظر آ گیا تھا۔ تنا کسی کلہاڑی کی مدد سے کاٹا گیا تھا اور اس کا مطلب یہ تھا کہ اس حسین جزیرے پر قدم رکھنے والے ہم پہلے انسان نہیں تھے۔ قریب پہنچنے پر معلوم ہوا کہ یہ تنا بہت عرصہ پہلے انسانی ہاتھ سے کاٹا گیا تھا۔ پیر کن کا خیال تھا کہ اسے کسی جہاز کے عملے نے کاٹا ہوگا لیکن جیک کہنے لگا کہ اگر جہاز کے عملے کو کسی درخت کا کاٹنا ہی مقصود ہوتا تو وہ ساحل کے قریب ترین درخت کو کاٹتے ہیں نہ کہ کسی پہاڑ کی چوٹی کے قریب درخت کو جیسا کہ یہ تھا۔ وہ کہنے لگا ہو سکتا ہے یہ کسی وحشی کا کام ہو۔ بغور دیکھنے پر ہمیں اس پر کسی کا نام کے پہلے حروف جے ایس کھدے ہوئے نظر آئے۔

پہاڑی کی چوٹی پر کھڑے ہو کر ہم اچھی طرح اس جزیرے کا نظارہ کر سکتے تھے۔ ہمیں اس کے جنگلات، وادیاں، میدان اور چمکتی دمکتی ندیاں یوں دکھائی دے رہی تھیں جیسے ہمارے سامنے کوئی نقشہ کھول کر پھیلا دیا گیا ہو۔ یہ جزیرہ شکل میں تقریباً گول تھا۔ اس کا قطر تقریباً دس میل ہوگا۔ خالص سفید ریت کا ایک ساحل اس پورے جزیرے کے گرد حلقہ باندھے ہوئے تھا۔ کم گہری ساحلی جھیل کی دھیمی دھیمی لہریں آتی تھیں اور اس ریت کو دھو جاتی تھیں۔ اس جزیرے کے قریب ہی کوئی درجن بھر دوسرے جزیرے جو اس سے چھوٹے تھے، نصف سے دس میل کے فاصلوں پر واقع تھے۔

کئی دنوں تک ہم اپنے کیمپ سے زیادہ دور نہ گئے۔ جیک نے تقریباً تین انچ لمبے لوہے کا ایک ٹکڑا عمدہ تیز چاقو کی شکل میں تبدیل کر لیا تھا جسے پیئر کن نے مچھلیاں پکڑنے والے کانٹے کے طور پر استعمال میں لانا شروع کر دیا۔

ایک دن ہم نے ساحل کے قریب ایک درخت کو گرا کر اس کی گیلی سے کشتی تیار کر لی۔ پھر ہم تینوں اسی گیلی پر بیٹھ گئے اور مچھلیاں پکڑنے کے لئے سمندر میں جا نکلے۔ پیئر کن نے مچھلیاں پھانسنے کے لئے کانٹے میں کستورا مچھلی لگائی اور اسے پانی میں پھینک دیا۔ کچھ دیر بعد کانٹا بھاری محسوس ہونے لگا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی بہت بڑی مچھلی اس میں پھنس گئی ہے۔ اچانک جیک کی آواز گونجی "پیئر کن، کانٹے کو کھینچ لو، اپنے چپو کو گرفت میں لے لو، جلدی سے یہ شارک مچھلی ہے۔"

اگلے ہی لمحے ہم یہ دیکھ کر دہشت زدہ ہو گئے کہ کسی مچھلی کا ایک تیکھا بازو پانی کی سطح پر نمودار ہو رہا ہے اور پانی کو کاٹتا ہوا گیلی کی جانب بڑھ رہا ہے۔ پیئر کن نے کانٹا کھینچ لیا اور اپنے چھوٹے سے چپو کو لپک کر اٹھا لیا۔ ہم دیوانہ وار چپو چلاتے ہوئے ساحل کی طرف بڑھنے لگے۔ شارک تھوڑا سا گھوم گئی تھی اور اس نے اپنی سمت تبدیل کر لی تھی۔ وہ ہمارے اردگرد منڈلاتی رہی۔ ہمارے تیز تیز چپو چلانے کے عمل سے شارک کچھ ڈر سی گئی اور پیچھے ہٹ کر دوبارہ چاروں طرف چکر کاٹنے لگی۔

اب وہ بہت قریب پہنچ گئی تھی اور جیک کے پاؤں کی جانب لپک رہی تھی۔ میرا کلیجہ منہ کو آنے لگا اور میری چیخ نکل گئی۔ شارک اوپر کو اٹھی تو جیک نے اپنی ٹانگ کو پانی سے باہر کوڑے کی طرح دے مارا اور اسے گیلی کے اوپر پٹخ دیا۔ شارک نے اپنی بڑی سی تھوتھنی گیلی کے ساتھ رگڑی اور پھر اپنا ہیبت ناک جبڑا دکھایا۔ ایک سیکنڈ بعد جیک نے چپو تیزی سے نیچے کی طرف جھونک دیا اور اسے اس عفریت کے حلق میں گھسیڑ دیا۔ جونہی اس نے ایسا کیا وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا۔ گیلی پوری کی پوری الٹ گئی اور ہم تینوں پانی میں ڈبکیاں کھانے لگے۔ جب ہم اٹھے تو ہم ہانپ رہے تھے اور ہمارے منہ سے کف جاری تھا۔

دوپہر کے وقت ہم نے ایک چھوٹے سے جانور کے پاؤں کے نشانات دیکھے۔ ہم کھلی جگہ پر آ گئے اور یہاں ہم نے ایک کمزور سی چیخ سنی۔ پگڈنڈی پر ہمارے سامنے ایک چھوٹی سی بلی کھڑی تھی۔ جیک نے ایک تیر اس کی طرف پھینکا جو اس سے دو فٹ کے فاصلے پر زمین میں گڑ گیا۔ پیئر کن نے بلی کو چمکارا تو بلی نے اپنا جسم پیئر کن کی ٹانگوں سے رگڑنا شروع کر دیا وہ بلند آواز سے خرخر کر رہی تھی۔ پیئر کن نے اسے اپنے بازوؤں میں اٹھا لیا۔ جلد ہی وہ اس سے مانوس ہو گئی۔ یوں لگتا تھا جیسے پہلے بھی اس کا انسانوں سے واسطہ رہا ہو۔

کوئی پچاس گز آگے یہ پگڈنڈی دائیں جانب مڑ گئی تھی۔ وہاں ایک ندی کا کنارہ تھا جس پر کسی شکستہ پل کے کھنڈرات بھی موجود تھے۔ ہم یہاں سے بھی آگے چلے گئے اور گھنے پھل دار درختوں کی چھاؤں میں ہم نے ایک جھونپڑی دیکھی۔ یہ جھونپڑی ٹوٹ پھوٹ چکی تھی اور ویران پڑی تھی۔ قریباً بارہ فٹ لمبی اور آٹھ فٹ اونچی۔ اس میں کھڑکی کے طور پر ایک چھوٹا سا سوراخ تھا اور اس کا دروازہ بہت نیچا تھا۔ ہم وہاں کھڑے سرگوشیاں کر رہے تھے۔ جیک نے کھڑکی کے اندر جھانکا لیکن درختوں کے گھنے سائے کی بدولت کچھ بھی نہ دیکھ سکا۔ بالآخر ہم نے دروازے کو دھکیل کر کھول دیا۔ ہم اندر داخل ہو گئے اور چاروں طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگے۔

مدھم روشنی میں بے ڈھنگے طریقے سے تراشی ہوئی میز کے قریب لکڑی کا ایک سٹول پڑا تھا۔ میز پر لوہے کا ایک برتن رکھا ہوا تھا۔ پھر جو چیز میں نے دیکھی اس سے میرا کلیجہ منہ کو آنے لگا۔ ایک کونے میں ایک کم اونچا پلنگ بچھا ہوا تھا اور اس پر کسی آدمی کا پنجر پڑا ہوا تھا۔

ہم نے اس بدنصیب آدمی کی شناخت کی سراغ کے لیے جھونپڑی کا کونہ کونہ چھان مارا لیکن ہمیں کوئی بھی ایسی چیز نہ مل سکی جو اس سمت میں ہماری رہنمائی کرتی۔

ہمارا خیال تھا کہ یہ شخص کسی تباہ شدہ جہاز کا ملاح ہوگا جسے تقدیر نے یہاں لا پھینکا تھا۔

پیئر کن کو ٹوٹی ہوئی لکڑیوں اور کوڑے کرکٹ کے ایک ڈھیرے سے جو ایک کونے میں رکھا تھا، ایک پرانا پستول اور کلہاڑی ملی۔ گو بغیر بارود کے یہ پستول ہمارے کسی کام کا نہیں تھا۔ پھر بھی ہم یہ چیزیں اور لوہے کا برتن اپنے ساتھ لیتے آئے۔ اس کے بعد کئی ہفتوں تک ہم لکڑیوں کو کاٹنے اور تراش خراش میں مصروف رہے۔ تاکہ اس سے

ایک کشتی بنائی جائے۔

بالآخر ہماری بھدی سی کشتی تیار ہوگئی اور اگلی صبح کو ہم نے اللہ کا نام لے کر اسے سمندر میں ڈال دیا۔ ہمیں تقریباً بیس میل کا سفر طے کرنا تھا۔ پینگوئینوں کے جزیرے سے گزرتے ہوئے بمشکل ہم ایک اور جزیرے میں اترے۔ ایک چھوٹی سی خلیج میں تیرتے ہوئے ہم نے چھلانگیں لگائیں اور ساحل پر جا پہنچے۔ ہم اپنے ساتھ بہت سی خوراک لیتے آئے تھے لیکن ہم تینوں بری طرح پانی میں شرابور تھے۔ اس جزیرے سے ملحقہ سمندر ہمارے چاروں طرف جھاگ اڑا رہا تھا۔

ہم نے اپنے سامان رسد کو ساحل پر اتارا، اپنے کپڑے نچوڑ کر سمندر کا کھاری پانی ان میں سے خارج کیا، اپنی کشتی کے بادبان کو قالین کے طور پر بچھا دیا اور ٹھنڈے گوشت سے لطف اندوز ہونے لگے۔ دن کو ہم تینوں ہشاش بشاش تھے لیکن جوں جوں رات قریب آتی جاتی تھی، ہمارے جوش اور ولولے پر اوس پڑتی گئی۔ رات کو پھر وہی کچھ ہوا جو ہوتا آ رہا تھا، یعنی اتنا ہولناک طوفان آیا کہ الامان الحفیظ ..... تین دن اور تین راتیں ہم مسلسل ایک چٹان سے بندھے رہے۔ آخر چوتھے دن کی صبح کو طوفان تھم گیا۔ ہم نے ایک بار پھر اپنی کشتی سمندر میں اتار دی اور ماگوں کے جزیرے کی راہ لی اور یوں مہمات سر کرتے اور طوفانوں سے کھیلتے ہوئے کئی مہینے اسی طرح گزر گئے۔

ایک روز ہم فوارے والی سیدھی چٹانوں پر براجمان تھے کہ ہمیں دور افق پر سیاہ رنگ کی دو چیزیں نمودار ہوتی نظر آئیں۔ جب وہ ہمارے ذرا قریب آ گئیں تو ہم نے دیکھا کہ یہ دو جنگی ڈونگے تھے۔ ان جزائر میں خاصی تعداد میں آدم خور رہتے تھے۔ اس لئے ہم نے چھپ جانا ہی مناسب سمجھا۔ چپو چلانے والوں کی آنکھیں ان کے سیاہ چہروں میں چمک رہی تھیں۔ ایک ڈونگا کشتی دوسری کا تعاقب کر رہی تھی جو آگے تھی۔ اس میں تقریباً چالیس افراد سوار تھے جن میں چند ایک عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔ جونہی ڈونگا ریت پر آ کر لگا، ساری پارٹی چھلانگیں لگاتی ہوئی ساحل پر اتر آئی ایک لڑکی اور تین عورتیں دوڑتی ہوئی جنگل میں غائب ہو گئیں۔

مرد اپنے بھالے اور ڈنڈے یوں لہرا رہے تھے جیسے بڑھتے ہوئے دشمن کو للکار رہے ہوں۔ اس کے تھوڑی دیر بعد دوسری ڈونگا کشتی بھی کنارے پر آ لگی۔ اور اس کے سوار پہلی کشتی والوں پر حملہ آور ہو گئے۔ ایک لامبے قد اور مضبوط جسم والا سردار حملہ آوروں کی قیادت کر رہا تھا۔ اس کے بال زرد تھے اور جسم کوئلے کی طرح سیاہ۔ اس کا سارا جسم سر سے پاؤں تک نقش و نگار سے گدا ہوا تھا اور اسے سرخ اور سفید رنگ سے لیپا پوتا گیا تھا۔ جس پر دھاریاں بنی ہوئی تھیں۔ دونوں پارٹیاں آپس میں ٹکرا گئیں اور ایک خونریز لڑائی شروع ہو گئی۔ زیادہ تر آدمی بڑے بڑے بھاری بھر کم ڈنڈے چلا رہے تھے جن کی مدد سے انہوں نے ایک دوسرے کے بھیجے پاش پاش کر دیئے جس وقت وہ کودے چھلانگیں لگاتے اور ایک دوسرے کی جان لینے کے لئے جھپٹتے تو بجائے انسانوں کے شیطان دکھائی دیتے تھے۔ اچانک زرد بالوں والے سردار پر ایسا آدمی حملہ آور ہوا جو بالکل اسی کی مانند عظیم الجثہ اور مضبوط تھا۔ دونوں بھوتوں کی طرح لڑ رہے تھے۔ پھر چشم زدن میں زرد بالوں والا درد کی شدت سے دوہرا ہو کر دھڑام سے زمین پر آن گرا۔ ان کا دشمن آگے کی طرف کودا، اس کا ڈنڈا اوپر کو اٹھا ہوا تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ ضرب لگاتا ایک پتھر اسے آ کر لگا اور وہ بھی بیوند زمین ہو گیا۔ یہ پتھر ایک ایسے شخص کے ہاتھوں سے آیا تھا جس نے بروقت اپنے سردار کو خطرے میں دیکھ لیا تھا۔

لڑائی میں یہ لمحہ نقطۂ انقلاب تھا۔ بھاگتے ہوئے وحشیوں کو پکڑ لیا گیا۔ انہیں ریتلی زمین پر گھسیٹا گیا۔ پندرہ آدمی زندہ گرفتار کر لئے گئے۔ ان کے ہاتھ پاؤں رسیوں سے باندھ کر انہیں ریت پر پھینک دیا گیا۔ پھر ان کے گرفتار کنندگان فاتحانہ شان سے ریتلے ساحل پر ٹہلنے لگے اور اپنے زخموں کی مرہم پٹی کرنے لگے۔

ایک آدمی بھاگا بھاگا جنگل میں گیا اور سوکھی لکڑی کا ایک بہت بڑا گٹھا اٹھا لایا۔ جلد ہی آگ جلائی گئی جس کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ وحشی اپنے دشمنوں کو نذر آتش کر دینا چاہتے تھے۔ مجھ پر خوف اور دہشت کا ایک ہولناک احساس چھا گیا اور سارے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ ابھی ایک لمحہ بھی نہیں گزرا تھا کہ ایک وحشی نے اپنے دشمن کی کھوپڑی پاش پاش کر دینے کے لئے اپنا ڈنڈا گھماتے ہوئے اوپر اٹھایا۔ بڑا بھیانک منظر تھا۔ میں نے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا اور جب میں نے دوبارہ دیکھا تو پیلے بالوں والا سردار اور اس کا آدمی آگ پر کوئی چیز بھون رہے تھے۔ میں بخوبی اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ بھلا کونسی چیز ہو سکتی ہے۔

قیدیوں اور عورتوں کی حالت زار دیکھ کر ہمیں بڑا دکھ پہنچا اس موقع پر جیک کہنے لگا کہ تم قیدیوں کی جانب تیر کی سی تیزی سے جھپٹو اور انہیں رسیاں کاٹ کر آزاد کر دو۔ چند لمحوں کے اندر ہی ہم نے ان کی مدد کا فیصلہ کر لیا۔

میں اور پیٹر کن تیر کی طرح لپکتے ہوئے ریت کے اس پار جہاں قیدیوں کی مشکیں کس دی گئی تھیں، جا دھمکے۔

جیک اپنا ڈنڈا لہراتا ہوا زرد بالوں والے پر ٹوٹ پڑا۔ میں نے زرد بالوں والے کو بھی اپنا ڈنڈا لہراتے ہوئے دیکھا۔ جیک نے پوری قوت سے اس وحشی کی آنکھوں کے درمیان ضرب لگائی زرد بالوں والا تیورا کر زمین پر گر

پڑا اور پھر جیک بھی لڑکھڑاتا ہوا اس سردار کے جسم کے نیچے آن گرا۔ اور اس کے بھاری بھرکم جسم تلے دب کر رہ گیا۔ دوسرے وحشیوں نے طیش میں آ کر ایک تیکھی چیخ ماری۔ کوئی درجن بھر ڈنڈے ہوا میں لہرائے گئے جو جیک کی کھوپڑی کو ریزہ ریزہ کر دینے کے لئے کافی تھے لیکن آدمیوں نے لمحہ بھر کے لئے پس و پیش کیا یوں لگتا تھا جیسے وہ اس بات سے ڈرتے ہوں کہ کہیں اپنے ہی سردار کو کچل کے نہ رکھ دیں۔

اس لمحے نے جیک کو نئی زندگی دی۔ تمام قیدی رہا ہو چکے تھے۔ پھر ایک تند و تیز دست بدست مبارزت آرائی شروع ہو گئی۔ قیدیوں نے ڈنڈے مار مار کر زرد بالوں والے سردار کے سات آدمیوں کو ڈھیر کر دیا۔ لڑائی کا اس طرح اچانک پانسہ پلٹنے سے ہمارے دشمن ششدر رہ گئے۔ ہم نے دوسری کشتی کے سواروں کو ہاتھ پاؤں باندھ کر ساحل پر ایک قطار میں لٹا دیا۔ وحشی اپنی زبان میں زور زور سے کچھ کہہ رہے تھے۔ ایک عظیم الجثہ آدمی کا ہاتھ جو ان لوگوں کا سردار لگتا تھا جیک نے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور بڑی گرمجوشی سے اس سے مصافحہ کیا۔

یہ اس بات کا اظہار تھا کہ ہم گہرے دوست ہیں۔ جیک نے بچے کو ساحلی ریت سے اوپر اٹھایا اور سے اس کی ماں کے حوالے کر دیا۔ پھر ہم نے ان سب وحشیوں کی بھنے ہوئے سرد گوشت، مرغابیوں، کچھ سرد مچھلی اور ڈھیر سارے پھلوں سے ضیافت کی اور ہم سب نیند کی آغوش میں چلے گئے۔

اگلے دن ہم نے ایک مشترکہ قبر کھودی اور مرنے والوں کو اسی میں اکٹھے دفن کر دیا۔ وحشی تین دن تک ہمارے پاس ٹھہرے رہے۔ انکی بولی قطعاً ہماری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ صرف اور صرف اتنا ہمارے پلے پڑا کہ سردار کا نام ترارو اور اس لڑکی نام اویتی ہے۔

دن گزرتے گئے۔ ایک دن دوپہر کے وقت میں اور جیک ریتلے ساحل پر دھوپ لیٹے ہوئے تھے۔ جبکہ پیٹر کن ذرا پیچھے کی طرف کم اونچائی والی ایک کھڑی چٹان پر چاروں ہاتھ پاؤں سے بڑی مشکل سے چڑھ رہا تھا کہ ہمیں ایک جہاز موگوں کے جزیرے کی طرف آتا ہوا دکھائی دیا۔ مارے خوشی کے ہم اچھل پڑے اور اپنے بازو ہوا میں زور زور سے لہرانے لگے۔

یکایک اس جہاز میں سے ایک جھنڈا بلند کیا گیا اس کے ایک پہلو سے سفید دھوئیں کا ایک ننھا سا بادل اٹھتا ہوا دکھائی دیا۔ اور ایک لمحہ بعد توپ کا ایک گولا جھاڑیوں میں سے زور دار ہلچل مچاتا ہوا آیا اور جس جگہ ہم کھڑے تھے وہاں سے چند گز نیچے کی طرف دھماکے سے پھٹ گیا۔

خوف سے ہمارے رنگ پیلے پڑ گئے۔ کیونکہ وہ جھنڈا سیاہ رنگ کا تھا اور اس پر ایک کھوپڑی اور دو ہڈیاں بنی ہوئی تھیں۔ ہڈیوں نے ایک دوسری کو قطع کر رکھا تھا۔ یہ قذاقوں کا جھنڈا "جولی راجرز" تھا۔ جس کی دہشت سات سمندروں پر چھائی ہوئی تھی ہم کسی صورت میں بھی ان بحری ڈاکوؤں کے ہتھے نہیں چڑھنا چاہتے تھے۔

ہم تینوں ہیرے والے غار میں جا چھپے۔ قذاقوں نے ہمیں دیکھ لیا تھا۔ ہم نے کچھ کھایا پیا اور وہیں لیٹ رہے۔ اگلے دن جب اٹھے تو مجھے کچھ بھی یاد نہیں پڑتا تھا کہ ہم ہیں کہاں۔ میں غار سے باہر نکل آیا۔

جب میں نے سمندر کی طرف نگاہ دوڑائی تو قذاقوں کا جہاز دور افق پر جاتا ہوا نظر آیا۔ "ہم محفوظ ہیں" میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ اچانک مجھے اپنے عقب میں نقل و حرکت محسوس ہوئی اور کسی نے مجھے پیچھے سے درشت آواز میں للکارا اور دوسرے ہی لمحے کسی بھاری ہاتھ نے مجھے یوں قابو کر لیا جیسے شکنجے میں جکڑ دیا ہو۔

میں نے اپنے آپ کو چھڑانے کی لاکھ کوشش کی لیکن بے سود۔ وہ ایک گورا آدمی تھا۔ اس کا قد درخت کی طرح لمبا تھا اور ناک طوطے کی چونچ کی طرح نیچے کی جانب ایک کمان کی شکل میں مڑی ہوئی تھی۔ وہ ملاحوں کے عمومی لباس میں تھا۔ اس کی داڑھی اور مونچھوں کے بال کچھ کچھ سفید تھے اور اس نے اپنی کمر کے گرد چوڑی سی پیٹی پہن رکھی تھی جس میں پستولوں کا ایک جوڑا اور بھاری کھانڈا لگا رکھا تھا۔

اسی اثنا میں دوسرے قذاق بھی وہاں پہنچ چکے تھے۔ وہ عظیم الجثہ آدمی مجھے پکڑ کر ریتلے ساحل پر لے آیا۔ اس نے جاتے ہوئے جہاز کو واپس آنے کا اشارہ کیا۔ جہاز نے دکھاوے کے طور پر ہم پر یہ ظاہر کیا تھا کہ وہ یہاں سے جا رہا ہے۔ قذاق میرے ارد گرد جمع ہو گئے۔ وہ کیل کانٹے سے لیس تھے۔ جب وہ اس بڑے آدمی سے بات کرتے تھے تو اسے کپتان کہہ کر پکارتے تھے۔

"تمہارے دوسرے ساتھی کہاں ہیں؟" کپتان غرایا۔

میں نے دھیمی آواز میں اسے جواب دیا کہ میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔ وہ لوگ مجھے کشتی میں ڈال کر جہاز پر لے آئے۔ جہاز میں ہر کوئی مصروف تھا۔ میں عرشے کے اوپر جنگلے کے بالمقابل جھکا اور ان دوستوں کو جن سے میں بچھڑا تھا، یاد کر کے میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

"تو تم ٹسوے بہا رہے ہو" یہ کہتے ہوئے کپتان نے میرے کان پر ایک زوردار مکا رسید کیا۔ جس نے مجھے عرشے پر تقریباً گرا دیا۔ اسی لمحے میری نظر مستول کے ایک حصے کے پاس رکھے ہوئے بارود کے ایک چھوٹے سے پیپے پر گئی۔ میں نے بلا تامل بغیر کچھ سوچے سمجھے اس چھوٹے سے پیپے کو جھپٹ کر اٹھایا اور اسے سمندر میں پھینک دیا۔ ایک بار پھر کپتان غرایا "ارے، کیا کیا تم نے یہ؟" میں نے جواب دیا کہ "ساحل پر میرے کچھ دوست ہیں۔ جن کے پاس ایک پستول ہے لیکن بارود نہیں ہے۔ اب آپ جو چاہیں میرے ساتھ سلوک کر سکتے ہیں۔"

میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہ مسکرانے لگا اور اس کا رویہ ایک دم مشفقانہ ہو گیا۔ "میرے لڑکے ہم تو تمہیں کچھ نہ کچھ بنا کے ہی چھوڑیں گے۔"

اس وقت تمام قذاق ہنسنے لگے۔ ان میں سے صرف بل نامی ایک آدمی خاموش رہا۔ جو جسم میں اتنا ہی بھاری تھا جتنا کہ خود کپتان۔ ایک آدمی مجھے کپتان کے کیبن میں لے گیا۔ کپتان نے پہلے میرا نام پوچھا اور پھر کہنے لگا کہ تم تو بڑے کام کے آدمی ہو۔ اس نے مجھے بتایا کہ دراصل وہ قذاق نہیں ہے بلکہ صندل کی لکڑی کا ایک سوداگر ہے۔ اس نے مجھے پیشکش کی کہ اگر میں اس پارٹی میں شامل ہو جاؤں تو وہ مجھے اپنے ساتھ لے جائیگا۔ مجھے اپنے کاروبار میں شریک کرے گا اور منافع میں سے حصہ بھی دے گا۔ لہٰذا میں نے حالات کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے جہاز کے عملہ میں شامل ہونے کی فوراً حامی بھر لی لیکن مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ لوگ دیانتدار سوداگر ہیں۔

تین ہفتے گزر گئے۔ میں جہاز کے عرشے پر کھڑا سنگ ماہیوں کے ایک غول کو جہاز کے ارد گرد تیرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ بل جہاز کے چپوار کے دستے پر تھا۔ اچانک وہ مجھ سے کہنے لگا "لڑکے تمہارے لئے یہاں کوئی جگہ نہیں ہے" پھر اس نے مجھے بتایا کہ کپتان کی سب باتیں جھوٹی اور بے بنیاد ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب لوگ بحری قذاق ہی ہیں۔

آخر کار ایک روز ہم کسی جزیرے کے نواح میں پہنچ گئے۔ کپتان نے کچھ آدمیوں کو کشتی میں پانی لانے کا حکم دیا۔ کیونکہ ہمیں پانی کی اشد ضرورت تھی اور مجھے بھی انہیں کے ساتھ بھیج دیا گیا۔

جس وقت ہم ساحل کے قریب پہنچے تو ننگے دھڑ ننگے کالے لوگ درختوں میں سے اچانک باہر نکل آئے اور پانی کے کنارے جمع ہو کر تہدید آمیز انداز میں بھالے اور ڈنڈے لہرانے لگے۔ ہم نے اپنی ناؤ کو کھینا بند کر دیا اور میٹ اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے ہاتھ سے وحشیوں کو چند اشارے کئے لیکن انہوں نے جواب میں بھاری پتھروں کی بارش کر دی۔ چند ایک پتھر ہمارے کچھ آدمیوں کو آ کر لگے بھی، جن سے وہ بری طرح زخمی ہو گئے۔ ہم نے اپنی ہاتھ سے بھری جانے والی بندوقیں سیدھی کر لیں لیکن اس سے پہلے کہ ہم ان وحشیوں پر گولیوں کی بوچھاڑ کریں کپتان نے جہاز سے ہمیں منع کر دیا۔

اس اثنا میں ساحل پر چیختے چلاتے ہوئے پانچ سو وحشی جمع ہو چکے تھے۔ ہم ان سے کوئی سو گز پرے ہٹ گئے۔ پھر کانسی کی بڑی سی توپ نے ان پر گولہ باری شروع کر دی۔ کچھ مارے گئے اور باقی بھاگ گئے اور ہم واپس جہاز پر چلے آئے۔

دو دن بعد شام کے وقت ہم ایک بڑے جزیرے تک پہنچے۔ بل نے مجھے بتایا کہ یہاں وحشیوں کی خاصی بڑی تعداد رہتی ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ یہاں ہم کسی مصیبت میں نہ پھنس جائیں۔

بڑا گاؤں یہاں سے کوئی نصف میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ ہم ساحل پر پہنچے، پندرہ آدمی ہمارے ہمراہ تھے جو بھاری اسلحہ سے لیس تھے اور عقب میں کانسی کی بڑی سی توپ نے بھی ہمیں تحفظ دینے کے لئے نشانہ باندھ رکھا تھا۔

وحشیوں کا ایک ہجوم ہمیں ملنے کے لئے آیا۔ ان کے سردار کا نام روما تا تھا۔ اور دوسرے سرداروں کی طرح وہ بھی ایک عظیم الجثہ آدمی تھا اس کی بڑی سیاہ داڑھی تھی۔ یہ شخص مسکراہٹوں اور دوستی و ملنساری سے معمور تھا۔

دوسرے دن ہمارے آدمی جنگل میں صندل کی لکڑی کاٹنے چلے گئے۔ یہاں کچھ وحشی نہا رہے تھے۔ انہی لوگوں میں میری ملاقات موگوں کے جزیرے والے اپنے دیرینہ دوست ترارو سے ہوئی۔ بل ترارو سے اپنی زبان میں باتیں کر رہا تھا کیونکہ وہ اس کی زبان جانتا تھا۔ میں نے بل سے التجا کی ترارو سے اویتی نامی لڑکی کے متعلق پوچھے۔ مجھے پتہ چلا کہ ترارو اس جزیرے کی سیر کے لئے آیا ہوا ہے۔ اس کا تعلق آموں کے جزیرے سے ہے۔ جہاں اویتی اس وقت رہتی ہے۔ میرے علم میں یہ بھی آیا کہ ترارو اس لڑکی سے سخت ناراض ہے کیونکہ اس نے اس کے لئے ایک بر منتخب کر رکھا ہے لیکن اویتی اس آدمی سے شادی کرنے پر رضامند نہیں ہے۔ وہ کسی اور سردار سے شادی کرنا چاہتی ہے جو کسی دوسرے جزیرے میں رہتا ہے۔ ترارو کا کہنا ہے کہ جب اس کی واپسی پر اویتی اس کی خواہشات کا احترام نہیں کرے گی تو وہ اسے اس کے عاشق کے پاس "لانگ پگ" کی شکل میں بھیجے گا۔

ہمیں بتایا گیا کہ "لانگ پگ" کا مطلب یہ ہے کہ ترارو کی آنکھوں کے سامنے اس لڑکی کو آگ پر بھونا جائے گا

اور پھر وہ اسے کھائے جانے کے لئے بھیج دیا جائے گا۔
ہم آموں کے جزیرے میں ایک ہفتہ تک مقیم رہے۔ انہی ایام میں ہمارے کپتان اور روماتا کے مابین چپقلش ہوگئی۔ روماتا نے آٹھویں دن یہ پیغام بھیجا کہ ہمارے جہاز سے آدمی ساحل پر نہیں آئیں گے۔ آدھی رات گئے کپتان کے حکم پر جہاز کو ایک مخصوص مقام پر لنگر انداز کر دیا گیا۔ چند منٹوں کے اندر اندر ہم سب ساحل پر اتر چکے تھے اور درختوں کے نیچے صفیں باندھے کھڑے تھے۔ کپتان نے مجھے حکم دیا کہ میں کشتی کے قریب ہی کھڑا رہوں۔ اور اس پر پہرہ دوں۔ میں تاریکی میں انتظار کرتا رہا۔ میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ پھر میں نے گولی چلنے کی ایک آواز سنی یہ آواز گاؤں سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔ چند لمحوں میں فائرنگ سارے علاقے میں پھیل گی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے پارٹیاں سارے جنگل میں بکھری ہوئی ہیں۔
یہ شور وغوغا کافی طویل عرصے تک جاری رہا اور پھر میں نے ایک لمبی بلبلاہٹ کی آواز سنی جو صرف وحشیوں ہی کی ہوسکتی ہے۔ میں نے جہاز پر واپس جانے کا ارادہ کرلیا۔ اچانک ایک آدمی جھاڑیوں میں سے نمودار ہوا۔ وہ سانس لینے کی خاطر ہانپ رہا تھا اور سسکیاں لے رہا تھا۔ یہ میرا دوست بل تھا۔ چند منٹ کے اندر ہم جہاز پر پہنچ چکے تھے۔ وحشیوں کی ایک بہت بڑی تعداد پانی میں ڈبکیاں لگاتی اور تیرتی ہوئی ہماری طرف بڑھی۔ ان میں سے ایک عرشے پر چڑھنے میں کامیاب ہوگیا۔ بل نے پہلے اسے سیدھا ہونے دیا اور پھر ایک مکا رسید کیا جس سے وہ جہاز کے عرشہ سے ڈگمگاتا ہوا پیچھے کی جانب سمندر میں جا گرا۔
کنارے پر وحشیوں نے ہمیں تاخت وتاراج کرلیا تھا اور اب وہ جہاز کے سامنے پانی میں کودنے ہی والے تھے میں نے بل کو آواز دی۔ اس نے گولا داغ دیا۔ توپ کا گولا ان وحشیوں کے عین اوپر جا کر کچھ ایسے کانوں کے پردے پھاڑ دینے والے شور کے ساتھ پھٹا کہ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے جزیرہ ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہوگیا ہو۔ اس وقت ہم نے عافیت اسی میں سمجھی کہ جہاز کو یہاں سے لے بھاگیں۔
اگلی صبح کو جب میں اٹھا تو سورج نکلا ہوا تھا۔ بل کی حالت خراب سے خراب تر ہوتی جارہی تھی۔ اس کا رنگ زرد پڑ چکا تھا اور بہت سا خون بھی بہہ گیا تھا۔ میں فوراً دوڑا دوڑا جہاز کے نچلے حصے میں گیا۔ وہاں سے برانڈی حاصل کی اور کچھ ٹوٹے پھوٹے بسکٹ بھی لیتا آیا۔ بل نے یہ بسکٹ کھائے اور پھر پانی میں برانڈی ملا کر سیر ہو کر پی۔ یوں اس کی جان میں جان آئی۔
پھر بل نے اپنی رام کہانی چھیڑ دی۔ اس نے بتایا کہ ان کے گاؤں تک پہنچنے سے پہلے ہی وحشیوں نے ان پر شب خون مار دیا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ تعداد میں ہزاروں ہیں۔ کپتان کو تو اسی وقت چھرا گھونپ دیا گیا۔ پھر ہم سب جنگل میں تتر بتر ہوگئے۔ چیختے چلاتے وحشیوں کا ایک جم غفیر ہمارا پیچھا کر رہا تھا۔ میں بھی مقابلے میں زخمی ہو کر کسی نہ کسی طرح یہاں پہنچ گیا ہوں۔
مجھے قذاق بنے ہوئے اب تین سال ہوگئے ہیں۔ مجھے اغوا کر کے اس جہاز پر لایا گیا تھا اور پھر مجھے زبردستی یہاں رکھا گیا۔ حتیٰ کہ عملے میں شمولیت پر متفق ہوگیا۔ اب مجھے یہ حیرت ہے کہ کاش میں نے بہتر زندگی بسر کی ہوتی۔
بل کی حالت تشویشناک حد تک بگڑتی چلی گئی۔ میں نے برانڈی کی بوتل اٹھائی اور تھوڑی سی اس کے حلق میں انڈیلنے کی کوشش کی لیکن اب میری سب کوششیں بیکار تھیں کیونکہ بل مر چکا تھا۔
بل کی موت کے پندرہ دن بعد میں دوبارہ مونگوں کے جزیرے میں پہنچ جانے میں کامیاب ہوگیا۔ مارے خوشی کے میری چیخ ہی نکل گئی۔ پیر کن ہمارے کیمپ میں سے دوڑتا ہوا باہر نکل آیا۔ وہ حیرت اور دہشت زدہ نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا اور اگلے لمحے جیک بھی نمودار ہوا۔ دونوں اپنی اپنی پوری رفتار سے ریتلے ساحل کی جانب دوڑے۔ انتہائی غیر متوقع طور پر میں ان سے دوبارہ مل رہا تھا۔ اس موقع پر ہم تینوں کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ ہم فرطِ مسرت سے ناچنے لگے۔ پہلے میں نے انہیں اپنی داستان سنائی۔ اویتی نامی اس لڑکی کا جو انجام ہونے والا تھا، اس کے متعلق سن کر ان دونوں کو بڑی پریشانی ہوئی۔ پھر انہوں نے بعد کے حالات سے مجھے آگاہ کیا۔ انہوں نے بتایا کہ ایک گھنٹہ تک وہ میرا انتظار کرتے رہے اور جب میں واپس نہ آیا تو وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ میں قذاقوں کے ہتھے چڑھ گیا ہوں اور وہ مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔ ایک دن پیر کن کو ایک چھوٹی سی سیاہ رنگ کی کوئی چیز چٹانوں میں پڑی ہوئی ملی۔ ہم نے دیکھا کہ یہ ہارود کا ایک چھوٹا سا پیپا تھا۔
''اسے میں نے ہی تمہارے استعمال کے لئے سمندر میں پھینکا تھا'' میں بولا۔
''ہم پستول کو استعمال میں لانے کے قابل ہوگئے ہیں۔'' وہ دونوں کہنے لگے۔
پھر ہم نے فیصلہ کیا کہ ہم اس جزیرے میں جائیں گے جہاں اویتی رہتی ہے۔ اور اس کی جان بچانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ ہم نے جہاز کو ضروری اشیاء سے لاد لیا اور لکڑی کے ایک تختے پر اپنا نام کندہ کیا اور پھر اس تختے کو ساحل پر نصب کر دیا۔
بالآخر ہم نے جہاز کے لنگر اٹھا لئے اور آموں کے جزیرے کی سمت روانہ ہوگئے۔ تھوڑی دیر بعد مونگوں کا جزیرہ بحرالکاہل کے وسیع وعریض سینے میں چھپ کر ہماری نظروں سے اوجھل ہوگیا۔
تین ہفتوں کے سفر کے بعد ہم آموں کے جزیرے میں پہنچ گئے۔ یہاں ہماری ملاقات ایک گورے آدمی سے ہوئی جو اس جزیرے میں ایک مشنری استاد تھا۔ اس نے ہمیں بتایا کہ یہاں کے باشندے دو گروہوں میں منقسم ہیں ایک گروہ عیسائیوں کا ہے اور دوسرا کافروں کا۔ اویتی کفار میں رہتی ہے لیکن اس کی دلی خواہش ہے کہ وہ عیسائیوں میں شامل ہوجائے۔ مگر ترارو اسے اس چیز کی اجازت نہیں دے رہا۔ اس بے چاری کو ایک عیسائی سردار سے محبت ہوگئی ہے۔ یہ سردار ایک ایسے جزیرے میں رہائش پذیر ہے جو اس جگہ سے پچاس میل کے فاصلے پر جنوب میں واقع ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے علم میں یہ بھی آیا کہ کفار آپس میں بھی برسرِ پیکار ہیں اور ترارو کے فریق نے اسی دن لڑی جانے والی ایک خوفناک جنگ میں فتح پائی تھی۔
ہم کفار کے گاؤں سے کوئی ایک سو گز پیچھے ہی رک گئے اور ہم نے سلامی دینے کے انداز میں توپ کا ایک گولا فائر کیا۔ ہمیں معلوم ہوا کہ اس وقت ترارو مندر میں اپنے دیوی دیوتاؤں کی پوجا میں مصروف ہے۔ جزیرے کے باسیوں کا ایک طویل جلوس رقص کرتا ہوا اور چیختا چلاتا چلا آرہا تھا۔ ان کے درمیان میں آدمیوں کا ایک جتھا آیا۔ جنہوں نے تین یا چار تختے اٹھا رکھے تھے۔ جن پر ایک درجن سے زیادہ مردہ آدمیوں کی لاشیں رکھی ہوئی تھی۔ ہمیں بتایا گیا کہ یہ وہی آدمی ہیں جو کل ہی لڑی جانے والی جنگ میں کام آئے تھے۔ اب وہ لوگ انہیں دیوی دیوتاؤں کی نذر کرنے کے لئے جا رہے تھے اور پھر انہیں کھایا جانا تھا۔ اس جلوس کے پیچھے عورتوں اور بچوں کا ایک ہجوم، جنہوں نے چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا بڑھتا چلا آرہا تھا۔ ہم ان لوگوں کے ساتھ ہی مندر میں پہنچ گئے۔ یہ گول شکل کی ایک بلند وبالا عمارت تھی۔ جو ہر طرف سے کھلی تھی۔ اس کے چاروں طرف انسانی ہڈیوں اور ڈھانچوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ اندر ایک لمبی سی میز پر پجاری بیٹھا تھا۔ وہ ایک بوڑھا آدمی تھا۔ اس کی داڑھی سفید تھی۔ اس کے سامنے بہت سے چاقو رکھے ہوئے تھے جن کی مدد سے وہ لاشوں کی چیر پھاڑ کے فرائض سرانجام دے رہا تھا۔ ہم جلد ہی یہاں سے چلے آئے۔
تھوڑی دیر بعد ترارو ریتلے ساحل پر آیا۔ اس کے پیچھے آدمیوں کی ایک لمبی سی قطار چلی آرہی تھی جنہوں نے پھلوں اور سبزیوں سے لدی ہوئی ٹوکریاں اپنے سروں پر اٹھا رکھی تھی۔ اس وقت مشنری نے ترجمان کے فرائض انجام دیئے۔ اس نے ترارو کو بتایا کہ ہم تینوں اس سے یہ استدعا کرنے آئے ہیں کہ وہ اویتی کی جان بخشی کر دے لیکن ترارو اپنی ضد پر اڑا رہا۔ اس کا اصرار تھا کہ اس نے لڑکی کو معاف نہ کیا تو ہمارے جہاز پر لگی ہوئی بڑی سی توپ اس کے پورے گاؤں کو سمندر میں غرق کر کے رکھ دے گی۔
ایک لمحہ بھی نہ گزرا پایا تھا کہ دو آدمی ایک لڑکی کو پکڑے ہوئے اپنے ساتھ لائے۔ انہوں نے اس لڑکی کو پھلوں اور سبزیوں کے ڈھیر پر بٹھا دیا۔ ہم چونک اٹھے کیونکہ لڑکی اویتی ہی تھی۔ مشنری نے ہمیں گلوگرفتہ آواز میں بتایا کہ وہ لوگ ابھی اور اس وقت اس کی قربانی دینے والے ہیں۔ وہ بڑی فیصلہ کن گھڑی تھی۔ کیونکہ اس وقت اویتی کی تقدیر کا فیصلہ ہونا تھا۔
جیک غضب ناک آواز میں چلاتا ہوا اویتی کے قریب جا پہنچا۔ سردار کو تو غصہ آگیا لیکن پھر وہ بولا ''لڑکے! اگر تم نے میری جان نہ بچائی ہوتی تو میں تمہیں ابھی اس حرکت کا مزا چکھا دیتا۔ پھر اس نے ہمیں چپ چاپ جہاز پر واپس چلنے کا حکم دیا۔ مشنری نے اویتی کے کانوں میں کوئی بات کہی اور ترارو اسے بازو سے پکڑ کر اپنے ساتھ لے گیا۔
مشنری نے ہمیں بچ نکلنے کی ایک ترکیب بتائی جس پر ہم متفق ہوگئے۔
آدھی رات گئے ہم مشنری کے فراہم کردہ ڈونگے میں سوار ہوگئے۔ نصف گھنٹے کے سفر کے بعد ہم ایک بہت اونچی معلق سیدھی چٹان پر پہنچے۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق یہاں اویتی ہماری منتظر تھی۔ ہم نے اسے بھی اپنے ساتھ ڈونگے میں بٹھا لیا۔ تمام رات اور اگلا سارا دن ہم باری باری چپو چلاتے رہے۔ دوسرے دن ہم نے ایک بہت بڑا جنگی ڈونگا اپنی طرف آتا ہوا دیکھا جو تیزی سے ہماری طرف بڑھ رہا تھا۔ پھر وہ اچانک ہم سے ٹکرا گیا اور ہماری کشتی اُلٹ گئی۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں نے اپنے آپ کو ایک بہت بڑے ڈونگے کے پیندے میں کمر کے بل لیٹا ہوا پایا۔ میری مشکیں کسی ہوئی تھیں۔ جیک اور پیر کن بھی دونوں میرے قریب ہی تھے جس وقت ہمیں ساحل پر لایا جا رہا تھا تو اویتی کی ایک جھلک ہمیں نظر آگئی۔ گرفتار کنندگان ہمیں سردار ترارو کے جھونپڑے میں لے آئے۔ سردار نے خشمگیں نگاہوں سے ہماری طرف دیکھا۔ مشنری اس کے پاس ہی کھڑا تھا۔ مشنری نے ہمیں بتایا کہ ترارو کہتا ہے کہ ہمارے ساتھ اس کا جو قرض تھا وہ منسوخ ہوا اور اب ہمیں مرنا ہی ہوگا۔
انہوں نے ہمیں کھڑی چٹان میں پائے جانے والے ایک گہرے غار میں قید کر کے باہر سے اس کا راستہ بند کر دیا اور ہمیں مکمل تاریکی میں چھوڑ کر چلے گئے۔ ہم جانتے تھے کہ ہمارا خاتمہ قریب ہے۔ بالآخر تین وحشی ہمیں وہاں

سے گھسیٹتے ہوئے مندر میں لے آئے۔جزیرے کے باسیوں کا ایک جلوس آیا۔انہوں نے زور زور سے چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا اور ساتھ ساتھ وہ ڈھول بھی پیٹتے جا رہے تھے۔اسی جلوس کے ساتھ ہمیں مندر میں لے جایا گیا جہاں انسانی جانوں کی قربانی دی جاتی تھی۔اچانک بجلی کڑکی، دیکھتے ہی دیکھتے موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔اس طوفان بادوباراں نے آموں کے جزیرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔جزیرے کے باسی ہمیں طوفان میں اکیلا چھوڑ کر خود پناہ لینے کے لیے اِدھر اُدھر دوڑنے لگے۔مشتری نے ایک چاقو کی مدد سے ہماری رسیاں کاٹیں۔ہم نے ایک غار میں پناہ لی اور وہ ساری رات اور اگلے دن ہم وہیں چھپے رہے۔طوفان نے اس گاؤں کی ایک ایک چیز تہس نہس کر کے رکھ دی تھی۔دوسرے دن صبح صادق سے ذرا قبل طوفان کا زور ٹوٹا۔مشتری ہمارے لئے کھانا لینے کے لیے چلا گیا۔واپسی پر اس نے ہمیں بتایا کہ اب ہم آزاد ہیں اور جہاں چاہیں جا سکتے ہیں وہ کہنے لگا کہ میں نے تزارو کو تنبیہ کی تھی کہ اگر اس نے ہمیں جان سے مارنے کی کوشش کی تو خدا اسے اور اس کے قبیلے کو کڑی سزا دے گا۔ہم وہاں چلے گئے۔وحشی ایک ایک کر کے آتے اور ہم سے ہاتھ ملاتے جاتے تھے۔پھر وہ ہمیں ایک جلوس کی شکل میں تارو کے پاس لے گئے۔اویتی کو ایک جنگلی ڈونگے میں سوار کر کے اس کے محبوب سردار کے جزیرے میں بھیج دیا گیا اور ان دونوں کی شادی ہوگئی۔

ہم نے دیکھا کہ ہمارا جہاز ساحل سے آن لگا تھا لیکن طوفان نے اسے کوئی زیادہ نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ہم اس کی مرمت میں مصروف ہو گئے۔اور ایک ہفتہ کے اندر اندر ہم نے دوبارہ اسے کھلے سمندر میں لے جانے کے قابل بنا لیا۔اب ہم اپنی روانگی میں مزید تاخیر نہیں کرنا چاہتے تھے کیونکہ ہمیں گھر کی یاد ستانے لگی تھی۔جزیرے کے تین باسی ہمارے ہمراہ تیمیٹی تک گئے۔ہمارا خیال تھا کہ ہم یہاں با آسانی اپنے جہاز کے لئے ملاحوں اور دیگر آدمیوں کا عملہ بھرتی کریں گے۔پھر ایک سہانی صبح کو جب مشتری اور جزیرے کے ہزاروں باسی ہمیں الوداع کہنے کے لیے ساحل پر موجود تھے۔ہم نے بحری ڈاکوؤں کے جہاز کا لنگر اٹھا لیا اور آموں کے جزیرے کے ساحلوں سے آہستہ آہستہ دُور ہونے لگے۔

ہم غم اور خوشی کے ملے جلے جذبات لئے ہوئے اپنے اپنے گھروں کو جا رہے تھے

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

5 گھنٹے موت کی گود میں

ڈاکٹر پیٹرسن اور اس کی بیوی کا یہ پہلا بحری سفر تھا۔ ایک ماہ قبل وہ اپنے والدین کی جائے پیدائش دیکھنے کے لئے بذریعہ طیارہ سویڈن گئے۔ پھر وہ ڈنمارک کے سیر سپاٹے میں مصروف رہے۔ ڈاکٹر پیٹرسن نے کئی جگہ نہایت عمدہ تقاریر بھی کی تھیں۔ اب اٹلی کے آرام دہ بحری جہاز میں نودن کے سمندری سفر پر روانہ ہوئے تھے۔

پیٹرسن قدرے مایوس تھا۔ اس نے ایک ہفتہ بعد کے لئے ہوائی نشستوں میں جگہ مخصوص کرانے کا پروگرام بنایا تھا کیونکہ اس طرح وہ اٹلی میں مزید ایک ہفتے تک سیر سپاٹا کر سکتے تھے۔ لیکن اس کی بیوی مارٹی بحری سفر پر مصر تھی وہ کہنے لگی۔ ''اٹلی کی سیاحت کا خیال چھوڑ دینا چاہئے۔ اتنی ساری تقریر کرنے کے بعد آپ یقیناً تھک چکے ہوں گے۔ دوسرے ہم میں اب پہلا سا جوانوں کا سا دم خم نہیں رہا۔''

پیٹرسن کی عمر 57 سال تھی اور مارٹی کی عمر 55 سال۔ پیٹرسن مارٹی کے اصرار پر بے دلی سے بحری سفر پر روانہ ہو گیا۔ چنانچہ دونوں میاں بیوی ۲۹۰۸۳ ٹن وزنی ''اینڈریا ڈوریا'' نامی جہاز میں اپنے وطن واقع نیو جرسی کی طرف روانہ ہو گئے۔

ان کا کمرہ نمبر ۵۲ بالائی عرشے پر واقع تھا۔ اس میں دو پلنگ تھے ایک جڑواں کھڑکیوں کے عین نیچے اور دوسرا منقش دیوار کے بالمقابل۔

پیٹرسن اپنی بیوی سے پوچھنے لگا۔ ''تم کون سا پلنگ پسند کرو گی''۔

مارٹی ایک لمحے توقف کے بعد اندرونی دیوار کے سامنے والے پلنگ کی طرف گئی اور کہنے لگی۔ ''یہ ٹھیک رہے گا''۔

جہاز جبرالٹر میں رُکا تو دونوں میاں بیوی کمرہ ۵۲، ۵۴ میں رہنے والے پڑوسیوں سے متعارف ہوئے ان میں نیویارک کا نامہ نگار مقیم سپین کیملا کیفرا، اس کی بیوی جین، ان کی آٹھ سالہ لڑکی جون اور نامہ نگار کی چودہ سالہ سوتیلی بہن لنڈا مارگن شامل تھی۔

سفر میاں بیوی کی توقع کے خلاف نہایت پر لطف تھا۔ ان کے حلقہ احباب میں بہت سے لوگ شامل ہو گئے جب وہ جزائر کینری کے نزدیک پہنچے تو ''اینڈریا ڈوریا'' کے ۵۸ سالہ کپتان پیرو کلامیا نے انہیں راڈار دکھایا جس کے ذریعے انہوں نے جزائر کینری کے بیرونی ساحل کا نظارہ کیا۔

۲۵ جولائی کو ۲ بجے دوپہر پیٹرسن نے پہلی پہلی دفعہ دھند کی جھنجھناہٹ سنی۔ ساڑھے چار بجے کے نزدیک کھڑکیوں میں سے سمندر کا پانی نظر آتا تھا۔ شام کا کھانا بڑا پر لطف تھا۔ کھانے کے بعد رات کو ساڑھے دس بجے جب وہ اپنے کمرے میں آئے تو نوکرانی نے پیٹرسن کا نہانے کا لباس مارٹی کے بستر پر رکھ دیا تھا اور اس کا شب خوابی کا لباس کھڑکیوں کے قریبی بستر پر پڑا ہوا تھا۔

''مارٹی!'' پیٹرسن بیوی سے پوچھنے لگا۔ ''کیا پلنگ تبدیل کرو گی؟''

''نہیں'' اس نے جواب دیا۔ ''میرا پلنگ جہاں ہے وہیں رہے گا''۔

کسی بڑے شہر کی طرح ''اینڈریا ڈوریا'' آہستہ آہستہ رات کی تاریکی میں ڈوبتا گیا۔ دُھند گہری ہو گئی تھی۔ بال روم میں اب بھی کچھ لوگ رقص کر رہے تھے۔ کچھ عرشہ پر چہل قدمی کر رہے تھے۔ کمرہ ۵۲ اور ۵۴ میں کیفرا اور اس کے اہل وعیال سو چکے تھے۔

ساڑھے گیارہ بجے ''اینڈریا ڈوریا'' سٹاک ہوم کے پاس سے گزر رہا تھا۔ پیٹرسن کو سب سے پہلے بے ہنگم طریقے سے چیرتی اور ٹوٹتی ہوئی پلیٹیں اور تباہ شدہ گرتے ہوئے ملبے کا شور سنائی دیا۔ پھر اچانک اسے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اسے فضا میں اچھال دیا ہو۔ وہ بالکل ننگا تھا اس کے بعد وہ ملبے کے بوجھ سے دب کر بے ہوش ہو گیا۔

جب ہوش آیا تو اسے معلوم ہوا کہ وہ ہل بھی نہیں سکتا تھا۔ مکمل تاریکی میں تباہ شدہ ملبے کے نیچے دبا پڑا تھا۔ کمرے میں ہیبت ناک سکوت چھایا ہوا تھا۔ باہر سے بھی کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ البتہ پانی کے ساتھ کسی چیز کے ٹکرانے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اچانک پیٹرسن نے ایک دردناک کراہ سنی۔

''مارٹی! مارٹی'' وہ بولا۔ ''خیریت سے تو ہو نا''۔

''ہائے میری ٹانگیں''۔ مارٹی دردناک آواز میں بولی۔ ''آہ! میری ٹانگیں کٹ گئی ہیں''۔

''دیکھو! حرکت مت کرنا''۔ پیٹرسن نے اسے ہدایت کرتے ہوئے کہا۔ ''بس امداد ی دستہ آتا ہی ہو گا۔ تم حرکت بالکل نہ کرو''۔

کچھ وقفہ کے بعد مارٹی بولی۔ ''مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میرے نزدیک کوئی آدمی پڑا ہو''۔

پیٹرسن بازو ہلا سکتا تھا چنانچہ اس نے اپنے اوپر پڑے ہوئے تختے، پھٹے ہوئے گدے اور تباہ شدہ فرنیچر کو دھکیلنا شروع کر دیا۔ چھ فٹ طویل قامت اور مضبوط وجسیم آدمی تھا۔ بازوؤں اور کندھوں کو مسلسل ہلاتا رہا۔ نتیجتاً وہ

اپنے آپ کو ملبے کے بوجھ سے نکالنے میں کامیاب ہو گیا۔ اپنی بیوی کو حرکت نہ کرنے کی ہدایات مسلسل دیتا رہا اور وہ نہایت دھیمی آواز میں جواب دیتی رہی۔ پیٹرسن کو یہ بات سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ مارٹی کی آواز اتنی دور سے کیوں آ رہی ہے۔ اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا اور کندھے، چھاتی اور پیٹرو کے قریب سے وہ بری طرح زخمی ہو چکا تھا اب اندھیرے میں کھڑا کپڑے تلاش کر رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا کمرے کو بالکل اُلٹ پلٹ کر رکھ دیا گیا ہو۔ اس کی بیوی پلنگ سمیت وہاں سے غائب تھی دوبارہ بیوی کو پکارنے پر اس نے جواب دیا۔

''ہاں--- یہاں-ادھر---!''

اس کا ہاتھ بجلی کے بٹن پر جا لگا۔ اس نے بٹن دبایا لیکن روشنی نہ ہوئی۔ جدھر سے مارٹی کی آواز آ رہی تھی پیٹرسن نے ادھر جانے کا ارادہ کیا لیکن راستے میں تباہ شدہ ملبے اور فرنیچر کا ڈھیر لگا ہوا تھا اور سب سے بڑی رُکاوٹ لکڑی کی وہ دیوار (Partition) تھی جو دو کمروں کے درمیان لگی ہوئی تھی۔ مارٹی کی آواز لکڑی کی دیوار کے دوسری طرف سے آتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔

اندازے سے ہی وہ دروازے کی طرف چلا۔ راستے میں گندے پانی کا ٹب اور الماری پڑی تھی لیکن یہ دونوں چیزیں اپنی اصل جگہ سے ہٹی ہوئی تھیں۔ اچانک روشنی جو ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ اپنے کمرے میں نہیں ہے۔ بہر حال وہ دروازے تک پہنچا اور اسے کھول کر باہر برآمدے میں آ گیا۔ یہاں حادثے کے موقع پر جلائی جانے والی نیلی روشنیاں جھلک رہی تھیں۔ یہ کمرہ ۵۸ تھا۔

پیٹرسن نے دیکھا کہ برآمدے میں کوئی بھی موجود نہ تھا وہ وہاں کھڑا کھڑا لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ شیشے کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں نے اس کا پاؤں زخمی کر دیا تھا اور اب اس سے خون بہہ رہا تھا۔ پھر اس نے اپنے کمرے (نمبر ۵۸) کا دروازہ کھولا مگر یہاں تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اندازے سے اندر داخل ہو کر وہ چلنے لگا تو اس کا ہاتھ کسی ٹھنڈے چہرے پر جا لگا۔ ناقابل عبور، تباہ شدہ ملبے کے اونچے ڈھیر کے پرلے سرے پر اس نے اپنی بیوی اور ایک دوسری عورت کی آواز سنی۔ اپنے بالمقابل ملبے کے درمیان ایک چھوٹے سے سوراخ کو وہ ذرا بڑا کرنے میں کامیاب ہو گیا اور اس میں سے کنویں کی تہہ کی طرح پانی دیکھا۔

وہ کمرہ ۵۸ کی طرف اس خیال سے واپس آیا کہ شاید اس طرف سے وہ بیچاری پھنسی ہوئی عورتوں کی مدد کر سکے۔ اپنی بیوی کی آواز کی مدد سے وہ جزوی طور پر تباہ لکڑی کی دیوار کے قریب پہنچا۔ دیوار چھت کے ساتھ سختی سے بچی ہوئی تھی۔ لیکن فرش سے ذرا اوپر کو اٹھی ہوئی تھی۔ اس نے نیچے دیوار کے نیچے ہاتھ ڈال کر اسے پوری طاقت سے اوپر کھینچا چنانچہ وہ اسے ۱۸ انچ اوپر اٹھانے میں کامیاب ہو گیا۔ اب دیوار اور فرش کے درمیان کافی جگہ بن چکی تھی۔ چنانچہ اس نے اپنے دونوں کندھے دیوار کے نیچے دے لئے۔ کہیں سے ہلکی روشنی آ رہی تھی اس نے اپنی بیوی کے مڑے ہوئے سفید چہرے کو بالکل اپنے سامنے دیکھا۔ اس کے پیچھے ایک اور عورت کا سایہ قدرے اوپر کو اٹھا ہوا تھا۔ جہاز بری طرح ایک طرف کو جھکا ہوا تھا اور یہ بات یقینی تھی کہ حادثے کی بناء پر جہاز کے جھکاؤ کی وجہ سے کسی لمحے بھی وہ سمندر میں گر سکتا تھا۔

دونوں عورتیں مضحکہ خیز طریقے پر تباہ شدہ ملبے میں پھنسی ہوئی تھیں۔

''مارٹی'' اس نے پکارا۔

''کیفرا کی بیوی میرے نزدیک پڑی ہوئی ہے۔'' مارٹی نے جواب دیا۔

''دیکھو بالکل حرکت مت کرنا'' اس نے دونوں عورتوں کو ہدایت کرتے ہوئے کہا۔ ''میں مدد لینے جا رہا ہوں۔''

''میرا خاوند دوسرے کمرے میں تھا۔'' کیفرا کی بیوی بولی۔

تب پیٹرسن کو معلوم ہوا کہ مسٹر کیفرا ہی کے چہرے پر اس کا ہاتھ لگا تھا۔ کچھ روشنی کی مدد سے اور کچھ اندازے سے اس نے صورتحال سے پوری طرح آگاہی حاصل کر لی۔ اس کی بیوی اپنی پشت پر ایک قوس سی بنی ہوئی پیچھے کو بری طرح پھنسی ہوئی تھی۔ تباہ شدہ ملبے نے ان دونوں کے دھڑوں کو ڈھانپ رکھا تھا۔ ان کے آر پار ایک دیوار گر پڑی تھی۔ پیٹرسن کی بیوی، کیفرا کی بیوی کو تقریباً مس کر رہی تھی۔ کیفرا کی بیوی آدھی کھڑی اور آدھی بیٹھنے کی حالت میں تھی اس کی ٹانگیں جکڑی ہوئی اور نیچے مڑے ہوئے تھے۔ دونوں عورتیں بری طرح زخمی ہو گئی تھیں لیکن وہ واویلا یا شور مچانے کے بجائے بالکل خاموش تھیں۔

''میں مدد لینے جا رہا ہوں'' پیٹرسن نے کہا اور رینگ کر پھر کمرہ ۵۸ میں پہنچ گیا۔ جب دروازہ کھول کر برآمدے میں پہنچا تب اسے پہلی بار اپنے ننگے ہونے کا احساس ہوا۔ اس نے کمرے کی سامان والی الماری سے ایک ایک پردہ اُتارا اور اپنے جسم کے درمیانی حصے پر لپیٹ لیا اور سیدھا عرشہ کی طرف بڑھا۔

اب گیارہ بج کر ۴۰ منٹ ہو گئے تھے۔ حادثہ صرف بیس منٹ قبل پیش آیا تھا۔ مسافر اور ناجر بائیں طرف کی حفاظتی کشتیاں نیچے اتارنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن جہاز کے دائیں طرف جھکاؤ کی وجہ سے کشتیاں سمندری میں نہ

اتاری جاسکیں۔

ڈاکٹر پیٹرسن نے عرشے پر موجود سب لوگوں سے مدد کی التجا کی، لیکن ہر شخص نفسانفسی کے عالم میں تھا۔ تب ایک طالب علم ریمنڈ ویٹ آگے بڑھا اور کہنے لگا۔ ''میں حاضر ہوں جو کچھ بن پڑا کروں گا۔''

پیٹرسن اسے لے کر کمرہ ۵۸ میں آیا اور لکڑی کی دیوار کو اٹھا کر ۵۶ میں گیا اور کہنے لگا ''مارٹی! میں امداد لے آیا۔''

''میری فکر نہ کرو' مارٹی نے جواب دیا۔ ''مسز کیفرا کی مدد کرو۔''

پیٹرسن جانتا تھا کہ پہلے کیفرا کی بیوی کو ہی نکالنا پڑے گا مسز کیفرا، مارٹی کے تقریباً اوپر پھنسی ہوئی تھی۔ انہوں نے ملبہ اٹھانے کی کوشش کی لیکن یہ کام ناممکن معلوم ہوا۔ چنانچہ وہ پھر نمبر ۵۸ میں چلے گئے۔

طالب علم کہنے لگا۔ ''میں اور کس طرح آپ کی مدد کر سکتا ہوں؟''

پیٹرسن نے بتلایا کہ مسٹر کیفرا کمرہ ۵۶ میں پڑا ہوا ہے پھر وہ کہنے لگا ''اچھا ایک بات اور ہے کیا آپ مجھے پاجاموں کا ایک جوڑا مہیا کر سکتے ہیں''۔

پیٹرسن عرشے پر پہنچتے ہی سیدھا ''اینڈریا ڈوریا'' کے عملے کے دو آدمیوں جنوراولی اور پیٹرونانی کے پاس گیا۔ وہ دونوں ہاتھ میں حفاظتی پٹیاں لئے تیار کھڑے تھے۔ ان سے التجا کرتے ہوئے کہنے لگا ''خدارا میری مدد کیجئے میری بیوی اور ایک دوسری خاتون ملبے میں پھنس گئی ہے۔''

عملہ کے تین آدمی تیزی سے نیچے کمرے میں پہنچ گئے۔ پیٹرو کے پاس نارچ تھی۔ روشنی میں پیٹرسن نے پہلی دفعہ وہ ملبہ دیکھا جس میں وہ اندھیرے میں بھٹکتا رہا تھا۔ مدد کے لئے جینو اور وہ خود کافی تھے۔ اس لئے پیٹرو نارچ وہیں چھوڑ کر دوسرے مسافروں کی طرف چلا گیا۔ پیٹرسن نے غور سے دونوں عورتوں کی حالت کا جائزہ لیا۔ اس کی بیوی پر قدرے بے ہوشی طاری تھی جس کا نچلا دھڑ بالکل شل ہو چکا تھا۔ اس کے علاوہ اس کے جسم کی عجیب وغریب حالت سے اس نے اندازہ لگایا کہ غالباً اس کی دونوں ٹانگیں اور کمر ٹوٹ چکی ہے سر بغیر سہارے کے پیچھے کی طرف جھکا ہوا تھا۔ صرف اس کے بازو اور جسم کے بالائی حصے نظر آ رہے تھے۔

مسز کیفرا کے بال خون میں لتھڑے ہوئے تھے۔ چہرہ بری طرح زخمی تھا۔ وہ تقریباً سیدھی حالت میں گویا منجمد ہو کر رہ گئی تھی اور ایک ٹانگ ٹوٹ کر مڑ گئی تھی اور ملبے کے ڈھیر اور پلنگ کے سپرنگوں میں بری طرح پھنسی ہوئی تھی۔ دونوں عورتیں بڑی ہی تکلیف دہ حالت میں تھیں۔

پیٹرسن کسی ڈاکٹر کو تلاش کرنے چلا گیا۔ اس دوران جینو نے، جو ۴۸ سالہ بیرا تھا، تباہ شدہ پلائی وڈ کے تختے ہٹانے اور اٹھانے شروع کئے۔ لیکن نسبتاً زیادہ بڑے تختوں کو ہٹانے اور اٹھانے کے لئے ایک جیک کی ضرورت تھی۔ تقریباً آدھی رات کے وقت وہ لکڑی کی دیوار کے نیچے گھس گیا اور عورتوں کو کہتا گیا۔ ''عنقریب واپس آ جاؤں گا۔''

عرشہ پر پہنچ کر اس نے جہاز کے اوزاروں میں جیک کی تلاش شروع کی لیکن نہ ملا۔ پھر اس اُمید پر کہ جہاز کی بدلتی ہوئی حالت کی وجہ سے ملبہ ہٹ گیا ہو، سرعت سے دوبارہ کمرے میں آ گیا لیکن ملبہ جوں کا توں تھا۔

پیٹرسن کو عرشے پر دو ڈاکٹر مل گئے۔ اس نے ڈاکٹروں سے مدد کی التجا کرتے ہوئے کہا ''کیا آپ کے پاس مارفیہ ہے؟''

''نہیں'' اسے بتایا گیا ''نیچے استقبالیہ کمرے میں کافی مقدار میں مارفیہ موجود ہے لیکن فی الحال مہیا کرنے سے قاصر ہیں۔ ہم اس وقت بہت مصروف ہیں۔''

پیٹرسن نے سوچا کہ اس وقت غالباً کپتان اس کی بہتر طریقے سے مدد کر سکے گا۔ جہاز اب تیزی سے جھکا جا رہا تھا۔ وہ جلدی سے کپتان کے پاس پہنچا۔ کپتان، جو احکامات دینے میں مصروف تھا۔ مطمئن نظر آتا تھا اس نے پیٹرسن کو یقین دلایا کہ وہ ضرور اس کی مدد کرے گا۔

پیٹرسن ساڑھے بارہ بجے کمرہ نمبر ۵۶ میں لوٹا ''اینڈریا ڈوریا'' اب ۳۰ درجے سے زیادہ جھکا ہوا تھا اور جینو کے لئے کام کرنا مشکل ہو رہا تھا کیونکہ توازن رکھنا دشوار تھا۔ اس نے مسز کیفرا کے عقب سے سوراخوں میں سے بہت سا ملبہ سمندر میں گرا دیا اور لکڑی کی دیوار (Partition) کو لکڑی کے ایک بالے کی مدد سے سہارا رکھا تھا۔ اس طرح وہ مسز کیفرا کی دائیں ٹانگ کو آزاد کرانے میں کامیاب ہو گیا لیکن دوسری ٹانگ پلنگ کے سپرنگوں میں پھنسی ہوئی تھی۔

وہ اس سوراخ میں سے نکل کر اگلا قدم اٹھانے کے متعلق سوچ رہے تھے کہ اچانک طالب علم پاجاموں کا جوڑا لے کر آ پہنچا۔ پیٹرسن نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے لے لیا۔ جینو اور پیٹرسن دوبارہ سوراخ میں سے ہو کر لیلن میں چلے گئے۔ پیٹرسن کی بیوی پر پہلی بار مایوسانہ کیفیت طاری ہوئی۔

''پیارے'' وہ کہنے لگی ''اب مجھے یہاں سے کیسے نکالو گے تم کیفرا کی بیوی اور اپنے آپ کو نکال لے جاؤ تو غنیمت ہے۔''

پیٹرسن مارفیہ کے متعلق بڑا فکرمند تھا۔ ڈاکٹروں کی تلاش میں واپس نمبر ۵۸ میں گیا خوش قسمتی سے اسے ایک ڈاکٹر مل گیا۔

پیٹرسن کہنے لگا ''براہ کرم ایک ڈبل انجکشن تیار کر دیجئے میں ہی لگالوں گا۔'' انجکشن لے کر وہ تیزی سے کمرہ نمبر ۵۸ میں جا پہنچا اور دونوں عورتوں کے بازوؤں کو ٹیکہ لگا دیا۔

اب یہ بات تو ظاہری تھی کہ محض جسمانی جدوجہد اور طاقت ان کو نکالنے کے لئے کافی نہ تھی۔ جینو نے مسئلہ کا حل بتاتے ہوئے کہا ہمیں بستر کی آہنی تار اور گدا کاٹنے کے لئے تار کاٹنے والی قینچیوں اور پلاسوں کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ تمہاری بیوی پر گرے ہوئے ملبہ کو اٹھانے کے لئے ایک جیک بھی درکار ہے۔

پیٹرسن کو ایک ایسی جگہ معلوم تھی جہاں سے تار کاٹنے والا مل سکتا تھا۔ وہ جگہ ریڈیو روم تھا جو کپتان کے کمرے کے عقب میں تھا وہ ادھر روانہ ہو گیا۔ ادھر جاتے ہوئے سیڑھیوں میں کسی سے اس کی مڈبھیڑ نہ ہوئی۔ سارے جہاز میں پراسرار ہیبت ناک خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ لاسلکی کے کمرے میں متعلقہ ریڈیو افسر بڑی تندہی سے کام کر رہا تھا۔

''آپ کو معلوم ہے کہ تار کاٹنے والا کہاں سے مل سکے گا؟'' پیٹرسن نے جواب پوچھا۔

افسر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''مجھے معلوم نہیں اوزاروں میں تم خود ہی تلاش کر لو۔ میں کچھ نہیں کر سکتا''۔

پیٹرسن کو چارتار کاٹنے والے مل گئے۔ اسی اثنا میں اندھیرے باورچی خانے کی طرف راستہ بنا لیا اور اسے ایک سبزی کاٹنے والی چھری بھی مل گئی۔ ایک نرس سے اسے ایک ہڈیاں کاٹنے والی قینچی مل گئی اور وہ پیٹرسن باری باری کام کرنے لگے ایک نارچ لے کر کھڑا ہو جاتا اور اوزار پکڑاتا جاتا اور دوسرا گدا اور بستر کے سپرنگ کاٹتا جاتا دونوں عورتیں انتہائی کمزور ہو چکی تھیں۔ حادثہ کا موش فضا میں انہیں یہ بات سوچنے کی ضرورت بھی نہ تھی کہ جہاز الٹ جائے گا اور عورتوں سمیت سب کو سمندر میں لے ڈوبے گا۔

پیٹرسن نے آخری سپرنگ کاٹ دیا۔ اب کیفرا کی بیوی کے دائیں پاؤں میں لکڑی کا ایک طویل ٹکڑا آر پار تھا۔ جینو کہنے لگا ''تمہیں بچانے کے لئے اسے نکالنا ضروری ہے اگرچہ تمہیں یہ اور بھی زخمی کر دے گا۔''

کیفرا کی بیوی کی آنکھیں بند تھیں جب لکڑی کا ٹکڑا کھینچا گیا تو اس کا پیر چھد گیا۔ لیکن اس نے کوئی آواز نہ نکالی اب وہ بالکل آزاد تھی۔

جینو نے اسے کندھے پر اٹھا لیا۔ اس کا بایاں بازو اپنے کندھے پر رکھتے ہوئے اسے لٹک جانے کو کہا۔ اس کو دوسرا بازو بیکار سا لگتا تھا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے پارٹیشن کے نیچے سے گزر کر کمرہ نمبر ۵۸ میں پہنچا اور پیٹرسن کی بچھائی دری پر مسز کیفرا کو لٹا دیا۔

پیٹرسن اسے اوپر لے جانے کے لئے مدد کی تلاش میں عرشہ پر گیا۔ واپسی پر تین مسافر مرد اور ایک عملے کا آدمی اس کے ساتھ آئے۔ پیٹرسن نے انہیں تاکید کی کہ کیفرا کی بیوی کے دائیں بازو اور بائیں ٹانگ کے متعلق محتاط رہیں پھر اپنی بیوی کی طرف متوجہ ہوا۔

حادثے کے بعد اب پہلی مرتبہ دونوں کو تنہائی میسر آئی تھی۔ پیٹرسن نے کہا ''مسز کیفرا تو نکال لی گئی ہے اب تمہارا بچاؤ وقت پر منحصر ہے۔ لیکن نامعلوم اندیشے اور خدشے دونوں کے دلوں میں موجود تھے۔

''اگر میں یہاں سے نکال بھی لی جاؤں تو آئندہ ہمیشہ کے لئے عضو معطل ہو کر رہ جاؤں گی اور میں اس طرح رہنا پسند نہیں کرتی'' مارٹی کہنے لگی ''تم اپنی فکر کرو تو بہتر ہے۔''

''بیوقوف نہ بنو'' پیٹرسن نے کہا ''ہم تمہیں یہاں سے نکال لیں گے۔ بس جیک کے آنے کی دیر ہے۔''

دریں اثنا جینو بڑے اضطراب سے جیک کی تلاش کر رہا تھا اور حفاظتی کشتیاں اتارنے والوں سے چلا چلا کر جیک کے متعلق پوچھ رہا تھا۔ کشتیاں سمندر کے پانی میں ہلکا ہلکا تموج پیدا کر رہی تھیں۔

اب اڑھائی بج چکے تھے اور ''اینڈریا ڈوریا'' بہت ڈوبنے کے لئے چھوڑا جانے والا تھا۔ آخر کار جینو کی نظر ایک امریکی مسافر پر پڑی۔ جو مسافروں کو حفاظتی کشتیوں میں اتارنے میں مدد کر رہا تھا ''مجھے ایک جیک کی اشد ضرورت ہے'' وہ چلایا ''ایک عورت پھنسی ہوئی ہے ذرا جلدی کیجئے۔''

افسر نے نارچ کی روشنی سے ایک طرف اشارہ کیا۔

جینو کمرہ نمبر ۵۸ میں پہنچا تو اس نے سرگوشی کرتے ہوئے پیٹرسن کو بتایا ''ایک امریکی افسر مل گیا ہے۔ لیکن اسے میری بات پر یقین نہیں کیونکہ اسے شک ہے کہ میں پاگل ہوں۔ تم کپتان کے پاس دوبارہ جاؤ۔۔۔ضرور۔''

پیٹرسن ایک دفعہ پھر کپتان کی طرف گیا لیکن کپتان وہاں موجود نہ تھا۔ آخر کار وہ سیڑھیوں سے نیچے اتر گیا کیوں کہ وہاں سے مارفیہ ملنے کا کافی امکان تھا۔ دو ڈاکٹر زخمیوں کو حفاظتی کشتیوں میں اتارنے میں مدد کر رہے تھے۔

''ہم مارفیہ کی شدید کمی سے دوچار ہیں'' ایک نے کہا ''جس قدر موجود ہے وہ نازک ترین مریضوں کے لئے رہنا

چاہئے۔"
کئی گھنٹے تک جذبات کو دبائے رکھنے کے بعد آخر کار وہ پھٹ ہی پڑا "خدا کے لئے دے دے" وہ گرجا "کیا تمہیں علم نہیں میری بیوی شدید زخمی ہے؟"
اسے مارفیہ مل گیا۔ جب وہ اپنی بیوی کو ٹیکہ لگا رہا تھا تو وہ کہنے لگی "مجھے اس سے کیا فائدہ ہوگا آپ اپنی جان بچا لیں تو اچھا ہے۔"
پیٹرسن نے دوبارہ کپتان کے پاس جانے کا ارادہ کیا اس دفعہ وہ بہت سنجیدہ اور متین نظر آ رہا تھا "مجھے کچھ امدادیوں کی ضرورت ہے۔"
پیٹرسن کہنے لگا "کیا لاسلکی کے ذریعے ساحل کے امدادی دستوں سے رابطہ پیدا نہیں کیا جا سکتا۔ لائیے میں خود اپنی ضرورت انہیں بتاؤں؟"
کپتان نے بتایا کہ ریڈیو ٹیلیفون خراب ہو گیا ہے۔ لیکن ضرورت کا کافی سامان جہاز میں ہی کافی مقدار میں موجود ہے۔ اس نے اپنے ایک ماتحت افسر کو پیٹرسن کے ساتھ روانہ کیا۔
افسر اپنے ساتھ ایک کلہاڑا لیتا گیا۔ وہ لکڑی کی دیوار ہٹانے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن جوں ہی کلہاڑے کی ضرب پلائی وڈ کے لچکدار تختے پر پڑی۔ ڈھیر سا اٹکا ہوا ملبہ مارٹی کے اوپر آن گرا۔ وہ چیخ اٹھی۔ افسر کمرہ نمبر ۵۶ کی طرف گیا اور ملبے کے درمیان سے اسے گرانے کی کوشش کی۔ ملبہ پھر پیٹرسن کی بیوی پر گرنے لگا۔ پیٹرسن نے چیختے ہوئے اسے روک دیا افسر واپس چلا گیا۔
مارٹی دھیمے لہجے میں بولی "کیا تم اس مصیبت سے نجات دلا سکتے ہو؟"
"صبر کرو" حادثے سے شدید طور پر متاثر شدہ پیٹرسن نے کہا "میں ذرا دیکھ آؤں کہ جیک مل گیا یا نہیں؟" جب وہ سیڑھیاں طے کر رہا تھا تو اسے اپنی ناامیدی کا پورا احساس تھا۔ عرشہ تقریباً خالی ہو چکا تھا۔ عرشے پر جینو اور وہ دونوں جیک کے انتظار میں کھڑے ہو گئے۔ آخر کار ایک کشتی سے آواز آئی "کیا تمہیں جیک کی ضرورت ہے؟"
۱۵۰ پونڈ وزنی جیک نیچے لاتے لاتے تقریباً پندرہ منٹ لگ گئے۔ جہاز اب چالیس درجے پر جھکا ہوا تھا۔ بڑی دقتوں کے بعد انہوں نے جیوں توں کر کے جیک کو نیچے کمرہ نمبر ۵۸ میں پہنچا دیا۔ پیٹرسن پھر کپتان سے جا کر پوچھنے لگا۔ "میری بیوی ابھی تک پھنسی ہوئی ہے ذرا صاف صاف بتانا جہاز کتنی دیر میں ڈوب جائے گا؟ ایک گھنٹے میں یا دو گھنٹے میں؟"
کپتان کہنے لگا "جہاز کو فوری طور پر کوئی خطرہ نہیں۔"
جیک کا ہینڈل بہت لمبا تھا۔ پیٹرسن برآمدے میں چلا گیا۔ اسے افسر کا چھوڑا ہوا کلہاڑا مل گیا۔ قریبی غسل خانے کے ایک تولیہ ڈالنے والی لکڑی کے ڈنڈے کو اس نے کلہاڑے کی مدد سے کاٹا اور اسے ملبے کے نیچے ڈال کر ملبہ اٹھانا شروع کیا۔ یہ طریقہ کامیاب ثابت ہوا۔
یکدم اس کی بیوی دھیمی آواز میں بولی "آہ پیارے --- میں چلی --- میں چلی"۔
جینو نے جیک کو پمپ کرنا شروع کیا اور ملبہ اٹھانا شروع ہو گیا۔ لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ جینو نے نیچے دیکھا تو مارٹی کے منہ سے خون بہہ رہا تھا "ڈاکٹر" وہ کہنے لگا "میرا خیال ہے تمہاری بیوی ختم ہو چکی ہے۔"
پیٹرسن اپنا کان اس کے سینے کے قریب لے گیا۔ بڑی دیر وہ اس کی بائیں کلائی تھامے نبض ڈھونڈتا رہا۔ پھر کلائی پکڑے ہوئے کہنے لگا "مارٹی ختم ہو گئی"
اب چار بج کر بیس منٹ ہو چکے تھے۔
پیٹرسن نے بیوی کے ہونٹوں کو چومتے ہوئے خدا حافظ کہا۔ اس نے آہستہ سے مارٹی کی انگلی سے موتی جڑی انگوٹھی اتار لی۔ فقط یہی ایک یادگار تھی۔ جسے وہ اپنے ساتھ لے جا سکتا تھا۔ اس نے اور جینو نے تکیوں اور گدیوں سے اسے ڈھانپ دیا اور باہر نکل آئے --- سمندر کا پانی کمروں میں داخل ہونا شروع ہو چکا تھا۔
وہ سب سے آخر میں روانہ ہونے والی کشتی میں بیٹھ گئے۔ جوں جوں ان کی کشتی ڈوبتے جہاز سے دور ہوتی گئی۔ پیٹرسن کی نظریں کمرہ نمبر ۵۶ کے لگائے ہوئے گہرے گھاؤ پر جمی رہیں --- مزید ضبط کا یارا نہ رہا اور اچانک وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

جواں ہمت

نو منزلہ کونرز ہوٹل جو پلین، مونکین کا بہت مشہور و معروف ہوٹل گنا جاتا تھا۔ جس کے متعلق فیصلہ کیا گیا کہ اس ہوٹل کی جگہ ایک پبلک لائبریری قائم کر دی جائے چنانچہ اس کی عمارت کو گرانے کا کام شروع ہو گیا۔ کئی دنوں تک اس عمارت کو توڑا پھوڑا جاتا رہا۔ اس کا ملبہ اٹھایا جاتا رہا۔ بعض مقامات پر لوہے کے شہتیروں کو اکھاڑنے کے لئے ڈائنامیٹ بھی استعمال کئے گئے۔ اس عمارت کے انہدام میں سینکڑوں مزدور اور انجینئر کام کر رہے تھے۔ ان میں

سے ایک ایل سمرز بھی تھا۔ اس صبح اکتیس سالہ ایل سمرز اپنی الیکٹرک لیمپ ٹارچ سنبھالے لوہے کے شہتیروں میں شگاف کرتا پھر رہا تھا۔ ہوٹل کے شمالی حصے کے شہتیروں میں شگاف بنانے کے بعد وہ تہہ خانے میں اتر گیا۔ اور اپنی ٹارچ سے گرڈروں کو پگھلانے لگا۔ دفعتاً اوپر سے زبردست گڑگڑاہٹ کی آواز کے ساتھ ملبہ تہہ خانے میں گرنے لگا۔ اس نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔ تہہ خانے کی چھت تڑخ چکی تھی اور اس کا پلستر اور اینٹیں نیچے گر رہی تھیں۔ پھر ایک زبردست آواز کے ساتھ چھت پھٹ گئی اور سمرز کے آس پاس اکھڑے ہوئے سیمنٹ اور اینٹوں کی برسات ہونے لگی۔ پھر یہ برسات بند ہو گئی اور ہر جگہ گہری خاموشی چھا گئی۔ سمرز نے سوچا شاید اوپر والے کمرے کا فرش اکھڑ گیا تھا۔ شاید ہوٹل کی پہلی منزل کو منہدم کر دیا گیا تھا۔ اس طرح تو اس کے تمام فرش تہہ خانوں میں جا گرنے والے تھے۔ یہ خیال بہت لرزا دینے والا تھا۔ اس طرح سمرز اس تہہ خانے میں زندہ دفن ہو کر رہ جاتا اور کسی کو اس کی اس قبر کا پتہ بھی نہ چلتا۔ لہٰذا اس نے بعجلت تمام فیصلہ کیا کہ اسے اس جگہ سے جس قدر جلد ممکن ہو سکے باہر نکل جانا چاہیے۔ اس نے اپنے آس پاس سے کاٹھ کباڑ ہٹانے کی کوشش شروع کر دی۔ جو اس کے چاروں طرف اس طرح بکھرا پڑا تھا کہ وہ اس میں قید ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ اس وقت ایک مثلث کی شکل کے ڈھائی فٹ اونچے شگاف میں مقید تھا۔ اس کے دونوں طرف کنکریٹ کی دو سلیں اس کے سر کے اوپر ایک مڑے ہوئے لوہے کے سریے پر آ کر ٹکی ہوئی تھی۔

سمرز کو اپنے بائیں پہلو کی پسلیوں میں شدید درد محسوس ہو رہی تھی۔ پھر بھی اس نے کنکریٹ کی سلوں کو اس امید پر دھکیلنے کی کوشش شروع کر دی کہ شاید ان کے پیچھے کہیں جگہ خالی ہو اور یہ وہاں تک کھسک جائیں۔ اس طرح اسے اس پنجرے سے رہائی کا موقع مل سکے۔ "ہیلپ!" وہ اونچی آواز سے چلایا۔ "کیا کوئی میری آواز سن رہا ہے؟ میری مدد کرو! میں یہاں قید ہوں!" مگر اس کی اس پکار کے جواب میں خاموشی رہی۔ اس نے تاریکی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کچھ دیکھنے کی کوشش کی مگر اسے صرف موت کا چہرہ ہی دکھائی دیا۔

اوپر کونز ہوٹل کی ٹوٹی پھوٹی عمارت دو منزلہ ملبے کے ڈھیرے کی صورت میں پڑی تھی۔ جس بات کا سمرز کو اندیشہ تھا وہ ہو کر رہی تھی۔ پہلی منزل کی تباہی کے ساتھ ہی ہوٹل کی ساری عمارت تاش کے پتوں کی مانند ڈھے گئی تھی۔

پولیس اور بچاؤ پارٹیاں اس موقع پر وہاں آن پہنچی تھیں۔ انہیں جلد ہی معلوم ہو گیا کہ بہت سے مزدور ہوٹل میں زندہ دفن ہو کر رہ گئے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے فوراً ہی مختلف جگہوں پر کھدائی کا کام شروع کر دیا۔ اس مقصد کے لئے وہاں بڑی تعداد میں کرینیں، بلڈوزر اور برقی پھاوڑے لائے گئے اور بڑی سرگرمی سے ملبے میں زندہ دفن ہو جانے والوں کی تلاش شروع کر دی گئی۔

ملبے کے پہاڑ تلے جب ایل سمرز نیند سے بیدار ہوا تو اس وقت تک گرد و غبار بیٹھ چکا تھا۔ اور وہ اچھی طرح سے سانس لینے کے قابل ہو چکا تھا۔ لیکن جونہی اس نے اپنی جگہ سے حرکت کرنے کی کوشش کی شدید درد کی ایک لہر اس کے رگ و پے میں سرایت کر گئی۔ اسے محسوس ہوا وہ اپنی دائیں ٹانگ ہلانے جلانے سے قاصر تھا اور اس کا تمام بایاں پہلو آگ کی مانند جل رہا تھا۔ اسے اپنے بل ڈوزر کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اس کے دل میں امید کی کرن روشن ہو گئی۔

"ہیلپ! کیا اوپر کوئی موجود ہے؟ میں یہاں ہوں!" وہ پوری آواز سے چلایا۔ مگر جواب میں بالکل خاموشی رہی۔ اندھیرے میں ٹٹول ٹٹول کر اس نے دھات کا ایک پائپ تلاش کیا اور اسے لوہے کے سریے پر زور زور سے مارنے لگا کہ شاید اس کی آواز اوپر والوں کو اس کی طرف متوجہ کر دے۔ مگر پھر بھی کوئی اس کی طرف متوجہ نہ ہوا۔

ایل سمرز کا گھر جو پٹین کے نواح میں واقع تھا اس کی بیوی پیٹ نے دروازے پر دستک کی آواز سن کر دروازہ کھولا۔ اس کی ہمسائی اندر آ گئی اور جوش بھرے لہجے میں بولی "کیا تم نے کونز کے بارے میں کچھ سنا ہے؟ اس کی عمارت گر گئی ہے!" پیٹ کا دل بڑی زور سے لرزا۔ اس کا شوہر بھی وہیں کام کر رہا تھا۔ شدید بدحواسی اور گھبراہٹ کے عالم میں وہ اس جگہ پہنچ گئی۔ ملبے کے عظیم الشان پہاڑ کو دیکھتے ہی اس کی گھبراہٹ اور پریشانی میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ پھر جب اسے یہ معلوم ہوا کہ کئی مزدوروں کے ساتھ ایل سمرز بھی ملبے کے ڈھیر میں زندہ دفن ہو چکا تھا تو اسے اپنے حواس ساتھ چھوڑتے محسوس ہوئے۔ وہ بے جان سی وہیں ملبے کے ڈھیر پر گر پڑی۔

اپنے مدفن کے اوپر جب ایل سمرز نے بھاری مشینوں کو اپنا کام بند کرتے سنا تو اس کی مایوسیوں اور نا امیدیوں کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ آخر انہوں نے کھدائی اور تلاش کا کام کیوں بند کر دیا تھا۔ کیا انہوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ وہ مر چکا تھا۔ یا شاید انہیں معلوم نہ تھا کہ وہ اس جگہ پھنسا ہوا تھا۔ سمرز کو اپنے معدے میں گرہیں پڑتی محسوس ہونے لگیں۔ اور شدید خوف اسے اپنی گرفت میں لینے لگا۔

☆☆☆☆☆

اس دوران زیر زمین ہلکی سے ہلکی آوازیں تک محسوس کر لینے والی مشین اس جگہ لا کر نصب کر دی گئی تھی۔ اس مشین کی سہولت کے لئے باقی تمام مشینوں کو بند کر دیا گیا۔ یہ مشین نہ صرف زیر زمین معمولی سے معمولی آواز کو سن لیتی تھی۔ بلکہ اس کی جائے پیدائش کی نشاندہی بھی کر دیتی تھی۔ پہلے پہل کسی قسم کی آواز کا علم نہ ہو سکا۔ پھر اوپر ہلکی ہلکی ضربوں سے آوازیں پیدا کی جانے لگیں تاکہ ملبے میں مدفون لوگ ان کے جواب میں بھی ایسی آوازیں پیدا کریں۔ اس طرح ان کے جائے مدفن کی نشاندہی ہو سکتی تھی مگر پھر بھی زیر زمین کوئی آواز نہ سنائی دے سکی۔ اس پر دوسری مشینوں کو دوبارہ ملبے کی چھان پھٹک اور کھدائی کے کام پر لگا دیا گیا۔ ایل سمرز نے جو یہ شور سنا تو اس نے اطمینان کی سانس لی، ساتھ ہی اسے یہ ڈر بھی محسوس ہونے لگا کہ اس کھدائی کے نتیجے میں کہیں اوپر سے لگاتار ملبہ اور شہتیر گرتے رہنے کے سبب وہ کہیں اس جگہ ہمیشہ کے لئے دفن ہو کر ہی نہ رہ جائے۔

اس وقت تک کھدائی کرنے والوں کو یقین آ چکا تھا کہ ایل سمرز اسی ملبے میں کہیں دفن تھا۔ ان کے چیف ہیرلڈ سینڈر نے انہیں بتایا کہ ملبے میں گیس کا عظیم ذخیرہ موجود تھا اگر کسی کھدائی کرنے والی مشین سے اس کے ٹینک کو کوئی نقصان پہنچ گیا تو وہ سارا علاقہ ایک دھماکے کے ساتھ اڑ جائے گا۔ اس لئے کھدائی کا کام انتہائی احتیاط سے کیا جانا چاہیے۔

اس دن دوپہر ہوتے ہوتے معلوم ہو گیا کہ گم ہونے والے کارکنوں کی تعداد تین تھی۔ ایل سمرز، تھامس ایڈورڈ اور فریڈرک کو۔ اگلے دن سینڈر کھڑا کھدائی کے کام کی نگرانی کر رہا تھا کہ ایک مزدور اس کے پاس چلا آیا اور بولا "اس ملبے میں کسی زندگی کے آثار نہیں۔ اس لئے یہ کہنا مشکل ہے کہ اس میں کوئی انسان زندہ مدفون ہو گا۔" اسی وقت اچانک ملبے کے ایک شگاف سے ایک کبوتر پھڑپھڑاتا ہوا باہر نکلا۔ اس کے پیچھے پیچھے دوسرے کبوتر بھی اڑتے ہوئے باہر نکل آئے۔ شاید وہ ہوٹل کے انہدام کے وقت ملبے کے اندر کسی محفوظ جگہ پر پھنس گئے تھے اور اب باہر نکلنے کی راہ پا گئے تھے۔ سینڈر کے دل میں نئی امید پیدا ہو گئی کہ اگر پرندے اس ملبے میں زندہ رہ سکتے ہیں تو بھلا انسان کیوں کر اس میں زندہ نہیں رہ سکتے۔ اس نے حکم دیا کہ کھدائی کا کام تیزی سے شروع کر دیا جائے اور شگافوں میں پائپوں کے ذریعے ہوا داخل کی جائے تاکہ ملبے میں مدفون لوگوں کو سانس لینے کے لیے ہوا کی کمی نہ پڑے۔

سمرز کی حالت بےحد خستہ ہو رہی تھی۔ اس کی دائیں ٹانگ بالکل سن ہو چکی تھی۔ اس کے بائیں طرف کی پسلیوں سے شدید درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں اور اسے اس پہلو میں آگ سی لگتی محسوس ہو رہی تھی۔ درد کے احساس نے اس کی بھوک اڑا دی تھی۔ لیکن اسے پیاس بڑی شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی زبان بالکل خشک اور سوج چکی تھی۔ اور ہونٹوں پر پپڑیاں جم گئی تھیں۔ اسے شدید کمزوری اور نقاہت محسوس ہو رہی تھی۔ بعض اوقات اسے یوں محسوس ہونے لگتا تھا گویا وہ کوئی بھیانک خواب دیکھ رہا تھا۔ وقفوں وقفوں سے جب وہ نیند سے بیدار ہوتا تھا تو اس کا پہلا خیال یہی ہوتا تھا کہ وہ اپنے گھر میں اپنے آرام دہ بستر پر اپنے آپ کو موجود پائے گا۔ ایک مرتبہ اسے گمان گزرا جیسے اس نے اپنے سامنے بلڈوزر کو دیکھا تھا جو اسے تقریباً کچلنے ہی والا تھا۔ دوسری مرتبہ اسے خیال گزرا جیسے کسی کرین نے اسے اس جگہ سے اٹھا کر کہیں دور پھینک دیا ہو۔ اس نے سوچا شاید موجودہ حالت اس کی ذہنی کیفیات کو متاثر کرنے لگی تھی۔

اگلی صبح کافی ملبہ ہٹایا گیا تھا۔ اب مزدور بڑی احتیاط سے کھدائی کر رہے تھے۔ دوپہر کے وقت تعمیرات کا نگران سینڈر کو ایک طرف لے گیا اور بولا "اگر ہمیں اس ملبے میں سے کوئی انسان نہ مل سکا تو یہ اچھا نہ ہو گا۔"

"ہاں اس سے قبل کہ ہمیں دیر ہو جائے ہمیں مدفون لوگوں کو تلاش کر لینا چاہیے۔" سینڈر بولا۔

"کیا یہ سوراخ میری قبر بن جائے گا؟" سمرز پر مایوسیاں غالب آتی جا رہی تھیں اور اس کی آنکھوں کے سامنے موت رقص کر رہی تھی۔ مگر وہ بار بار موت کے خیال کو ذہن سے جھٹک دیتا تھا۔ اسے اپنی بیوی پیٹ اور اکلوتا بیٹا نامی بڑی شدت سے یاد آ رہے تھے۔ اسے ان کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں اور ان کے چہرے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ اس وقت اس کے لئے کتنے پریشان ہوں گے۔ اسے ان کی خاطر زندہ رہنا تھا۔ وہ مرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے خدا سے دعا مانگی کہ اپنی بیوی اور بیٹے کی خاطر وہ اسے زندہ رکھے۔

اگلے دن بھی کھدائی مسلسل جاری رہی۔ ملبے کے باڑ کو چھانا پھٹکا جاتا رہا۔ مزدور شگافوں سے چلا چلا کر اندر پھنسے ہوئے آدمیوں کو پکارتے رہے۔ دوپہر ہوتے ہوتے کنکریٹ کی آڑی ترچھی سلیں اٹھائی جانے لگیں۔ ان میں بہت سی خالی جگہیں اور بڑے بڑے شگاف نمودار ہونے لگے۔ ایسے ہی ایک بڑے سے شگاف میں ایک مزدور سڈنی نے جھانکتے ہوئے زور سے پکار "ہائے! کوئی یہاں ہے!" جواباً اس نے کسی کو "ہائے!" پکارتے سنا۔

"یہاں کوئی ہے؟" وہ پھر پکارا۔

"ہاں میں ہوں" جواباً آواز آئی۔

"کیا نام ہے تمہارا"

''ایل سمرز۔''

''کیا تم ٹھیک ٹھاک ہو؟''

''ہاں بالکل۔''

ایل سمرز کا ایک دوست مائک میک کی بھی بھاگ کر اس طرف آ گیا ''چلو میں تمہاری مدد کرتا ہوں۔''

سڈنی اور میک کی سلوں کے گرنے کے خوف سے بڑی احتیاط سے اس سوراخ میں رینگتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ ساتھ ساتھ دو ہاتھوں سے اینٹوں اور جھڑے ہوئے سیمنٹ کو بھی ہٹاتے لگے۔ پھر سڈنی نے ایک جگہ سوراخ بناتے ہوئے اپنا ہاتھ اس میں سے نیچے لٹکایا۔ سمرز نے اپنی تمام تر قوت مجتمع کر کے اپنا ہاتھ بلند کیا۔ اس کی انگلیاں سڈنی کے ہاتھ کی انگلیوں سے چھو گئیں۔

''ہائے ایل'' یہ میں مائیک بول رہا ہوں۔'' میک کی نے اس سوراخ سے منہ لگاتے ہوئے پکارا۔

''تمہاری آواز مجھے اتنی اچھی پہلے کبھی معلوم نہیں ہوئی'' سمرز بولا۔

''اندازہ تمہیں اس جگہ پھنسے ہوئے کتنا عرصہ گزر چکا ہے؟''

''شاید ڈیڑھ دن۔''

''نہیں بلکہ ساڑھے تین دن۔ شاید تم اس پر یقین نہ کرو گے۔''

تھوڑی دیر بعد امدادی پارٹی کا ایک رکن ٹرمینل کی طرف بھاگا جا رہا تھا ''انہوں نے ایل سمرز کو ملبے میں تلاش کر لیا ہے! وہ زندہ ہے!'' وہ چلا چلا کر کہنے لگا۔ ٹرمینل میں پر مسرت نعروں کا طوفان کھڑا ہو گیا۔ پیٹ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ ''خدایا تیرا شکر ہے!'' نامی فرط مسرت سے اچھلنے کودنے لگا ''میں جانتا تھا! میں جانتا تھا کہ والد نہیں مر سکتے!''

لیکن سمرز کو اس کے مدفن سے نکالنے کی رفتار بہت آہستہ تھی۔ پھر بالآخر شام ہوتے ہوتے تقریباً تراسی گھنٹے تک ملبے کے ڈھیر تلے دفن رہنے کے بعد سمرز کو باہر نکال لیا گیا اور سینٹ جان کے میڈیکل ہسپتال پہنچا دیا گیا۔ جہاں طویل جسمانی معائنے کے بعد اسے ہر طرح سے ٹھیک ٹھاک قرار دے کر گھر روانہ کر دیا گیا۔ جہاں پیٹ اور نامی اس کے والہانہ استقبال کے لئے اس کے منتظر تھے۔ چند دنوں کے بعد تھامس اور کوک کی لاش ملبے سے برآمد کر لی گئیں۔ وہ ملبہ گرتے ہی انتقال کر چکے تھے۔ ان کے مقابلے میں سمرز خوش قسمت تھا جو زندہ رہا تھا یہ بیوی اور بیٹے کا خیال اور ان کی محبت تھی جس نے اسے اس زیر زمین مدفن میں طویل عرصہ تک زندہ رکھا تھا۔

©جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔

(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر5

برف کا جہنم

شمالی کینیڈا سے اس کا تعلق تھا اور وہ باہمت اور بلند حوصلہ ہوا باز تھا۔ جسے خطرناک پرواز کا آٹھ سالہ تجربہ حاصل تھا۔ گاچی کا تعلق ہوا بازوں کے اس گروپ سے تھا جو خطرناک علاقوں میں پھنسے انسانوں کی مدد کرنے کے لئے مشہور تھے۔ وہ بدترین موسم میں بھی پرواز سے کبھی ہچکچایا نہ تھا۔

فروری کا وہ ایک یخ بستہ دن تھا جب گاچی نے کچھ ریسرچ افسران کو آرکٹک کی حدود میں واقعہ خلیج کیمرج کے علاقے میں اتارا اور تنہا واپس آرہا تھا۔ نقطہ انجماد ۶۰ درجے سے گر چکا تھا۔ گاچی نے روانگی سے قبل طیارے کے منجمد انجن کو بیدار کرنے کے لئے تیل میں بھیگے کپڑے جلا کر گرم کیا تھا۔ اس کی منزل یہاں سے پانچ سو میل دور بلیونائٹ کا قصبہ تھا۔

ابھی اسے پرواز کرتے بمشکل دو ڈھائی گھنٹے گزرے تھے جب ایک تند و تیز طوفانی جھکڑ نے سے آلیا۔ ایک انجن والا جہاز جو نیچی پرواز کر رہا تھا اچانک ڈگمگانے لگا۔ گاچی نے چاہا کہ لیور دبا کر اس کو بلندی پر لے جائے لیکن اچانک لیور نے کام کرنا چھوڑ دیا جس کے ساتھ ہی اسے زوردار دھچکا لگا اور جہاز کی بلندی کم ہونے لگی۔ گاچی نے ہر ممکن کوشش کی کہ جہاز کو سنبھال لے لیکن اس کے لیے سوائے اس برفیلے میدان میں جہاز اتارنے کے کوئی چارہ کار باقی نہ رہا۔ اپنی تمام تر مہارت اور توانائیاں بروئے کار لا کر اس نے بالآخر جہاز کو قدرے کنٹرول کیا پھر وہ ایک برفانی تودے میں دھنس کر رک گیا۔

اس برفانی میدان کا درجہ حرارت منفی پچاس سنٹی گریڈ تھا۔ آہنی چادر سے بنے ہوئے کیبن نے فوراً ہی باہر کی سردی اندر منتقل کرنی شروع کر دی۔ گاچی سردی سے کپکپاتے ہوئے ایک سلیپنگ بیگ میں گھس گیا۔ اس نے تین سویٹر ایک فرکوٹ چار جوڑے تین اونی پاجامے اور ان پر ایک گرم پتلون پہن رکھی تھی پھر بھی سردی اس کی ہڈیوں کا گودا جمائے دے رہی تھے۔ اس نے پچھلی سیٹ پر پڑے ہوئے کمبل بھی اپنے اوپر کھینچ لئے۔ وہ شام اور رات اسی طرح سوتے جاگتے گزر گئی۔

اگلے دن سورج نکلتے ہی گاچی نے ٹینکی سے گیسولین نکالی اور اسے جلا کر انجن کو گرم کیا۔ انجن کے اسٹارٹ ہونے پر گاچی نے طیارے کو برفانی سطح پر بھگاتے ہوئے فضا میں بلند کر دیا اور جانب جنوب سفر شروع کر دیا۔ مگر زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ اس کے لیے ایک اور مصیبت کھڑی ہوگئی۔ قطب نما نے کام کرنا بند کر دیا۔ برف شیشے کی کرچیوں کی مانند ونڈ سکرین سے ٹکرا رہی تھی اور طیارے کی اندرونی فضا سرد سے سرد تر ہوتی جا رہی تھی ان حالات میں گاچی نے سگنل دینے کا فیصلہ کیا تا کہ وہ کسی قریبی کنٹرول ٹاور کو اپنی پوزیشن بتا کر ان سے رہنمائی حاصل کر سکے۔ گاچی کے ارسال کردہ سگنل کے جواب میں کافی دیر بعد ایک کینیڈین ایئر فورس کے طیارے کا سگنل موصول ہوا جو بیحد مدھم تھا۔ ''ہاں ہم تمہاری آواز سن رہے ہیں۔ تم کسی مناسب جگہ پر اتر کر اپنا Sarah سسٹم استعمال کرو۔ تا کہ ہم تمہیں تلاش کر سکیں۔'' سارا سسٹم ایک سرکٹ پر مشتمل ہوتا ہے جس کے اندر بیٹری لگی ہوتی ہے جسے آن کرتے ہی یہ اپنا کام شروع کر دیتا ہے اور سگنل نشر کرنے لگتا ہے اس میں ایک سی پی آئی انڈی کیٹر لگا ہوتا ہے جو اس جگہ کا پتہ بتاتا ہے جہاں جہاز گرا ہوا ہوتا ہے۔ گاچی کے طیارے میں یہ دونوں سسٹم موجود تھے۔ وہ مائیکروفون پر چلایا ''میں اتر رہا ہوں۔'' ائرفورس کے طیارے سے جواب ملا ''ہم تمہیں دو گھنٹے کے اندر اندر تلاش کر لیں گے۔'' یہ وہ آخری انسانی آواز تھی۔ جو آئندہ اٹھاون دنوں کے آغاز پر گاچی کے کانوں نے سنی۔ ان کے مصائب و آلام کا آغاز اس وقت ہوا جب برفانی سطح پر جہاز اتارنے کے بعد اس پر یہ خوفناک حقیقت آشکارا ہوئی کہ اس کے سارا سسٹم اور سی پی آئی سسٹم کام نہیں کر رہے۔ انتہائی جنون و وحشت کے عالم میں وہ کیبن کا دروازہ کھول کر باہر برف میں کود پڑا اور جہاز کی دم کی طرف سی پی آئی سسٹم کا ڈھکن اتار پھینکا مگر سسٹم پھر بھی خاموش رہا۔ اس نے جھنجھلا کر اسے کئی لاتیں رسید کیں اور کیبن میں واپس آ کر ہائی فریکونسی اور ویری ہائی فریکونسی پر طبع آزمائی شروع کر دی۔ مگر اسے کوئی سگنل وصول نہ ہوا نہ اس کے ہیڈ فون میں کوئی آواز ابھری۔

مایوس ہو کر گاچی نے اپنے ایمرجنسی بیگ کا جائزہ لیا۔ اس میں خوراک کے چند ڈبے، چند پاؤنڈ چینی کے مکعب اور کچھ چاکلیٹ تھے۔ اگر گاچی انہیں احتیاط سے استعمال کرتا تو اس کے دس بارہ دن اچھی طرح گزر سکتے تھے۔ اس کے علاوہ جہاز میں اسی پاؤنڈ منجمد مچھلیاں بھی موجود تھیں جو اس نے خلیج کیمبرج سے روانہ ہوتے وقت خرید لی تھیں۔ روشنی کے راؤنڈ فائر کرنیوالی رائفل ایک کدال اور ماچس کی پانچ ڈبیاں بھی جہاز میں موجود تھیں۔ سردی لمحہ بہ لمحہ شدت اختیار کرتی جا رہی تھی۔ گاچی نے ذہن اور جسم کو آرام دینے کے لئے سو جانے کا فیصلہ کیا۔

اگلی صبح جب وہ نیند سے بیدار ہوا تو طیارے کا حرارت پیما درجہ حرارت نقطہ انجماد سے چون درجہ کم بتا رہا تھا۔ اس نے کھڑکی سے باہر جھانکا۔ بائیں جانب ایک یخ بستہ جھیل تھی اس نے اسے دیکھتے ہوئے سوچا اس جھیل کا دوسرا

کنارہ کم از کم پانچ سو گز تک ہوگا۔اس کے دل میں خیال آیا شاید کوئی طیارہ جھیل سے گزرتے ہوئے اس کے طیارے کو دیکھ لے مگر یہ اس کی خوش فہمی تھی ورنہ وہ بخوبی جانتا تھا کہ وہ عام راستے سے بھٹک چکا ہے۔
بالآخر وہ اٹھا اور بچی کھچی گیسولین جلا کر بیٹری کو گرم کرنے کی کوشش کرنے لگا جو کہ جام ہو چکی تھی۔بیٹری کے جاگتے ہی اس نے آگ روشن کر دی اور ٹرانسمیٹر پر دوبارہ سگنل دینے کی کوشش کرنے لگا ''مے ڈے.....ڈے.....مے ڈے'' مگر ریسیور میں کوئی گونج اور آواز سنائی نہ دی اس نے سوچا اگر برف میں دبے ہوئے کسی درخت کا تنا نکال کر اس پر ایریل لگا دوں تو ٹرانسمیٹر پر رابطہ قائم کرنے کی کوشش کامیاب ہو سکتی ہے۔یہ سوچ کر وہ کیبن سے باہر نکلا اور یخ بستہ جھیل کی طرف چلنے لگا۔بمشکل تمام وہ برف میں دبی ہوئی ایک درخت کی شکستہ لمبی سی شاخ تلاش کرنے میں کامیاب ہوا مگر اس مشقت نے اسے بے حد تھکا ڈالا تھا۔اس تھکاوٹ کے باوجود اس نے وہ شاخ طیارے کی دم سے پچاس گز دور برف میں گاڑ دی اور اس پر تار باندھ دیا۔دن کا بیشتر حصہ اس تار کو کیبن تک لانے اور کنکشن ملانے میں صرف ہو گیا۔مگر جب اس نے ٹرانسمیٹر آن کیا تو ریسور میں سوائے برفانی جھکڑوں کے شور کے اور کوئی آواز نہ سنائی دی۔تھک ہار کر گاچی نے چینی کا ایک مکعب نکال کر منہ میں ڈالا اور سلیپنگ بیگ میں گھس کر سو رہا۔
اگلے دو دن نسبتاً بہتر تھے۔گاچی نے اپنا باقی ماندہ ایندھن بیٹری کو چارج رکھنے میں صرف کیا اور اسی آگ پر برف پگھلا سوپ بنا کر پیا۔مگر اسے سگنل بھیجنے میں کوئی کامیابی نہ ہو سکی۔تیسرے دن وہ کیبن سے باہر نکلا۔اس دن بھی درجہ حرارت نقطۂ انجماد سے چون درجے نیچے تھا۔اس نے میدان میں ایک بڑا سا ایس اور ایس کا نشان بنایا مگر مسلسل برف باری کے سبب یہ نشان آدھ گھنٹے کے اندر اندر مٹ گیا۔اس رات گاچی نے اپنے بیگ میں لیٹے ہوئے یوں محسوس کیا گویا اس کے پیروں کی انگلیاں بے جان ہو چکی ہوں۔وہ چونک کر بیگ سے باہر نکلا اور اپنی جرابیں تار دیں۔دائیں پاؤں کی تین انگلیاں سیاہ پڑ چکی تھیں۔یہ دیکھ کر وہ مارے خوف اور دہشت کے سن ہو گیا۔اسے یاد آیا کہ اس نے پچھلے چند گھنٹوں میں برف کس قدر کام کیا تھا۔اب اس کے سوا اس کے پاس اور کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ ان تینوں انگلیوں کو کاٹ کر پھینک دے۔اسے معلوم تھا کہ اگر گنگرین شروع ہو گئی تو دنیا کی کوئی طاقت اسے صبح تک مرنے سے نہ بچا سکے گی۔
دوسری جانب گاچی کی تلاش شروع ہو چکی تھی۔امدادی پارٹیوں کے طیارے مسلسل اس کی تلاش میں خلیج کیمبرج اور بلیونائف کے علاقوں کو چھانتے پھر رہے تھے بارہ زور کے اندر اندر کھوجی طیارے پانچ ہزار مربع میل تک کا علاقہ چھان چکے تھے۔گاچی کے ''سارا'' اور سی پی آئی سسٹم کے سگنل ان تک پہنچ رہے تھے۔جس سے انہوں نے یہ مطلب اخذ کیا کہ اس کا طیارہ شاید کسی چٹان سے ٹکرا کر تباہ ہو چکا ہے اور اس کے نتیجے میں اس کے ہنگامی ''سارا'' اور سی پی آئی سسٹم بھی تباہ ہو گئے ہیں۔تین ہفتے گزرنے کے بعد سرکاری سطح پر گاچی کی تلاش کا سلسلہ بند کر دیا گیا۔کیونکہ اتنی شدید سردی اور برفباری میں کسی انسان کا زندہ بچ نکلنا امر ناممکن دکھائی دیتا تھا۔
گاچی کا زیادہ تر وقت اپنے سلیپنگ بیگ میں دبکے گزر رہا تھا۔کیبن کی دیواریں اگرچہ باہر کی سردی کو اندر آنے سے نہ روک سکتی تھیں تاہم وہ گاچی کو برفانی ہواؤں سے ضرور محفوظ رکھے ہوئے تھیں۔اس کے پاس ایمرجنسی راشن ختم ہو چکا تھا۔اس نے منجمد مچھلی کھانے کی کوشش کی مگر معدے نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔اس سے اس پر شدید مایوسی طاری رہنے لگی اور اسے یقین سا ہونے لگا کہ وہ یونہی مہذب دنیا سے دور.....اس ہولناک برف زار میں اپنے جہاز کے کیبن میں محصور بھوکا پیاسا لقمۂ اجل بن جائے گا۔تاہم اس کی مہم جو اور خطرات پسند فطرت ایسی کسمپرسی کی موت کے تصور کو قبول نہ کر پا رہی تھی۔کیبن کی چار دیواری میں محصور تنہائی کا احساس ستاتا تو وہ اس احساس کی سنگینی کم کرنے کے لئے اکثر بچپن میں یاد کئے ہوئے نغمے اور مناجات زور زور سے گانے لگتا اور پھر یونہی گاتے گاتے نیند کی آغوش میں جا پہنچتا۔اسے ڈر تھا احساس تنہائی اور شدید مایوسی اور نا اُمیدی کے خیالات پریشان سے جنگ کرتے کرتے کہیں پاگل ہی نہ ہو جائے۔
پھر چند دن اور گزرنے کے بعد اس کی تنہائی اس طرح ختم ہوئی کہ جھیل کی جانب سے بھوکے بھیڑیوں کا ایک غول نمودار ہوا۔یہ بھیڑیے کافی دیر تک طیارے کے گرد متجسانہ انداز میں چکر لگاتے اور گاچی کی نصب کردہ شاخ سے کھیلتے رہے۔گاچی نے سوچا شاید وہ کسی بیل کے سطح پر ابھرنے پر اسے دبوچنا چاہتے ہیں مگر وہ بغیر رکے جھیل کے دوسری جانب جا کر نظروں سے اوجھل ہو گئے۔
دس دن مزید گزر گئے۔پھر ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس نے گاچی کو شدید اعصابی صدمہ پہنچایا۔ایک دن جب وہ اپنے سلیپنگ بیگ میں دبکا ہوا تھا اسے برفانی ہواؤں کے شور میں کسی طیارے کے انجن سنائی دی۔اس نے توانائی کی لہریں سی اپنے جسم میں سرایت کرتے محسوس کیں۔اس نے جھپٹ کر روشنی کے راؤنڈ فائر کرنیوالی رائفل اٹھائی اور طیارے سے باہر برف میں کود گیا۔دو ہزار فٹ کی بلندی پر ایک چھوٹا سا طیارہ محو پرواز تھا۔گاچی نے رائفل کا

منہ اوپر کر کے ایک راؤنڈ فائر کیا۔ مگر طیارہ بہت آگے جا چکا تھا۔ گاچی مایوسی سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔ پھر نڈھال وشکستہ قدموں سے چلتا ہوا اپنے کیبن میں واپس آ گیا۔ اس رات وہ بالکل نہ سو سکا۔ اس کے پاس کھانے کو کچھ نہ رہا تھا۔ اب اس کے پاس صرف اور صرف امید ہی باقی بچی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ اگر اس نے امید کا بھی دامن چھوڑ دیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے اپنی زندگی کا دامن چھوڑ دیا ہے۔

دو ہفتے مزید گزر گئے۔ گاچی کی حالت بے حد بگڑ چکی تھی۔ اس کے پیروں کی انگلیوں میں شدید درد کی ٹیسیں اٹھنے لگی تھیں۔ دس دن بعد ایک دوپہر اس نے جھیل کے اس پار دو طیاروں کو پرواز کرتے دیکھا۔ اس نے فوراً ہی باہر نکل کر روشنی کا ایک راؤنڈ فائر کیا مگر ان طیاروں نے اس کی جانب کوئی توجہ نہ دی اور دوسری جانب پرواز کر گئے۔ شدید مایوسی اور دل شکستگی کے عالم میں گاچی اپنے کیبن میں لوٹ آیا۔ اس کے پیروں میں اب اتنی جان باقی نہ رہی تھی کہ وہ برف پر مدد اور ایس او ایس کے نشانات کھود سکتا۔

امید و بیم کی کیفیت میں کئی دن گزر گئے۔ گاچی کا گزارا اب ان منجمد مچھلیوں پر ہو رہا تھا۔ جو وہ خلیج کیمبرج سے لے کر چلا تھا۔ پہلے پہل اس کے معدے نے یہ غذا قبول کرنے سے انکار کر دیا مگر اب وہ مجبوراً انہیں زہر مار کیے جا رہا تھا۔

ایک دن جب درجہ حرارت صفر ڈگری سینٹی گریڈ پر آیا ہوا تھا، گاچی ایک نئے عزم کیساتھ اپنی کدال سنبھالے کیبن سے باہر نکل آیا اور طیارے سے بائیڈرالک آئل کا ڈبہ نکال کر اسے جلا کر اس پر مچھلی بھوننے لگا۔ بھنی ہوئی مچھلی اس وقت اسے دنیا کی تمام نعمتوں سے بڑھ کر لذیز اور مزیدار محسوس ہوئی۔ اس دن اس نے خوب سیر ہو کر مچھلیاں کھائیں۔

دن گزرتے رہے۔ ایک دن سلیپنگ بیگ میں دبکا محو خواب تھا کہ اس کے کانوں نے ایک جانفزا اور زندگی سے بھرپور آواز سنی۔ جو یقیناً کسی طیارے کے انجن کی تھی۔ گاچی فوراً بیگ سے باہر نکلا اور کیبن کی کھڑکی سے سر نکال کر اوپر دیکھنے لگا۔ ایک سرخ رنگ کا بیورو طیارہ اس کے سر پر سے گزر رہا تھا۔ اس نے آخری راؤنڈ طیارے کی جانب فائر کر دیا۔ اس کی سانس اس کے حلق میں پھنسی ہوئی تھی۔ وہ بے حس و حرکت کھڑا اپنے آخری راؤنڈ کے جواب کا انتظار کر رہا تھا۔ روشنی کا جھماکا ہوا، مگر گاچی نے دیکھا کہ طیارہ اس کے اوپر سے گزر کر دور چلا جا رہا تھا۔ شدید مایوسی کے عالم میں رائفل اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور وہ گھٹنوں کے بل برف پر گر گیا مگر اچانک طیارے کی معدوم ہوتی ہوئی آواز دوبارہ سنائی دینے لگی۔

پائلٹ رونالڈ اور معاون پائلٹ شیریڈان تابنے کی ایک کان کی طرف جانے کے لئے بلیونائف سے صبح سویرے روانہ ہوئے تھے۔ دوپہر ہونے کے وقت وہ سمانڈر جھیل کے اوپر سے گزر رہے تھے کہ رونالڈ نے نیچے ایک مدھم سی چمک دیکھی جو فوراً ہی غائب ہو گئی ''تم نے کچھ دیکھا؟'' اس نے شیریڈان سے استفسار کیا'' نیچے کچھ روشنی سی دکھائی دی تھی۔'' شیریڈان نے نفی میں سر کو جنبش دی مگر تھوڑی دور پرواز کرنے کے بعد اچانک ہی کسی خیال کے تحت وہ بری طرح سے چونک اٹھا اور اس نے تیزی سے طیارے کا رخ واپس جھیل کی طرف موڑ دیا اور اسکی بلندی دو ہزار فٹ کم کر دی۔ اگلے ہی لمحے انہوں نے ہیولا سا برف میں ڈوبے ہوئے جہاز کے باہر کھڑے ہوئے دیکھا۔

''اف میرے خدا!! یہ تو گاچی معلوم ہوتا ہے!'' رونالڈ چلایا۔

''خدا کا شکر ہے وہ زندہ ہے۔'' شیریڈان بولا۔ انہوں نے طیارے کو جھیل کی ہموار سطح پر اتارا اور گاچی کی سمت دوڑ اٹھے۔ جو اپنے برف میں دھنسے طیارے کے باہر یوں کھڑا تھا گویا کوئی مسافر بس کے انتظار میں کھڑا ہو۔

گاچی نے خدا کا شکر ادا کیا جس نے اس شمالی برفانی علاقے میں اٹھاون دن تک زندہ رکھا تھا۔ اسے اپنے پاؤں کی تین انگلیاں ضائع ہونے کا کوئی غم نہ تھا۔ بلکہ وہ اس خیال سے بے پناہ خوش تھا کہ وہ زندہ اور بخیریت تھا۔

اس نے کیبن سے اپنا سوٹ کیس نکالا اور کدال کے سہارے آہستہ آہستہ چلتا ہوا رونالڈ اور شیریڈان کے پاس آ گیا۔

''کیا آپ کے طیارے میں ایک مسافر کے لئے تھوڑی سی جگہ ہوگی'' اس نے مزاحاً ان سے پوچھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ سرخ بیورو میں بیٹھا بلیونائف کی جانب محو پرواز تھا اور دور نیچے برفانی میدان میں یخ بستہ جھیل کے کنارے برف میں دھنسا ہوا ایک انجن کا طیارہ اس کے عزم و ہمت کی داستان سنا رہا تھا۔ انسانی عزم و ہمت کی داستان!

موت سے واپسی

نیوگنی جانے کے لئے آسٹریلیا میری پہلی منزل تھی، لیکن مجھ جیسا ایک صحرانورد قدیم باشندوں سے ملے بغیر آگے جانے کا تصور نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے چند ماہ آسٹریلیا کی سرزمین پر رکنے کا فیصلہ کر لیا۔ تاکہ یہاں کے دور افتادہ قدیم باسیوں میں رہ کر ان کی طرز معاشرت کا مطالعہ کر سکوں۔

میں لڑکپن میں ان قدیم باشندوں کے متعلق بہت کچھ پڑھ چکا تھا اور اب خود انہیں دیکھنے کی تمنا تھی۔ میں نے ضروری سامان اکٹھا کیا اور ایک دن ایڈیلڈ کے ائیر پورٹ پر آ گیا۔ جہاں ایک طیارہ وسطی آسٹریلیا کے صحرائی شہر ایلس سپرنگز جانے کے لئے تیار کھڑا تھا۔

میں دوسرے مسافروں کے ہمراہ طیارے میں سوار ہوا۔ حکام نے ہمارے کاغذات کی جانچ پڑتال کی۔ کیونکہ کسی بھی شخص کو حکومت سے پیشگی اجازت لئے بغیر قدیم باشندوں کے علاقے میں جانے کی اجازت نہیں تھی۔ ہمارا طیارہ رات کے آخری حصے میں روانہ ہوا۔ اس وقت آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔ روانگی کے ایک گھنٹے بعد ہم ایک وسیع و عریض صحرا کے اوپر محو پرواز تھے۔ مشرق میں صبح کا اجالا پھیلا تو مسافر بیدار ہو گئے۔ شفق کی سرخی میں لپٹا سورج ریت کے ٹبوں سے طلوع ہوا تو ویرانے میں رعنائی بکھر گئی۔

سات گھنٹے بعد ہمارا طیارہ ایلس سپرنگز جا کر اتر گیا۔ ہم ائیر کنڈیشنڈ کیبن کا دروازہ کھول کر باہر نکلے تو لو کے تھپیڑوں نے ہمارا استقبال کیا۔ یہاں پہنچنے پر میں نے سب سے پہلے مقامی حکام کے ساتھ رابطہ قائم کرنا ضروری سمجھا۔ چند دن بعد مجھے ایک جیپ اور گائیڈ کی سہولت مہیا کر دی گئی۔

ایک رات ہم اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔ ہمیں شمال مغرب میں اڑھائی سو میل دور جانا تھا۔ راستہ کچا اور غیر ہموار تھا۔ رات کی تاریکی میں ہم کہیں بھی بھٹک سکتے تھے۔ جیپ ٹیلوں کے درمیان راستہ بناتی آگے بڑھ رہی تھی۔ چند گھنٹے بعد مجھے جھٹکا سا لگا اور میں جیپ روک کر باہر نکلا۔ ایک کنگرو پہیے کے نیچے آ کر کچلا چلا گیا۔

ہم عموماً دن کے وقت سفر کرتے۔ رات کا بیشتر حصہ کسی کھلے میدان میں سو کر گزارتے۔ افریقہ کے صحرائے کالا ہاری میں بھی میرا یہی معمول تھا۔ میں وہاں اپنے خیمے کے اردگرد آگ جلا کر سوتا تھا کہ خونخوار جنگلی جانور قریب نہ پھٹک سکیں۔ آسٹریلیا کے لق و دق صحرا میں درندوں کا وجود نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس لئے یہاں انہیں دور بھگانے کے لئے آگ جلانے کی ضرورت چنداں محسوس نہ ہوئی۔

میں اپنے گائیڈ جمی کے اشارے پر کام کرتا۔ وہ ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں اپنا مفہوم بخوبی ادا کر لیتا۔ اس کا تعلق آسٹریلیا کے ان قدیم باشندوں سے تھا۔ جن سے ملنے کے لئے میں ڈنمارک سے یہاں آیا تھا۔ تین دن کے سفر کے بعد دور سے ہمیں چند جھونپڑیاں دکھائی دیں۔ ہم نیدوما پہنچ چکے تھے۔

میں نے قصبے کے باہر ایک کھلی جھونپڑی کے آگے جیپ روکی۔ آؤٹ پوسٹ کا آسٹریلوی انچارج مسٹر لینگڈن ہمارے استقبال کے لئے باہر آیا۔ اسے وائرلیس کے ذریعے ہماری آمد سے مطلع کر دیا گیا تھا کیمپ سے کچھ فاصلے پر مقامی باشندے گھومتے پھرتے نظر آ رہے تھے۔ وہ تہذیب انسانی کی مشترک علامت یعنی ستر پوشی سے بالکل آزاد تھے۔

☆☆☆☆☆

نیدوما میں قیام کے دوران مسٹر لینگڈن نے آسٹریلیا کے ان قدیم باشندوں کے بارے میں بہت کچھ بتایا۔ ابوریجن نیگرو نہیں، بلکہ ان کا تعلق انڈو یورپین یا دوسرے لفظوں میں پوریشین، (یورپی ایشیائی) مخلوط نسل سے ہے۔ اندازہ ہے کہ وہ بیس پچیس ہزار سال قبل ایشیا سے آسٹریلیا وارد ہوئے تھے۔ انہوں نے یہاں کے صحراؤں کو اپنا مسکن بنایا اور تہذیب و تمدن سے کوسوں دور رہے۔

سفید فاموں نے آسٹریلیا کی سرزمین پر قدم رکھا تو اس وقت ابوریجن باشندوں کی تعداد تین لاکھ کے قریب تھی۔ اب ان صحرانوردوں کی تعداد میں تیزی سے کمی آ رہی ہے۔ اس وقت آسٹریلیا میں ان کی تعداد کوئی پچاس ہزار کے قریب تھی۔ یہ لوگ کھیتی باڑی سے بالکل نا آشنا ہیں۔ لکڑی کے تیز بھالے اور بوم رینگ (پلٹ آنے والے ہتھیار) ان کا کل اثاثہ ہے۔ وہ مختلف قسم کے حشرات الارض اور سانپ کا شکار کر کے گزارہ کرتے ہیں۔ کسی خیمے یا جھونپڑی میں نہیں رہتے۔ سردیوں کی راتوں میں اپنے اردگرد آگ جلا کر سوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ابوریجن دنیا کے سادہ ترین انسان ہیں۔ جادو ٹونے اور روحوں پر اعتقاد رکھتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

میں نے مسٹر لینگڈن سے اپنی آمد کا مقصد بیان کیا تو اس نے چند ہی دنوں میں میرے سفر کے تمام انتظامات مکمل کر لئے۔ ہمارا چھوٹا سا قافلہ تین پارٹیوں پر مشتمل تھا۔ میں نے جیپ یہیں چھوڑ دی۔ کیونکہ آگے کا سفر نہایت مشکل اور دشوار گزار تھا۔ ترجمان جمی کے علاوہ دو اور شخص میرے ہمراہ تھے۔

مجھے پہلی بار صحرا میں کٹھن حالات کا تجربہ ہوا۔ ہم نے ضروری ساز و سامان باندھا اور اونٹوں پر سوار نیدوما سے روانہ ہو گئے۔ ہم ہر جگہ ریت کے ٹیلوں میں بھٹکتے پھرے لیکن ہمیں کسی انسان کا سراغ نہ ملا۔ پانچویں دن سہ پہر کے وقت ایک پہاڑی کے دامن میں پہنچے تو ہم نے سوچا ابوریجن اس جگہ پانی کی تلاش میں ضرور موجود ہوں گے۔ ہمارا اندازہ ٹھیک نکلا۔ تیس چالیس افراد پر مشتمل ابوریجن کا ایک قافلہ یہاں موجود تھا۔ ہم نے ایک کھلے

میدان میں پڑاؤ ڈالا۔ پھر اردگرد کا جائزہ لینے لگے۔

یہ ایک خشک قطعہ زمین تھا جس پر اِکا دُکا جلی جھلسی جھاڑیاں سی اگی تھیں۔ ہمارے آنے سے ویرانے کی خاموشی ٹوٹی تو ایبوریجن لکڑی کے بھالے تانے ہمارے اردگرد جمع ہوگئے۔ ان کے خوفناک چہروں سے دہشت ٹپک رہی تھی۔ اس موقع پر میں نے دانشمندی کا ثبوت دیا۔

"یا غدانے جونوناگو (ادھر آیئے، یہ چیزیں آپ ہی کے لئے ہیں) میں نے سگریٹ کے پیکٹ کھول کر انہیں دکھاتے ہوئے کہا۔

جمی نے ایک دوست کی حیثیت سے میرا تعارف کرایا۔ جب اس نے یہ کہا کہ میں انہیں کنگرو کا شکار کھلاؤں گا تو وہ بہت ہی خوش ہوئے۔ سگریٹوں کے تحفے پا کر ان کا رویہ دوستانہ ہو چلا تھا۔ لیکن عجب بات یہ تھی کہ وہ سگریٹ سلگانے کی بجائے منہ میں ڈال کر چبانے لگے۔

چند ننگ دھڑنگ ایبوریجن بچے میرے سامنے آئے تو انہیں دیکھ کر حیرت کی انتہا نہ رہی۔ ان کی جلد کی رنگت بھوری تھی اور سر پر لمبے سنہری بال تھے۔ اس وقت یہ حقیقت کھلی کہ عمر کے ساتھ ساتھ ایبوریجن کی جلد سیاہ ہوتی جاتی ہے۔ اس سے ان کے یوریشیائی ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

میں جلد ہی مقامی باشندوں کے ساتھ گھل مل گیا اور پورے دو مہینے ان کے ہمراہ بادیہ پیمائی میں مصروف رہا۔ میں ان کے ہمراہ شکار پر جاتا۔ جب میں اپنی رائفل سے کنگرو مار گراتا تو وہ خوشی سے دیوانے ہو کر ناچنے لگتے۔ راشن ختم ہوگیا تو ہماری گزر بسر زیادہ تر شکار پر ہی ہونے لگی۔ ہم صبح سویرے بیدار ہوتے اور دن بھر کی دوڑ دھوپ کے بعد شکار مار کر واپس آجاتے۔ کبھی کبھار خالی ہاتھ بھی آنا پڑتا۔ اس ناکامی کی صورت میں بچوں اور عورتوں کو قریبی جھاڑیوں میں لے جاتا جہاں سے وہ مختلف جسامت کی چھپکلیاں مار کر میرے پاس لے آتے۔ ایک خاص قسم کی جھاڑی کا تنا کھود کر موٹے موٹے کیڑے نکالنے کی ذمہ داری مجھ پر تھی۔ ایبوریجن اس شکار کو انگاروں پر رکھ کر بھونتے۔ مجھے بھی بادل نخواستہ اسی "دعوت" سے پیٹ کی آگ بجھانی پڑتی۔ مصیبت یہ تھی کہ ایبوریجن صرف شام کے وقت "کھانا" کھاتے۔ خوراک کی کمی کے باعث کمزور ہوگیا تھا اور چلتے چلتے لڑکھڑانے لگتا۔

ایبوریجن دن بھر شکار کے پیچھے مارے مارے پھرنے کے باوجود رات کے وقت چین سے نہ سوتے۔ ایک رات میں شور سن کر ہڑبڑا اٹھا۔ دو نوجوان لڑکے آپس میں برسرپیکار تھے۔ وہ کچھ فاصلے پر کھڑے ایک دوسرے پر نیزے پھینک رہے تھے۔ نیزہ سنسناتا ہوا قریب آتا تو وہ کمال پھرتی سے پہلو بچا جاتے۔ اسی طرح ایک رات دو عورتیں آپس میں لڑ پڑیں۔ ان کے ہاتھ میں ڈنڈے تھے وہ گالیاں نکالتیں اور باری باری ایک دوسرے پر زور سے ڈنڈا رسید کرتیں۔ یہ ایک بااصول لڑائی تھی۔ ان میں سے ایک عورت آخرکار شکست تسلیم کر کے بیٹھ گئی۔ اور یوں لڑائی سے جان چھوٹی۔

کئی ہفتوں کی رفاقت کے بعد ایبوریجن میرے گہرے دوست بن چکے تھے۔ اب میں ان کے اطوار اور طرز معاشرت سے خوب واقف ہو چکا تھا۔ چھوٹے بچے ہر وقت میرے اردگرد منڈلاتے رہتے۔ کئی بچوں کے نام مجھے ازبر ہوگئے تھے۔ میں اپنے ٹیپ ریکارڈ پر ان کی آوازیں ٹیپ کر لیتا اور بعد میں انہیں سناتا، تو وہ خوشی کے مارے تالیاں پیٹنے لگتے۔

ایک دن ایک بچہ میرے پاس لایا گیا۔ اس کے پاؤں میں لکڑی کا نوکیلا ٹکڑا چبھا تھا۔ میں نے اس کے پاؤں سے چاقو کے ذریعے ٹکڑا باہر نکالا۔ مجھے اس بچے کی قوت برداشت پر بڑی حیرت تھی۔ سیدھے سادے آپریشن کے دوران اس نے منہ سے ایک بار بھی اف نہ کی۔ وہ کئی دن لنگڑاتے رہنے کے بعد بالکل ٹھیک ہوگیا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ ایبوریجن کے زخم بہت جلد مندمل ہو جاتے ہیں اور ان پر جراثیمی اثرات بہت کم ظاہر ہوتے ہیں۔

میں جمی کی وساطت سے قبیلے کے بڑے بوڑھوں کے ساتھ بات چیت کرتا۔ میں انہیں بیرونی دنیا کے بارے میں سمجھانے کی کوشش کرتا لیکن وہ میری باتوں پر کان نہ دھرتے۔ میں جھیلوں اور سمندروں کا ذکر کرتا تو وہ میرا مذاق اڑاتے۔ ان کے خیال میں پانی کے اتنے وسیع اور وافر ذخائر کا کہیں وجود نہ تھا۔ میں نے مردوں میں ایک خوبی دیکھی۔ بات چیت کے دوران وہ عورتوں کو باہر بھیج دیتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اگر عورت مردوں کی بات چیت سن لے تو وہ جلد ہی ہلاک ہو جاتی ہے۔

ایک شام ہمارے کیمپ کے چند شکاری ایک بارہ سالہ لڑکے کو ہمراہ لائے جو میرے لئے اجنبی تھا۔ معلوم ہوا کچھ روز پہلے اسے ایک متبرک مقام پر بھیجا گیا تھا۔ جہاں ان کے خیال میں مقدس روحیں رہتی تھیں۔ یہ لڑکا جوانی کی حدود میں قدم رکھ چکا تھا۔ اب ایک تقریب میں اس کا اعلان اور مظاہرہ ہونا باقی تھا۔

ایبوریجن لڑکے کے لئے جوانی کا ابتدائی مرحلہ نہایت کٹھن ہوتا ہے۔ کیونکہ اسے زندگی میں پہلی بار نئی ذمہ داریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ چند دن کے سکون کے بعد اسے عملی طور پر تکالیف کی بھٹی سے گزارا جاتا ہے تاکہ وہ دنیا کے مصائب کا ادراک کر سکے۔

اعلان جوانی کی یہ تقریب جو کئی دن تک جاری رہی لڑکے کے لئے نہایت صبر آزما ثابت ہوئی۔ مجھے اس میں مدعو کیا گیا تھا۔ میں قبیلے کے دوسرے افراد کے ہمراہ آخری دن یہ تقریب دیکھنے گیا۔ تمام لوگ ایک میدان میں دائرہ بنا کر بیٹھے، بیک آواز گیت گا رہے تھے۔ وہ زمین پر بوم رینگ مارتے تو کبھی اٹھ کر رقص کرنے لگتے۔ ان کی حرکات سے معلوم ہوتا تھا گویا ان پر جنون کا دورہ پڑا ہوا ہے۔

اب نوجوان لڑکے کی باری تھی جسے میدان کے درمیان میں لا کر زمین پر لٹا دیا گیا۔ اس کے پہلو میں دو بڑے بوڑھے آ کر کھڑے ہوگئے۔ وہ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتے جا رہے تھے۔ اچانک لوگوں نے گانا بند کر دیا۔ مجمع میں سے دو آدمی نکل کر میدان میں دوزانو کھڑے ہوگئے۔ اسی اثنا میں چند آدمی حلقے سے باہر آئے اور انہوں نے لڑکے کے منہ میں لکڑی دے کر اسے اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا۔ اسی دوران میں ایک آدمی جو غالباً لڑکے کا رشتے دار معلوم ہوتا تھا پتھر کا ایک تیز نوکیلا ٹکڑا لئے ہوئے وارد ہوا۔ اب ایک نہایت ڈراؤنا منظر تھا۔ نووارد نے لڑکے کے سر پر پتھر سے گھاؤ ڈالا۔ جس سے خون کا فوارہ ابل پڑا۔ یہ کام ڈیڑھ دو منٹ میں انجام پا گیا۔ آپریشن کے بعد لڑکے کا سارا جسم خون سے رنگین ہو چکا تھا۔ اس تقریب کے بعد لڑکے کو اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا۔ سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہوگئے۔

عنوان شباب میں داخل ہوتے ہی لڑکی کو بھی چند جسمانی صعوبتوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اگرچہ لڑکوں کی نسبت یہ صعوبتیں کچھ کمتر درجے کی ہوتی ہیں۔ لڑکی کے پیٹ اور چھاتی پر پتھر کی چھری سے چند مخصوص نشانات لگائے جاتے ہیں تاکہ وہ اپنی آئندہ ازدواجی زندگی میں زیادہ سے زیادہ بچے پیدا کر سکے۔

ایبوریجن کا نظریہ اخلاق متمدن دنیا سے یکسر مختلف ہے۔ یہ جنس کو متاع خفیہ نہیں سمجھتے۔ ان کی زندگی ایک کھلی کتاب کی مانند ہے۔ جس میں پرائیویٹ زندگی کا کوئی تصور نہیں۔ نوجوان شادی شدہ عورتیں اکثر اپنے عاشقوں کے ہمراہ بھاگ جاتی ہیں۔ اگر عورت بھگا لے جانے والے مرد کا تعلق ایک ہی قبیلے سے ہو تو پھر خاوند اور عاشق کے درمیان دست بدست لڑائی ہوتی ہے۔ نتیجتاً عورت اس شخص کے حوالے کر دی جاتی ہے جو فتح یاب لوٹتا ہے۔ اگر باہر کا شخص اغوا کے جرم میں ملوث ہو تو تمام قبیلے والے مل کر اسے تلاش کرتے ہیں اور موقع ملتے ہی نیزے مار مار کر اسے ہلاک کر دیتے ہیں۔

گرمی کے ایام ختم ہونے والے تھے۔ میں اپنے صحرائی دوستوں سے رخصت لینے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ قریبی پہاڑی کے پہلو میں پانی کے چھوٹے چھوٹے تالاب خشک ہو چلے تھے۔ جس سے میرے اونٹوں کے علاوہ خود ہمارے لئے بڑا مسئلہ پیدا ہوگیا تھا۔ ہمیں پانی لانے کے لئے روزانہ کیمپ سے دس بارہ میل دور پیدل جانا پڑتا۔

میں واپس جانے کی تیاریوں میں مصروف تھا کہ جمی میرے پاس آیا۔ اس نے مجھے ایبوریجن کی جانب سے ننگاما چلنے کی دعوت دی۔ مقامی باشندوں کے لئے ایک مقدس جگہ ہے۔ جمی کو میرے ساتھ جانے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ اس لئے مجھے قبیلے کے بزرگ ترین شخص کے پاس جانا پڑا جسے میں اس کے اصل مشکل نام کی بجائے بوب کہہ کر پکارتا تھا۔ بوب نے بتایا۔ ننگاما ایک بہت بڑا اژدہا ہوا کرتا تھا جس نے بہت زمانے پہلے اپنی بے پناہ طاقت سے کوہ دشت تخلیق کئے تھے۔ ایبوریجن کا اعتقاد تھا کہ اژدہے کی روح صحرا کے ایک خاص مقام پر اب بھی موجود ہے۔ اس مقام کو تقدس کا درجہ حاصل تھا۔

دوسرے دن میں چند آدمیوں کے ہمراہ جنوب مغرب کی طرف روانہ ہوگیا۔ ان میں سے ایک آدمی ہمارا رہبر تھا۔ دوسرے خصوصی اجازت لے کر پہلی مرتبہ وہاں جا رہے تھے۔ پانچ گھنٹے کے پر صعوبت سفر کے بعد ہم صحرا کے اس حصے میں پہنچے جس کے درمیان ایک بڑی سی چٹان موجود تھی۔ اس کے چاروں جانب جنگلی گھاس اور جھاڑیاں سی اگی تھیں۔ ہمارے گروہ کے چار آدمی علیحدہ ہو کر چٹان کے پہلو میں باادب کھڑے ہوگئے۔ چٹان پر ایک بل کھاتے اژدہے کی پندرہ بیس گز لمبی تصویر سی بنی تھی جسے مختلف پودوں کے قدرتی رنگوں سے رنگا گیا تھا۔

ایک بوڑھا جسے اس چٹان کے جملہ حقوق حاصل تھے آگے بڑھا اور سانپ کے سر کے پاس جا کر مقدس روح کو خطاب کرنے لگا۔ وہ جوش میں آ کر کبھی کبھار اس قدر زور سے بولنے لگتا کہ ویرانے میں اس کی بازگشت سنائی دینے لگتی۔ وہ دراصل سانپ کی روح کو جگا رہا تھا۔

اچانک بوڑھے نے اشارہ کیا اور تمام لوگ دوزانو ہوگئے۔ مقدس روح اب "جاگ" چکی تھی۔ بوڑھے نے چار افراد کو بلایا اور اپنے پیچھے کھڑے ہونے کا حکم دیا۔ اس کے بعد یہ لوگ چٹان کے پہلو میں سر جھکائے اور ایک ہاتھ سے سانپ کی تصویر کو چھوتے ہوئے آہستہ آہستہ چلنے لگے۔ بوڑھا ہولے ہولے کچھ کہتا جا رہا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ مقدس روح کے رموز بیان کر رہا ہے۔ ایک گھنٹے کے بعد تقریب ختم ہوگئی اور ہم رات کے وقت جھاڑیوں کی

مشعلیں روشن کئے اپنے کیمپ میں واپس آ گئے۔

ابوریجن کی زندگی توہمات سے پر ہے۔ وہ حادثوں اور بیماریوں کو بدروحوں کی شرارت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور ان کا علاج صرف جادو ٹوٹکے سے ہی ممکن سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی شکار پارٹی مسلسل ناکام لوٹے تو وہ قبائلی جادوگر سے رجوع کرتی ہے۔ جادوگر رات کے وقت الاؤ روشن کر کے تمام لوگوں کو ایک دائرے میں بیٹھنے کا حکم دیتا ہے پھر جھاڑ پھونک شروع کر دیتا ہے وہ صبح کے وقت خبیث روح کے بھاگ جانے کا اعلان کرتا ہے تو تمام لوگ خوشی سے ناچنے لگتے ہیں۔

جادوگر راویتی اعتبار سے غیر معمولی طاقت کا نمائندہ تصور ہوتا ہے۔ وہ جہاں جادو ٹونا کرتا اور خوابوں کی تعبیر بیان کرتا ہے وہاں جڑی بوٹیوں کے معالج کے طور پر بھی فرائض انجام دیتا ہے بعض اوقات مستقبل کی پیش گوئی کے لئے وہ متواتر کئی کئی دن سوتا رہتا ہے۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ اس کے بیشتر خواب سچ ثابت ہوتے ہیں۔ نفسیات کے ماہرین نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ابوریجن جادوگر اپنی چھٹی حس کو استعمال کر کے پیش آنے والی خطرات بھانپ لیتا ہے۔

میری روانگی سے ایک دن قبل بوڑھا بوب میرے پاس آیا۔ اس کے ہاتھ میں کنگرو کی کھال کی چھوٹی سی گٹھڑی تھی۔ وہ میرے لئے ایک نہایت قیمتی تحفہ لایا تھا۔ میں نے گٹھڑی کھولی تو اس میں سے بیضوی شکل کی لکڑی کا ایک ٹکڑا برآمد ہوا۔ غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ ''جورنگا ہے۔ ابوریجن کے نزدیک ''جورنگا'' ایک مقدس لکڑی ہے جو ''نگاما'' اژدہے کے منہ سے نکلتی ہے۔

تحفہ دیتے وقت بوب کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ لکڑی کا یہ گول مٹول سا بھدا ٹکڑا پشت ہا پشت سے اس قبیلے میں چلا آ رہا تھا۔ میرے ابوریجن دوست کا یہ تحفہ اب بھی میرے ڈریسنگ روم کی زینت ہے اور اسے میں بڑے بڑے تمغوں اور اعزازات سے زیادہ قیمتی سمجھتا ہوں۔ حالانکہ مہذب دنیا کے نزدیک اس کی اہمیت نہ ہونے کے برابر ہے۔

وسطی آسٹریلیا میں موجود اس عظیم الشان چٹان کو بہت کم سیاح دیکھنے جاتے ہیں کیونکہ راستہ طویل اور بے حد خطرناک ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ چٹان اپنی شان و شوکت میں مونٹ ایورسٹ اور آبشار نیاگرا سے کسی طرح کم نہیں۔ یہ سولہ فٹ اونچی ہے۔ قطر تقریباً آٹھ میل ہوگا۔ دن کے وقت سورج کی روشنی پڑنے سے اس کا رنگ ہر آن بدلتا رہتا ہے آئرز راک دنیا کا سب سے بڑا واحد پتھر ہے نزدیک ترین آبادی ایلس سپرنگز ہے جو اس سے تین سو میل دور شمال مشرق میں واقع ہے آئرز راک کے اردگرد الورونا می ابوریجن بستے ہیں۔ حکومت کی اجازت کے بغیر یہاں داخلہ منع ہے۔

میں ایلس سپرنگز آیا تو دو امریکی سیاح پہلے ہی سے آئرز اک جانے کے لئے پر تول رہے تھے۔ میرے لئے یہ زریں موقع تھا۔ میں ان کی مہم میں شامل ہو گیا۔ ہم نے ایک وین میں راشن پانی ڈالا، اور ایک دن سفر کے لئے روانہ ہو گئے۔ کسی راہبر کے بغیر ہم نقشے کی مدد سے آگے بڑھ رہے تھے۔ کئی دن تک صحرا کی بھول بھلیوں میں گرد اڑاتے بھٹکتے پھرے۔ ہمیں احساس ہو چلا تھا کہ آسٹریلیا کے لق و دق صحرا میں رہبر کے بغیر سفر کرنا سنگین غلطی ہے۔ یہاں دن ناقابل برداشت حد تک گرم اور راتیں نہایت ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ ایک ہفتے کے صبر آزما سفر کے بعد آئرز راک کی پہلی جھلک دکھائی دی تو جان میں جان آئی۔

دور سے یہ چٹان ایک خوبصورت سرخ گنبد کی طرح چمکتی نظر آئی جس کے اردگرد پھیلی ریت زرد رنگ کے قالین کی مانند دعوت نظارہ دے رہی تھی۔ میرے دوستوں نے اندازہ لگایا کہ چٹان صرف تین میل دور رہ گئی ہے۔ مجھے ان سے اختلاف تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ چٹان اب بھی تقریباً بارہ میل دور تھی۔ صحرا میں سفر کرتے وقت فاصلے کے اندازے اکثر غلط ثابت ہوتے ہیں۔

شام ہونے سے پہلے ہم آئرز اک کے دامن میں پہنچ گئے۔ اس کے اردگرد غیر معمولی طور پر گھنی جھاڑیاں اُگی تھیں جو دراصل چٹان کے نامعلوم پانی کے ذخائر سے پرورش پا رہی تھیں۔ ہم نے گھوم پھر کر ایک غار نما جگہ پسند کی تاکہ اسے چند دن کے لئے ٹھکانا بنا سکیں۔ پھر ڈبوں سے کھانا نکال کر کھایا اور رات کی سیاہی پھیلتے ہی وہاں دبک کر بیٹھ گئے۔ ابھی سونے بھی نہ پائے تھے کہ بگولے کے زبردست طوفان نے آلیا۔ ہماری غار ریت اور سنگریزوں سے پٹ گئی۔ ہوا کے شور سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ میرے ایک ساتھی نے باہر جھانکنے کی کوشش کی تو ہوا کے تھپیڑے سے اس کا سر دیوار سے جا ٹکرایا۔ یہ رات ہم نے جوں توں کر کے کاٹی۔ یہ طوفان اس بات کی علامت تھا کہ جلد ہی بارش آنے والی ہے۔

صبح کے وقت اٹھ کر دیکھا تو حیرت ہوئی۔ جہاں وین کھڑی تھی وہاں ایک بڑا ٹیلہ وجود میں آ چکا تھا۔ ہم نے بڑی مشکل سے کھود کر وین باہر نکالی اور اسے وہاں سے گھسیٹ کر ایک محفوظ مقام پر لا کھڑی کر دی۔

دوسرے دن شام کے وقت بادل گھر آئے اور پھر بارش ہونے لگی۔ غار کی چھت جگہ جگہ سے ٹپک رہی تھی۔ چٹان کے چاروں جانب جہاں ریگستان تھا۔ اب وہاں پانی کی تیز ندیاں بہہ رہی تھیں۔ دوسری عالمی جنگ کے دوران صحرائے اعظم میں بہت سے فوجی اسی طرح کی اچانک بارشوں کے سبب بہہ کر ہلاک ہو گئے تھے۔

بارش تیسرے دن جا کر تھمی تو ہم باہر نکلے۔ حیرت کی بات تھی کہ زبردست بارش کے باوجود پانی کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا۔ صحرا کی پیاسی ریت نے سارا پانی جذب کر لیا تھا۔

طوفان بادوباراں گزر چکا تو ہم نے آئرز راک کی چوٹی پر جانے کا فیصلہ کیا۔ اس پھسلواں چٹان پر پیٹ کے بل رینگ کر ہی اوپر پہنچا جا سکتا ہے۔ ہمیں چوٹی تک پہنچنے میں دو گھنٹے لگے۔

آئرز راک کا نظارہ سورج ڈوبتے وقت قابل دید ہوتا ہے۔ کچھ فاصلے سے چٹان پر نظر دوڑائی جائے تو لمحے لمحے بعد اس کا رنگ سرخ سے زعفرانی اور پھر زعفرانی سے بنفشی رنگ میں تبدیل ہوتا نظر آتا ہے۔ رات کے وقت اگر چاند چمک رہا ہو تو صحرا کی تنہائیوں میں یہ چٹان کسی خوبصورت مجسمے کی مانند دمکتی نظر آتی ہے۔ اس وقت ہوا کی سائیں سائیں کے ساتھ پرندوں کی مخلوط آوازیں بھی سنائی دیتی ہیں۔ جنہیں ابوریجن اس تنہا چٹان کی فریاد سے تعبیر کرتے ہیں۔

ہم اٹھارہ دن تک اس چٹان پر رہے اور اس کی خلوت سے لطف اندوز ہونے کے بعد واپس ایلس سپرنگز آ گئے۔

آسٹریلیا کے صحرائی ابوریجن ہوں یا نیوگنی کے آدم خور، دونوں پتھر کے دور کی مخلوق ہیں۔ وسطی آسٹریلیا کی مہم سے واپس آ کر میں نے چند آرام کیا اور پھر ایک دن بحری جہاز کے ذریعے نیوگنی کی بندرگاہ پورٹ مورسبی آ کر اتر گیا۔ یہ شہر نیوگنی کے جنوبی ساحل پر واقع ہے۔

۱۵۱۱ء میں ایک پرتگالی ملاح استانیو ڈی اسپرووا نے اس پر پہلی بار قدم رکھا تھا۔ ۱۶۰۶ء میں ہسپانیہ نے اس پر قبضہ کر لیا۔ ڈیڑھ سو برس بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کے توسط سے انگریزوں نے اس پر اقتدار جمایا۔ یورپی اقوام نے اس جزیرے پر کبھی سنجیدہ انداز میں تسلط جمانے کی کوشش نہیں کی۔ 1884ء میں جرمنی نے اس کے شمال مغربی حصے پر تسلط جمایا جو پہلی جنگ عظیم تک برقرار رہا اس کے بعد یہ جزیرہ آسٹریلیا کے زیر اقتدار آیا۔ اب چند برس پہلے نیوگنی آزادی حاصل کر چکا ہے۔

نیوگنی فضا میں ہر وقت بادل اور بخارات چھائے رہتے ہیں اور یوں معلوم ہوتا ہے گویا یہ جزیرہ ابھی تخلیق کے کسی ابتدائی مرحلے سے گزر رہا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ جزیرہ دنیا کے دشوار ترین اور ناقابل رسائی علاقوں میں سے ایک ہے۔ اس جزیرے پر اونچے نیچے پہاڑوں اور جنگلات کا جس حد تک وجود پایا جاتا ہے دنیا کے کسی خطے میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ دنیا کا کوئی بھی مہم جو ساحل سے چند میل دور جانے کی جرات نہیں کر سکتا۔ گھنے جنگل اور آدم خور اس راستے کی سب سے بڑی مزاحمت ہیں۔ میری خواہش تھی کہ میں ہی اس علاقے کے سربستہ اسرار سے پردہ اٹھاؤں۔

میں پورٹ مورسبی میں دو ہفتے سفر کی تیاری میں مصروف رہا۔ بازار سے خوراک اور سگریٹ کے سینکڑوں پیکٹ خریدے۔ مچھر مار تیل کی بھی بوتلیں ہمراہ لیں تاکہ مچھروں اور خونی مکھیوں کا تدارک ہو سکے۔

مجھے معلوم ہوا کہ دریائے خلائی کے ڈیلٹا میں تیل کی تلاش کی غرض سے حکومت نے چند امریکی ہیلی کاپٹر کرائے پر لے رکھے ہیں۔ میں ایک ایسے ہی ہیلی کاپٹر میں سوار پہلی بار ایک دلدلی علاقے میں اترا۔ ہر طرف ایسی خاموشی چھائی تھی۔ گویا یہاں کوئی ذی روح نہ بستا۔

کالی چمکیلی دلدل سے ناگوار بو اٹھ رہی تھی۔ اور اس میں ڈینو سار نما چھوٹے چھوٹے جانور، مینڈک، کچھوے اور سانپ لوٹ رہے تھے۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ خونی مکھیاں حملہ آور ہو گئیں۔ ان کے زہریلے ڈنک سے بدن میں آگ سی لگ گئی۔ میں دوڑ کر ہیلی کاپٹر میں آیا جہاں پائلٹ کئی گھنٹوں سے بیٹھا میرا انتظار کر رہا تھا۔ ہم فوراً پورٹ مورسبی کی طرف مڑے۔ راستے میں مقامی باشندوں کی بستی پر سے گزر ہوا۔ انہوں نے خوشی سے نعرے لگاتے ہوئے اوپر کی طرف ناریل اور کیلے پھینکے۔ میں نے بھی اس گرمجوشی کے جواب میں فضا سے سگریٹ کے بہت سے پیکٹ پھینکے۔ میں پورٹ مورسبی میں ہیلی کاپٹر سے اترا تو زہریلی مکھیوں کے ڈنک سے میری پیٹھ سوج کر کپا ہو چکی تھی۔

چند دن کی تیاری کے بعد میں ایک ہوائی جہاز میں سوار شمالی ساحل پر واقع تھبے لائی آ کر اترا۔ اس کی آب و ہوا جنوب سے بھی بدتر تھی۔ اس وقت برسات کا موسم ختم ہو چکا تھا اور فضا میں بے پناہ حبس تھا۔ دس پندرہ منٹ بعد قمیض پسینے میں تر ہو کر جسم سے چپک جاتی۔ پیاس بجھانے کے لئے ہر وقت پانی پینا پڑتا تھا۔

میں مقامی ہوٹل میں گیا جہاں اتفاق سے دو ہم وطن مل گئے۔ دونوں ایک سڑک کا سروے کرنے یہاں آئے تھے۔ میرے ایک ہم وطن دوست نے مقامی باشندوں کے بارے میں ایک دلچسپ واقعہ سنایا۔ اس کا کہنا تھا کہ دوسری

جنگ عظیم میں امریکیوں نے ایک سڑک تعمیر کی۔ اتفاق سے ایک مقام پر میٹریل ختم ہوگیا۔ دفاعی نقطہ نظر سے یہاں پل تعمیر کرنا تھا۔ اس کا حل یوں نکالا کہ گوشت اور خوراک کی بڑی بڑی پیٹیاں دلدل میں ڈال کر اوپر سے ٹریفک گزار دی گئی۔ اتفاق سے ایک پیٹی ٹوٹ گئی اور پانی پر تیرتے چند ڈبے مقامی آدمیوں کے ہاتھ لگ گئے۔ امریکی واپس آئے تو پل ناپید ہوچکا تھا۔ اس پر جا بجا گڑھے پڑ چکے تھے۔ جنگلی آدمیوں نے ڈبے اٹھالے جانے کے بعد سڑک اکھاڑنا شروع کر دی تھی، اس اُمید پر کہ شاید کہ نیچے سے خوراک کے اور ڈبے مل جائیں۔

میں نے ڈسٹرکٹ کمشنر سے فلیامیا کے علاقے میں جانے کے لیے خصوصی اجازت نامہ حاصل کیا۔ یہاں کوکوا می آدم خور آباد تھے۔ کوئی بھی سفید فام اس علاقے کا سروے نہ کر پایا تھا۔

میں دو انجنوں والا ایک چھوٹا ہوائی جہاز کرائے پر لے کر منزل مقصود کی طرف روانہ ہوگیا۔ ایک گھنٹے کے سفر کے بعد ایک سرسبز میدان میں چند جھونپڑیاں نظر آئیں۔ ہم فلیامیا کے اوپر پرواز کر رہے تھے۔ ہمارا ہوائی جہاز بستی کا چکر لگانے کے بعد یہاں پر موجود آؤٹ پوسٹ کے ایک ہموار میدان میں اتر گیا۔ حکومت آسٹریلیا نے مقامی قبیلوں سے خونریز تصادم کے بعد یہ آؤٹ پوسٹ چند برس پہلے قائم کی تھی۔ یہاں پر متعین پولیس کا عملہ قیام گاہ کے احاطے سے بہت ہی کم باہر نکلنے کی جرات کر سکتا تھا۔ مقامی باشندوں کا گاؤں یہاں سے کچھ دور واقع چار ہزار فٹ اونچی پہاڑی پر تھا۔ یہاں رہنے والے کوکوا آدم خور اردگرد کے علاقے پر حملہ کر کے خوف و ہراس اور تباہی پھیلانے میں مشہور تھے۔ اندازہ ہے ان جنگلوں میں کوئی ایک لاکھ کے قریب کوکوا آدم خور بستے ہیں۔ چار پانچ کوکوا اگر کسی بستی کی طرف آتے دکھائی دیں تو لوگ خوف کے مارے بھاگ اٹھتے ہیں۔

آؤٹ پوسٹ کے انچارج نے مجھے عجیب و غریب واقعہ سنایا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ اپنے عملے کے ہمراہ ایک ہوائی جہاز میں سوار پہلی بار یہاں اُترا تھا۔ مقامی باشندوں نے ایسا "پرندہ" زندگی بھر نہیں دیکھا تھا۔ سینکڑوں آدمی اس کے اردگرد اکٹھے ہوگئے۔ بعض تو دوڑ کر ناریل، کیلے اور آلو لے آئے۔ اور انہیں اس "پرندے" کے آگے چگنے کے لیے ڈال دیا۔

اپنی آمد کے تین دن بعد میں نے چند افراد پر مشتمل ایک قافلہ تشکیل دیا۔ یہ لیس قلی، آٹھ پولیس والے اور دو ترجمان۔ دوپہر سے پہلے ہم ایک بل کھاتی پگڈنڈی پر روانہ ہوگئے۔ مسلح پولیس والے ہمارے آگے پیچھے تھے۔ قلی مقامی زبان میں گیت بھی الاپتے جا رہے تھے۔

نو دس میل چلنے کے بعد ہم ایک گاؤں میں آئے جس کا نام کوینا تھا یہاں کے باشندے پہاڑی پر بیٹھے ہمیں آتے دیکھ رہے تھے۔ ہم بستی میں پہنچے تو عورتیں ہمیں دیکھ کر غائب ہوگئیں، لیکن مرد بانس کے کھوکھلے ڈنڈوں میں پینے کا پانی لے کر ہمارے پاس آ گئے۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ وہ ہمیں خوش آمدید کہہ رہے ہیں۔

©جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 6

بستی میں دو قسم کی جھونپڑیاں تھیں، گول اور مستطیل، ہر گھرانہ تین چار جھونپڑیوں کا مالک تھا۔ انہوں نے ان کے اردگرد بانس کے نوکیلے ڈنڈوں کی باڑھ لگا رکھی تھی۔ ہر جھونپڑی کا ایک سوراخ نما دروازہ تھا جس سے بمشکل رینگ کر اندر داخل ہونا پڑتا تھا۔

ہمارے کچھ قلیوں کا تعلق اس قبیلے سے تھا۔ ہم تھوڑی دیر کے لئے یہاں ٹھہرے اور پھر آگے روانہ ہو گئے۔ کوو ینا قبیلے کے لوگوں نے یہ سمجھا ہم کسی دوسری بستی پر حملہ کرنے جا رہے۔ اس لئے وہ تیر کمان اور بھالے اٹھا کر ہمارے قافلے میں شامل ہو گئے۔ سورج غروب ہونے سے پہلے ہمارا گزر ایک دوسری بستی کوونگا سے ہوا یہ ایک چھوٹی سی پہاڑی پر واقع تھی۔ ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ بستی میں ایک فرد بھی موجود نہ تھا۔ وہ ہمیں دیکھتے ہی جنگل میں روپوش ہو گئے تھے۔ میں نے قلیوں کو یہاں سامان اتارنے کا اشارہ کیا اور پولیس کے محافظ رائفلیں تان کر کھڑے ہو گئے۔ ہم نے بڑی ترپال بچھا کر اس پر سمندر گھونگھے، سیپیاں اور مختلف سائز کے چاقو رکھے اور پھر ترجمان کے ذریعے مقامی لوگوں کو آوازدے کر بلایا کہ ہم ان کے لئے تحفے لائے ہیں۔ کوئی بھی سفید فام سیاح آج تک اتنی دور نہ آیا تھا۔ مجھے ایک پولیس والے نے بتایا کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔ میں نے ترجمان کو ایک بار پھر یہ آواز لگانے کے لئے کہا ہم مقامی لوگوں سے جنگلی آلو خریدنے آئے ہیں۔ یہ ترکیب کامیاب رہی۔ دس منٹ میں بستی کے سارے لوگ بچوں سمیت ہمارے اردگرد اکٹھے ہو گئے۔ ہم نے انہیں مختلف تحفے پیش کئے جنہیں پا کر وہ بہت خوش ہوئے۔

مقامی لوگوں نے توقع کے مطابق ہمارے ساتھ خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا اور تھوڑی ہی دیر میں ہماری رہائش کے لئے ایک کشادہ جھونپڑی تعمیر کر دی۔ میں نے قلیوں کو گھوگھوں کی اجرت دے کر رخصت کیا اور خود پولیس کے محافظوں کے ہمراہ اس جھونپڑی میں رہنے لگا۔

کوکو نہایت وحشی لوگ ہیں۔ وہ ہر وقت مرنے مارنے پر آمادہ رہتے ہیں۔ اس قبیلے کا نوجوان جب تک ایک دو قتل نہ کر لے اسے وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ وہ معمولی باتوں پر دنگا فساد کرتے رہتے ہیں۔

اپنی آمد کے پہلے ہی دن ہمیں اطلاع ملی کہ ایک نوجوان مخالف قبیلے کی ایک عورت کو قتل کرنے کے بعد جنگل میں روپوش ہو گیا ہے۔ اس سنگین جرم پر اسے گرفتار کرنا ضروری تھا۔ رات کے تین بجے میں نیند سے بیدار ہوا۔ پولیس پارٹی ایک مقامی مخبر کی اطلاع پر ملزم کو گرفتار کرنے جا رہی تھی۔ میں بھی ان میں شامل ہو گیا۔

ہم اندھیرے میں باہر نکلے۔ اس وقت دبیز دھند چھائی ہوئی تھی۔ ہم وقفے وقفے سے ٹارچ جلا کر احتیاط سے آگے بڑھ رہے تھے۔ ہم گرتے پڑتے پہاڑی کے دامن میں پہنچے۔ اچانک پولیس کا ایک سارجنٹ چیخ مار کر نیچے گرا۔ بانس کا ایک تیر چھرا جسے ایک خاص طریقے سے درخت کے ساتھ باندھا گیا تھا اس کے پہلو میں پیوست ہو گیا تھا۔ جب چھرا باہر نکالا تو خون کا فوارہ ابل پڑا۔ ہم نے زخمی سارجنٹ کو چند آدمیوں کے ہمراہ پیچھے بھیج دیا اور چالاک قاتل کی تلاش میں آگے چل پڑے۔

اب کسی نئے حادثے سے بچنے کے لئے میں نے ایک لمبا سا ڈنڈا ہاتھ میں پکڑا۔ راستے میں دو تین پھندے اور بچھے ہوئے تھے۔ جنہیں میں نے ڈنڈے کی مدد سے بے اثر کر دیا۔ ایک مقام پر گہری خندق موجود تھی جس پر شاخیں اور پتے پڑے ہوئے تھے۔ بال بال بچا۔ اگر خندق میں گر جاتا تو اس میں نصب بانس کے تیز بھالوں سے ٹکرا کر ختم ہو جاتا۔

آخر کار وہ جھونپڑی نظر آ گئی جہاں قاتل چھپا تھا۔ ایسے مفرور لوگ جھونپڑی کے دروازے کے ساتھ پھندا چھپا دیتے ہیں تا کہ آنے والا شخص بے خبری میں اس سے ٹکرا کر جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اسی خدشے کے پیش نظر ایک پولیس والے نے جھونپڑی کی چھت سے اندر کود کر ملزم کو پکڑنے کا منصوبہ بنایا۔ یہ طریقہ کامیاب رہا اور اسے تھوڑی سی ہاتھا پائی کے بعد پکڑ لیا گیا۔

ہم دس بجے کے قریب آؤٹ پوسٹ پر واپس آئے۔ ملزم نے جلد ہی اپنے جرم کا اقرار کر لیا۔ مجھ جیسے ایک سیاح کے لئے یہ صورت حال پریشان کن تھی۔ مقامی لوگ سینکڑوں کی تعداد میں جمع ہو کر چیخ و پکار کر رہے تھے ان کا مطالبہ تھا کہ ملزم کو رہا کر دیا جائے۔ مجرم کی ماں بھی بدن پر کیچڑ ملے وہاں آموجود ہوئی۔ وہ رو پیٹ رہی تھی۔ وہ اپنے ساتھ ایک موٹا تازہ پالتو سور لائی تھی تا کہ اس کے بدلے میں اپنے بیٹے کو رہا کرا سکے۔ پولیس نے وائرلیس کے ذریعے ایک ہیلی کاپٹر منگوایا اور ملزم کو سوار کر کے جیل بھیج دیا۔

کوکو یقین رکھتے ہیں کہ مختلف پودے طاقت کے حامل ہیں اور انہیں آنے والے خطرات سے محفوظ رکھتے ہیں۔ ایک خاص جھاڑی کا رس آنکھوں میں ٹپکاتے ہیں اور ان کے پتے جسم کے ساتھ باندھتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اس طرح ان کی نظر تیز ہوتی ہے اور وہ ٹھیک ٹھیک تیر اندازی کر سکتے ہیں۔ شکار پر جانے سے پہلے وہ اپنے پیچھے

پتے راستے پر پھینک جاتے ہیں۔ان کا خیال ہے اس طریقے سے بدروحیں ان کا پیچھا کرنے سے باز رہتی ہیں۔
ایک بار میں نے ایک جادوگر کو لڑکے کے جسم سے بدروح بھگاتے دیکھا۔لڑکا کئی دنوں سے بیمار تھا۔جادوگر نے لڑکے کو زمین پر بٹھا کر ایک خاص جھاڑی کی شاخوں سے مارنا شروع کر دیا۔اسی دوران میں لڑکے کی ماں جو اس کے ساتھ ہی آئی تھی اس کے بالوں کو سختی سے کھینچتی رہی تاکہ بدروح نکل جائے۔چند منٹ کے بعد جادوگر نے زمین پر جھڑے ہوئے پتے اٹھائے اور انہیں مسل کر نیچے پھینک دیا۔پھر اس نے گرے ہوئے پتے اٹھانے کا اشارہ کیا جنہیں اس کے والد نے وہاں سے اٹھا کر ندی میں بہا دیا۔حیرت کی بات ہے کہ یہ لڑکا دس دن بعد بھلا چنگا ہو گیا۔جدید اصطلاح میں آپ اسے نفسیاتی علاج ہی کہہ سکتے ہیں۔
چند روز بعد میت کی رسوم دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ایک جھونپڑی کے باہر متوفی کے چند رشتے دار سارے جسم پر کیچڑ ملے اداس بیٹھے تھے۔لائی کے ڈسٹرکٹ کمشنر کی ہدایت کے مطابق میں مسلح باڈی گارڈ کے بغیر کہیں بھی نہیں جا سکتا تھا، حالانکہ یہ آدم خور قبائلی میرے گہرے دوست بن چکے تھے۔مختلف رسوم کی ادائیگی کے وقت وہ مجھے باقاعدہ بلاتے اور میں موبی کیمرے کی مدد سے تمام مناظر سلولائیڈ کے فیتے پر محفوظ کر لیتا تھا۔
میں ایک ترجمان کے ہمراہ ماتم کرنے والوں کے درمیان بیٹھ گیا۔پندرہ منٹ بعد متوفی کے رشتے داروں نے مجھے جھونپڑی کے اندر جانے کی اجازت دے دی۔میں اٹھ کر جھونپڑی کے اندر گیا۔جہاں ایک کونے میں لکڑی کے چبوترے پر میت رکھی تھی اور اس کے نیچے دھیمی دھیمی آگ جل رہی تھی۔لاش کو دھواں دے کر محفوظ کیا جا رہا تھا۔ان کا عقیدہ تھا کہ اس طریقے پر روح اور جسم کا تعلق ہمیشہ کے لئے قائم رہتا ہے۔وہ تقریباً چھ ہفتوں سے ممی بنانے کا عمل دہرا رہے تھے۔
جب لاش اچھی طرح سوکھ جاتی ہے تو اسے وہاں سے اٹھا کر ایک پہاڑی پر رکھ دیا جاتا ہے۔میں اس رسم کے ابتدائی مراحل دیکھنے کے بعد واپس آؤٹ پوسٹ آ گیا لیکن مجھے ممیوں کی پہاڑی کو دیکھنے کا شوق تھا۔آخر ایک دن ترجمان کے ہمراہ چوری چھپے پہاڑی پر آ گیا۔راستہ خاصا دشوار گزار تھا۔چوٹی پر لکڑی کے چھوٹے چھوٹے چبوترے بنے تھے۔جن پر لاشیں رکھی تھی۔بعض لاشیں زمین پر پڑی تھیں جنہیں شاید گدھ اور چیلوں نے کھانے کے لئے گھسیٹا ہوگا۔
میں نے مروت اور خوش خلقی سے مقامی لوگوں کے دل جیت لئے تھے۔میرا کیمپ ایک کھلے کلب کا نمونہ بن چکا تھا۔جہاں ہر طرح کے لوگ جمع ہوتے تھے۔صبح ہوتے ہی وہ میرے ہاں پہنچنے شروع ہو جاتے۔
بستی کا سردار مالکوا روزانہ مجھے ملنے آیا کرتا تھا۔اس کی پانچ بیویاں تھیں۔مالکوا کی عمر تیس برس کے لگ بھگ تھی اور وہ ایک مشہور جنگجو بھی تھا۔وہ لاتعداد قبائلی جنگوں میں بے شمار موت کے گھاٹ اتار چکا تھا۔مجھے ترجمان کے ذریعے معلوم ہوا کہ وہ آج تک بیس آدمی قتل کر چکا ہے۔مقتولوں کی کھوپڑیاں فخر کی علامت کے طور پر اس کی جھونپڑی میں ابھی تک موجود تھیں۔

☆☆☆☆☆

مقامی لوگ اپنے بچوں کو سخت زندگی بسر کرنے کا عادی بناتے ہیں۔یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ بچے کی پیدائش کے وقت عورت کو بستی سے دور ایک جھونپڑی میں ٹھہرایا جاتا ہے۔اگر بچہ فطری طور پر کمزور یا بگڑی ہوئی شکل کا پیدا ہو تو اسے فوراً ہلاک کر دیا جاتا ہے۔جڑواں بچے پیدا ہونے کی صورت میں ایک بچے کو ہلاک کر کے دریا میں پھینک دیا جاتا ہے۔
سات برس کی عمر میں بچے کو کٹھن امتحان سے گزرنا پڑتا ہے۔اسے دو تین ماہ کے لئے چند ہم عمر دوستوں کے ہمراہ ایک دور افتادہ کٹیا میں رہنا پڑتا ہے۔انہیں گاؤں آنے کی اجازت نہیں ہوتی۔شام کے وقت خوراک کٹیا کے باہر رکھ دی جاتی ہے۔ایک دن جادوگر کے حکم پر لڑکے کو باہر نکالا جاتا ہے۔جہاں قبیلے والوں کی موجودگی میں اس کی ناک چھیدی جاتی ہے۔ابھی لڑکا لہولہان ہوتا ہے کہ چند آدمی آگے بڑھ کر اسے خاردار جھاڑیوں کی شاخوں سے بے تحاشا پیٹنا شروع کر دیتے ہیں۔اس سے لڑکے کا سارا جسم خون میں نہا جاتا ہے۔اسے ان مشقوں سے اس لئے گزارا جاتا ہے کہ وہ زندگی میں بہادر اور حوصلہ مند ثابت ہو۔
شادی سے پہلے دلہا کو ایک آزمائش سے گزرنا پڑتا ہے۔جادوگر اسے میدان کے درمیان کھڑا کر کے بانس کی چھڑی سے اس کے ماتھے پر زخم لگاتا ہے۔اس کے بعد دلہا میاں کے جسم پر مختلف رنگ ملے جاتے ہیں اور اسے گھونگھوں اور سیپیوں کے ہار پہنائے جاتے ہیں۔شادی کے بعد قبیلے کی دعوت ہوتی ہے جو کئی کئی دن جاری رہتی ہے۔یہ بات قابل ذکر ہے کہ یہاں دلہن ایسی جنس بے مایہ نہیں جو مفت میں ہاتھ آئے بلکہ دلہا والے پتھر کی کلہاڑیوں دو چار سوروں اور ہاروں کے بدلے میں اسے خریدتے ہیں۔تمام رسومات کی ادائیگی کے بعد دولہا قبیلے کا بھرپور رکن بن جاتا ہے اور اس کے چھدے ہوئے ناک میں بیضوی ہڈی ڈال دی جاتی ہے جسے وہ

ساری زندگی لٹکائے پھرتا ہے۔

ایک بار میں اپنی جھونپڑی میں بیٹھا مطالعے میں مصروف تھا کہ ایک آدمی میرے پاس آیا۔اس نے کمر کے گرد ہڈیوں کا ہار پہن رکھا تھا۔میں نے چاقو دے کر اس سے ہار خرید لیا اور قمیض اتار کر ہڈیوں کا حلقہ کمر کے گرد کس لیا۔میں باہر نکلا تو مقامی باشندے مجھے دیکھ کر ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گئے۔ترجمان کی زبانی حقیقت حال کا علم ہوا تو ہنسی کی وجہ سمجھ میں آ گئی۔بات یہ تھی کہ کوکو مرد ہڈیوں کا ہار اس وقت کمر کے گرد لٹکاتا ہے۔جب اسے معلوم ہو کہ اس کی بیوی حاملہ ہو چکی تھی۔

کوکو تصنع سے پاک فطری ماحول میں رہتے ہیں۔مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایک خاص قسم کے پودے سے نمک حاصل کرتے ہیں جو جزیرے پر کثرت سے پایا جاتا ہے ایک بار ایک آدمی میرے ہاں آلو بیچنے آیا۔میں نے یہاں رائج بارٹر سسٹم کے تحت اسے نمک کی تھیلی پیش کی اس نے لینے سے انکار کر دیا۔پتہ چلا وہ خود ایک نمک ساز ہے۔میرے لئے یہ بڑی دلچسپی کی چیز تھی۔میں نے ''فیکٹری'' دیکھنے کی درخواست کی جو اس نے فوراً قبول کر لی۔

اگلے دن میں کیمرہ سنبھالے بستی کی طرف روانہ ہو گیا۔جہاں جھاڑیوں سے نمک نکالنے کا کام ہوتا تھا۔میرے پہنچنے پر ''صنعت کار'' دوست نے میرا استقبال کیا۔اس کی جھونپڑی کے باہر خاص جھاڑیوں کا ڈھیر پڑا تھا جنہیں جلا کر نمک حاصل کیا جاتا ہے۔یہ ایک خالص کیمیاوی عمل ہے پودوں کی راکھ اکٹھی کر کے پانی ڈال کر نتھار لی جاتی ہے۔پانی خشک ہونے پر بھورے رنگ کی قلمیں بچ جاتی ہیں۔آپ اسے خاص ''ویجیٹیبل سالٹ'' کہہ سکتے ہیں۔ ساحل سمندر پر رہنے والی مقامی لوگ سمندر کے کھارے پانی سے بھی نمک حاصل کرتے ہیں۔

میں مہذب دنیا سے دور سکون کی زندگی گزار رہا تھا۔منیاما کے پٹرول آفیسر کا خط ملا۔لکھا تھا ''مغربی وادی میں قبیلوں کے درمیان جنگ بھڑک اٹھی ہے۔اب تک فریقین کے آٹھ آدمی ہلاک ہو چکے ہیں۔آپ فوراً لوٹ آئیں۔

میں نے اس کے ساتھ ہی واپسی کی تیاری شروع کر دی۔بستی کے سردار ماکو نے میرے لئے قلیوں کا انتظام کر دیا۔اور میں اگلی صبح وہاں سے روانہ ہو گیا۔

لائی آکر مورمبو قبائلیوں کو دیکھنے کا شوق چرایا۔جو نیوگنی کے وسطی علاقے میں آباد ہیں۔چند دن بعد یہاں مقامی لوگوں کا سالانہ میلہ منعقد ہونا تھا۔میں نے ایک چھوٹا سا جہاز چارٹر کیا اور ایک دن مورمبو کے لئے روانہ ہو گیا۔ چند گھنٹوں کی پرواز کے بعد جہاز ایک مقام پر اتر گیا۔یہاں ایک چھوٹا سا دورافتادہ مشنری ہسپتال تھا۔میں نے ایک ترجمان اور چند قلی اپنے ہمراہ لئے اور مورمبو کے لئے چل کھڑا ہوا۔

یہ ایک دشوار گزار پہاڑی راستہ تھا۔ہر طرف خاموشی ہی خاموشی تھی۔دور سے اگر کسی پرندے کی آواز سنائی دیتی تو ہم چونک پڑتے۔پانچ گھنٹے کے سفر کے بعد میرا برا حال تھا۔دل کی تیز تیز دھڑکن سے مجھے سر اور کنپٹیوں پر ہتھوڑے سے لگتے محسوس ہو رہے تھے۔

ہم ایک ندی کے کنارے پر پہنچے جس پر کوئی پل وغیرہ موجود نہ تھا۔یہاں کے لوگ تیرنے کے فن سے نا آشنا ہیں۔وہ ندیاں تو عبور کر لیتے ہیں لیکن کسی بڑے دریا کے پار جانے کے لئے انہیں ''شہتیر کشتی'' کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ ہم ندی کے دوسرے کنارے پر پہنچے تو شام ہو چکی تھی۔بستی ابھی کوسوں دور تھی۔میں نے جنگل ہی میں شب بسری کا فیصلہ کیا۔

صبح دوبارہ آگے روانہ ہوئے۔ہمارے سامنے سات ہزار فٹ بلند پہاڑی تھی۔چڑھائی کے دوران ایک قلی کی پیٹھ سے چاولوں کی بوری سرکی اور کئی سو فٹ نیچے گرتے ہی پھٹ گئی۔میری کئی دن کی خوراک ضائع ہو چکی تھی۔جلد ہی ہم پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ گئے۔نیچے مورمبو کی جھونپڑیاں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔خنکی کے باوجود میں پسینے سے شرابور تھا۔سارا جسم ٹوٹتا ہوا محسوس ہوا۔مجھے پر ملیریا کا حملہ ہو چکا تھا۔بخار کی حالت میں آگے جانا ممکن نہ تھا۔میں نے سامان رکھوایا اور خود کونین اور خواب آور گولیاں پھانک کر پتھر کی اوٹ میں لیٹ گیا۔جلد ہی نیند آ گئی چند گھنٹے بعد بیدار ہوا تو طبیعت قدرے سنبھل چکی تھی۔مگر سر کونین کے اثر سے بری طرح چکرا رہا تھا۔

میں ترجمان کے ہمراہ بستی میں پہنچا تو خلاف توقع میرا استقبال نہ ہوا۔وجہ یہ تھی کہ میرے قلیوں کا تعلق ان کے قبیلے سے نہ تھا۔بہر حال مجھے ایک لمبی جھونپڑی میں ٹھہرایا گیا۔جسے آپ گیسٹ ہاؤس کہہ سکتے ہیں۔سامنے میدان میں سینکڑوں آدمی سروں پر چمکیلے خوبصورت پر سجائے اور جسم پر مختلف رنگ ملے آ جا رہے تھے۔وہ مجھے دیکھتے ہی تحقیر آمیز لہجے میں ہنسنے لگے۔میں نے ترجمان کی معرفت قبیلے ''لولوئی'' یا سردار سے ملاقات کی اور اسے ایک قیمتی چاقو کا نذرانہ پیش کیا۔اس نے بھی جواب میں مجھے تہوار دیکھنے اور اسے فلمانے کی اجازت دے دی۔

میلے کا عجیب منظر تھا۔گردونواح سے لوگ تیر کمان اور نیزے اٹھائے برابر شرکت کے لئے آ رہے تھے۔وہ میدان میں پہنچتے ہی رقص کرنے لگتے۔کبھی کبھار نوجوان لڑکیاں بھی ان کے ساتھ شامل ہو جاتیں۔رات کا منظر

اور طلسماتی ہوتا اور شرکاء رقص دیر گئے تک ضیافت اڑاتے رہتے۔
ایک صبح میں سو کر اٹھا تو کیمرے اور ساؤنڈ ریکارڈ کے سوا سب چیزیں غائب تھیں۔ کوئی شخص مجھے سوتا پا کر خوراک کے ڈبے، چاول اور نمک کے پیکٹ اٹھا کر لے گیا تھا۔ میں نے باہر نکل کر دیکھا۔ چند آدمی میدان میں حلقہ جمائے ڈبوں سے خوراک نکال کر کھا رہے تھے۔ مجھے ان کی اس جسارت پر بڑا غصہ آیا۔ ان کے پاس پہنچ کر میں نے پاؤں کی ٹھوکر سے ڈبے گرا دیئے اور انہیں گالیاں نکالنی شروع کر دی۔ میں نے لولوئی کو مدد کے لئے پکارا لیکن وہ موقع پر موجود نہ تھا میری اس حرکت پر ایک جنگجو طیش میں آ گیا اور اس نے نشانہ لے کر اپنا نیزہ میری جانب پھینکا۔ میں اس کا ارادہ بھانپ کر دفاع کیلئے بالکل تیار تھا فوراً ایک طرف ہٹا۔ نیزہ میرے قریب زمین پر گر گیا۔
میں جھونپڑی میں دلبرداشتہ واپس آیا اور ترجمان کو اپنی واپسی کا انتظام کرنے کو کہا۔ میں جانے کی تیاری میں مصروف تھا کہ لولوئی تک خبر پہنچ گئی۔ وہ ہانپتا کانپتا میرے پاس آیا اور مجھ سے معذرت چاہنے لگا وہ معاوضے کے طور پر جنگلی پھلوں کی ایک گٹھڑی اپنے ہمراہ لایا تھا۔ اس نے چوری کی ساری ذمہ داری قبول کرتے ہوئے مجھے تحفہ لینے کی پیش کش کی جسے میں نے نرمی سے ٹال دیا اور چند قلیوں کے ہمراہ سفر پر چل نکلا۔ بستی سے جان بچا کر باہر آنے پر ہم بہت خوش تھے۔ ہم دن بھر چلتے رہے تاکہ کوئی سر پھرا ہمیں ڈھونڈ کر ہلاک کرنے کی کوشش نہ کرے۔ رات کا اندھیرا چھاتے ہی ایک جگہ جھگی بنائی اور اس میں پڑ کر سو رہے۔ میں صبح کے وقت کافی پینے کا عادی تھا، لیکن چینی موجود نہ تھی۔ ایک قلی نے جنگلی کماد مہیا کر کے یہ مسئلہ حل کر دیا۔
مسلسل سفر سے میرے پاؤں پھٹ چکے تھے اور ان سے خون رس رہا تھا۔ ننگ دھڑنگ قلیوں کی حالت مجھ سے بھی ابتر تھی۔ جو پیٹھ پر سامان لادے آگے آگے چل رہے تھے۔ ہم ایک پہاڑی پر سے گزرے جہاں کثیف دھند چھائی تھی اور راستہ مشکل سے دکھائی دیتا تھا۔ اچانک مجھے ایک قلی کی ڈوبتی ہوئی آواز سنائی دی جو بے خبری میں بیس فٹ عمودی چٹان سے لڑھک کر نیچے جا گرا تھا۔
میں چند آدمیوں کے ہمراہ اس جگہ پہنچا جہاں بدقسمت قلی بالکل بیہوش پڑا تھا۔ اس کا سر زخمی تھا اور ایک ٹانگ ٹوٹ چکی تھی۔ میں نے کمبل پھاڑ کر اس کا لڑھکا ٹوٹی ہوئی ٹانگ کے گرد لپیٹا اور پھر اس پر رسی باندھ دی۔
چند قلیوں نے زخمی ساتھی کو اٹھانے کے لئے درختوں کی ٹہنیوں کی اسٹریچر تیار کی۔ لیکن اسی دوران رات آ گئی اور سارا منصوبہ ترک کرنا پڑا۔ ہم کٹا بنا کر وہیں پہاڑی پر سو گئے۔ زخمی قلی کی حالت بتدریج بگڑتی جا رہی تھی۔
صبح ہوئی تو ہم نے زخمی کو اسٹریچر پر لادا اور آگے روانہ ہو گئے۔ خوراک کا بچا کھچا ذخیرہ بالکل ختم ہو چکا تھا اور ہم مجبوراً جنگلی پھل کھا کر گزارہ کر رہے تھے۔ ہم نے مزید دو راتیں اسی حالت میں چلتے ہوئے گزاریں۔ بخار اور کمزوری سے میرا برا حال تھا۔ بال بڑھے ہوئے تھے۔ بارش سے کپڑے اور کمبل بھیگ جاتے تو آگ جلا کر انہیں خشک کرتا اور پھر آگے روانہ ہوتا۔
نویں دن مشنری ہسپتال پہنچے۔ زخمی کو وہاں داخل کرا دیا۔ میری حالت قابل رحم تھی۔ کپڑے تار تار اور جسم بخار سے پھنک رہا تھا۔
شمبوا اور داگی کی کوہستانی وادیوں میں ساٹھ ستر ہزار افراد پر مشتمل ایسے قبائلی بستے ہیں۔ جنہیں ''کومان'' کہا جاتا ہے۔ ۱۹۳۳ء میں سفید فام مشنری اس علاقے میں وارد ہوئے تو مقامی لوگوں نے خوش دلی سے ان کا استقبال کیا۔ ان کی قدیم داستانوں کے مطابق سفید چمڑی والے مافوق الفطرت طاقت کے علمبردار تھے۔
مشنریوں نے مقامی روایات کو پامال کرنا شروع کیا تو ان کے خلاف نفرت بھڑک اٹھی اور چند لوگوں نے ایک مشنری سکول کو آگ لگا دی اور سارا سامان لوٹ کر لے گئے۔ اس علاقے میں متعین مشنری نے سزا کے طور پر کومان قبیلے کے چند پالتو سوروں کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ اسے مقامی آبادی نے اپنی ہتک پر محمول کیا۔ چند جنگجو طیش میں آ گئے۔ اور انہوں نے مشنری کی رہائش گاہ پر حملہ کر کے اسے نیزے سے ہلاک کر ڈالا۔ ایک ماہ بعد ایک اور مشنری کا بھی یہی حشر ہوا۔
ان وحشی قبائل کو راہ راست پر لانے کے لئے حکومت کو سخت ترین اقدامات کا سہارا لینا پڑا۔ پولیس اور سیکورٹی افواج نے جدید اسلحے کی مدد سے سینکڑوں افراد ہلاک کر ڈالے۔ جو لوگ ہاتھ آتے انہیں قیدی بنا لیا اور جیل میں سخت ترین جسمانی سزائیں دی جاتیں۔ اس طرح جلد ہی کومان مطیع ہو گئے۔ حکومت نے قبائلی سرداروں کے ساتھ اچھے تعلقات استوار کرنے کے لئے انہیں بہت سی مراعات دیں۔ ہر قبیلے کے سردار کو حکومت کی جانب سے شیشے کا خوبصورت کڑا دیا گیا جسے وہ ماتھے پر باندھ کر یا گلے میں لٹکا کر اپنی برتری کا مظاہر کرتا پھرتا۔
رسوم اور عقائد کے لحاظ سے کومان اپنے ہم وطن کوکو قبائلیوں سے مہذب نظر آتے ہیں۔ یورپین کے ساتھ رابطے کی وجہ سے ان کی زندگی اور طور طریقوں پر بہت اثر پڑا ہے لیکن اس کا مطلب ہرگز نہیں کہ انہوں نے قدیم طرز معاشرت کو یکسر ترک کر دیا ہے۔ اگرچہ ان میں دھات کے اوزار رفتہ رفتہ رواج پاتے جا رہے ہیں۔ لیکن آج بھی وہ پتھر کی کلہاڑی سے درخت گراتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں۔
میں تین ہفتے ان لوگوں کے درمیان رہا۔ وہ نیوگنی کے نہایت خلیق اور مہمان نواز لوگ ہیں۔ ان کی رسموں میں متانت اور سنجیدگی کا عنصر بہت گہرا ہے۔ بچے کی پیدائش کے وقت وہ بہت زیادہ خوشیاں مناتے ہیں۔ اس موقع پر شاندار ضیافت ہوتی ہے۔ کیلے اور آلوؤں کو ملا کر ایک میٹھی کھیر سی تیار کی جاتی ہے جسے مہمانوں میں بانٹا جاتا ہے۔ قبیلے کی جادوگرنی بچے کو ہاتھ میں لے کر اس کی بلائیں لیتی اور اس کے لئے نیک تمناؤں کا اظہار کرتی ہے۔ جس کے بول کچھ یوں ہیں۔
''خوبصورت پرندے کی طرح فضاؤں میں اڑتے پھرو، تم دلوں میں ٹھنڈک بھرتے رہو جس طرح دنگوما کے پتے زخموں کو مندمل کر دیتے ہیں۔
پوزم کی مانند چمکو اور
نیلی تتلی کی مانند دھوپ میں رعنایاں بکھیرو۔''
بچہ چند برس کا ہو جائے تو اس کا نام رکھتے ہیں۔ کھلی محفلوں میں عورت اور مرد اکٹھے نہیں بیٹھتے۔ شادی کی رسمیں بڑی عجیب و غریب ہیں۔ نوجوان لڑکی کو قبیلے میں گھوم پھر کر اپنی پسند کا خاوند چننے کی عام اجازت ہے۔ مرد زیادہ سے زیادہ بچوں کے خواہش مند ہوتے ہیں، جبکہ عورتیں تھوڑے بچے جننے کو ترجیح دیتی ہیں۔ اور اس مقصد کے لئے ایک خاص قسم کی جھاڑی کے پتے چباتی رہتی ہیں۔ کومانوں کی جنگلی زندگی رنگا رنگی اور ہمہ ہمی سے پر ہے۔ آئے دن کوئی نہ کوئی تہوار منعقد ہوتا رہتا ہے۔ ان کے سب سے بڑے میلے کا نام ''بوگلا گندے'' ہے۔ جو ہر پانچ چھ برس بعد منایا جاتا ہے۔ اس میں ہزاروں قبائلی شرکت کرتے ہیں۔
کومان آباؤ اجداد کی تصویریں بنا کر ان کی عبادت کرتے ہیں۔ وہ حیات بعد الموت پر یقین رکھتے ہیں اور روح کو ابدی تصور کرتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ مرنے والے کی روح اس کی قبر کے باہر موجود رہتی ہے۔ کوکو کے برعکس وہ اپنے مردوں کو دفن کرتے ہیں۔ وہ اب آدم خوری کو تقریباً ترک کر چکے ہیں۔ دفنانے سے پہلے لاش کو مختلف رنگوں میں رنگا جاتا ہے۔ اور پھر اس پر چربی مل جاتی ہے عورتیں میت کے سامنے بین کرتی ہیں اور پتھر کے تیز ٹکڑوں سے اپنی چھاتی لہولہان کر لیتی ہیں۔
نیوگنی کے بحیرہ سمارک میں بہت سے جزیرے واقع ہیں۔ وہ نقشے پر چھوٹے چھوٹے نقطوں کی مانند نظر آتے ہیں۔ یہ جزیرے آتش فشانی لاوے سے بنے ہیں۔ ان میں جزیرہ مانام زیادہ مشہور ہے۔ جہاں ایک زندہ آتش فشاں ہر وقت آگ اور راکھ کے بادل اگلتا رہتا ہے۔ میں مانانگ سے کشتی کے ذریعے جزیرے پر پہنچا۔ نیوگنی کا سب سے بڑا دریا سیپک اسی سمندر میں آ کر گرتا ہے۔ اس کے گدلے پانی کو میلوں تک سمندر میں بہتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے۔ میں چوبیس گھنٹے اس جزیرے پر مقیم رہا۔ میں اس کی چھ ہزار فٹ بلند چوٹی پر چڑھ کر نزدیک سے آتش فشانی کا مشاہدہ کرنا چاہتا تھا۔ لیکن قلیوں نے ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ مقامی باشندے اس پہاڑ کو مقدس سمجھتے ہیں۔
اس خوبصورت جزیرے کے لوگ نیوگنی کے دوسرے جنگلی قبائلی کی طرح نہ تو ہتھیار رکھتے ہیں اور نہ آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں۔ وہ صرف شکار کھیلنے کے لئے چند ہتھیار بناتے ہیں جن میں ماہی گیری کے نیزے اور تیر کمان قابل ذکر ہیں۔ آپ انہیں مچھلی پکڑنے کا معمولی کانٹا دے کر اس کے بدلے میں پچاس کیلے لے سکتے ہیں۔ یہاں کے سارے باشندے گھاس کا سکرٹ پہنتے ہیں۔ جبکہ نیوگنی کے اکثر لوگ اس کی ضرورت کم ہی محسوس کرتے ہیں۔
دوسری صبح میں اینگورام کے لئے روانہ ہو گیا۔ جو سیپک کا ضلعی ہیڈ کوارٹر بھی ہے۔ میں کشتی میں سمندر کی لہروں سے دریا کے دہانے میں داخل ہوا تو مجھے مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔ جدوجہد کے باوجود کشتی کبھی دریا کے دائیں کنارے پر چلی جاتی تو کبھی بائیں پر۔ گھاس کے تیرتے ہوئے عظیم الجثہ جزیرے سب سے زیادہ خطرناک تھے۔ اگر میری کشتی گھاس پھونس کے ان ''تودوں'' میں پھنس جاتی تو ان کے ملبے میں پھنس کر زندہ درگور ہو جاتا۔ کئی گھنٹے کی انتھک کوشش کے بعد میں اپنی کشتی کو ایک جگہ لنگر انداز کرنے میں کامیاب ہو گیا جہاں قریب ہی ایک گاؤں واقع تھا۔
اگلی صبح اینگورام آ گیا۔ اس کی کل آبادی تقریباً سو افراد پر مشتمل تھی۔ جن میں بارہ یورپین بھی شامل تھے۔ وہ میرے زندہ بچ نکل آنے پر حیران تھے۔ یہاں میری ملاقات ایک ہم وطن سے بھی ہو گئی جو مگرمچھ کی کھالوں کا بیوپاری تھا۔ وہ خود بھی شکار کھیل کر کھالیں جمع کرتا رہتا تھا۔
اینگورام کی آب و ہوا نہایت گرم ہے۔ پیاس کی وجہ سے مسلسل پانی پینا پڑتا ہے۔ جس سے یہاں پیچش جیسا موذی مرض عام ہے یہاں کے لوگ پانی اُبال کر یا پھر الکوحل ڈال کر پیتے ہیں۔ یہ گاؤں دریائے سیپک کے

کنارے آباد ہے۔ یہاں سال کے خاص حصے میں دریا کے کنارے کروڑوں کی تعداد میں سفید تتلیاں جمع ہوتی ہیں جنہیں یہاں کے لوگ بوریوں میں بھر لیتے ہیں اور پھر آگ پر بھون کر کھاتے ہیں۔

نیوگنی میں عورتوں کے ساتھ عموماً برا سلوک روا رکھا جاتا ہے اور وہ کھیتی باڑی جیسا سخت کام کرتی ہیں۔ آلو، ککڑی، پات، ساگ شلغم اور گنا یہاں کی مشہور فصلیں ہیں۔ اس کے علاوہ ایک خاص قسم کے درخت سے ساگو نامی غذا تیار کرتے ہیں جو نہایت لذیذ ہوتی ہے۔ یہاں کے مرد زیادہ تر کھیل اور شکار میں مصروف رہتے ہیں یا پھر خشک تنوں کو کھوکھلا کر کے کشتیاں بناتے رہتے ہیں۔ ان میں دس پندرہ آدمی آسانی سے بیٹھ کر سفر کر سکتے ہیں۔

یہاں جگنو کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران اتحادیوں نے دور سے ان کی روشنیاں دیکھ کر کئی بار جاپانیوں کے اچانک حملے کا دھوکہ کھایا۔ شام کے وقت بڑے بڑے چمگادڑیں نمودار ہوتی ہیں۔ جنہیں غیر معمولی جسامت کی وجہ سے ''اڑتے کتے'' (فلائنگ ڈاگ) کہا جاتا ہے۔

یہاں کے باشندے گانے اور رقص کے بہت شائق ہیں۔ عام لوگوں کی نسبت دریائے سیپک کے کنارے بسنے والے گرگوبا کی صحت بہت اچھی ہے۔ وہ شادیاں تو ضرور کرتے ہیں، لیکن ان میں معاشرتی ضابطہ اخلاق کا فقدان ہے۔ اور ایک دوسرے کو اپنی بیویاں مستعار دینے میں جھجک محسوس نہیں کرتے۔

جب پہلا جہاز اس علاقے پر سے گزرا تو تمام آبادی خوف و ہراس کی لپیٹ میں آ گئی۔ لوگوں نے سوروں کے ریوڑوں کے ریوڑ ہلاک کر کے ان کا خون مختلف راستوں پر بکھیر دیا تاکہ اس پراسرار ''پرندے'' کا منحوس سایہ ان پر نہ پڑے۔

میں دو ہفتے کمبوت کی بستی میں مقیم رہا۔ موسم برسات میں یہاں دن رات بارش ہوتی ہے۔ میں نے کشتی کے اوپر ایک بوسیدہ ترپال ڈال رکھی تھی جو جگہ جگہ سے ٹپک رہی تھی۔ بارش تھمتی تو مچھر حملہ آور ہو جاتے۔

ملیریا کے جراثیم میرے خون میں گھر کر چکے تھے اور اب میرے لئے مزید آگے جانا ممکن نہ تھا۔ مقامی لوگوں نے میرے لئے چار کشتیوں کا انتظام کیا اور میں واپس اینگورورام کے لئے روانہ ہو گیا۔ مجھ پر موسمی بخار کا بھرپور حملہ ہو چکا تھا۔ جلد پر پھنسیاں نکل آئی تھیں۔ جن سے ہر وقت پیپ رستی رہتی۔

دریائے سیپک کے بہاؤ پر دس میل سفر کرنے کے بعد ایک بستی کے قریب سے گزرا جو دلدل میں گھری ہوئی تھی۔ چند اشیاء کے تبادلے کے لئے میں ساتھیوں کے ہمراہ ان لوگوں میں پہنچا تو انہوں نے نیزے پھینک کر ہمیں الٹے پاؤں بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ ہم دریا کی طرف پلٹ آئے اور رات بھر کشتیوں پر سوتے رہے۔

دوسرے دن ہم آگے روانہ ہو گئے۔ ایک جگہ ہماری کشتی کم گہرے پانی سے گزری تو میں نے پاؤں نیچے لٹکا لئے۔ شام ہونے سے پہلے ہم اینگورورام آ گئے۔ یہاں خلاف توقع حکومت کے بعض اعلیٰ حکام آئے ہوئے تھے پتہ چلا آسٹریلیا کے دو پیرول آفیسر جو ایک پولیس والے کے ہمراہ معمول کے گشت پر تھے چند مقامی لوگوں کے نتھے چڑھ گئے۔ پولیس والا تو کسی نہ کسی طرح جان بچا کر بھاگ آیا لیکن دونوں افسر ہلاک ہو گئے۔ مقامی باشندوں نے انہیں ڈنڈے مار مار کر ہلاک کر دیا تھا۔

میں راشن بردار کشتی کے ذریعے اینگورورام سے مادانگ آ گیا۔

بخار اور کمزوری سے میرا برا حال تھا اور مارانگ پہنچتے ہی علاج معالجے کے لئے مقامی ہسپتال میں داخل ہو گیا۔ کئی دن صاحب فراش رہا۔ کمزوری کے باعث مجھ پر غشی کے دورے پڑنے لگتے اور سارا جسم پسینے سے نہا جاتا۔

ایک ہفتے بعد مجھے ہسپتال سے فارغ کر دیا گیا۔ میری نیوگنی کی مہم ختم ہو چکی تھی۔ آسٹریلیا اور نیوگنی کے باسیوں میں ایک برس گزارنے کے بعد میں نے وطن جانے کا پروگرام بنایا۔ سڈنی سے کوپن ہیگن، ڈنمارک کے لئے روانہ ہوا تو میرا دل بہت سی شیریں اور تلخ یادوں سے معمور تھا۔

مجھے دنیا کے ان سادہ انسانوں سے محبت ہے جن کی فطری تہذیب، تمدن کی چکاچوند سے زور بروز ماند پڑتی جا رہی ہے۔

کچھ عجب نہیں کہ جلد ہی وہ وقت بھی آ جائے جب یہ سیدھے سادے بھولے بھالے لوگ مہذب دنیا کا حصہ بن جائیں اور جدید تہذیب کی پیدا کردہ قباحتوں کا شکار بن جائیں۔ وہ یقیناً ان وحشی اقوام کے لئے اچھا دن نہیں ہوگا۔

طبروق کا مسافر

نصف سے زائد رات گزر چکی تھی۔ طبروق جانے والے صحرائی راستے پر پانچ ٹرک یکساں رفتار سے چلے جا رہے تھے۔ ان ٹرکوں میں انگریز اور فرانسیسی اتحادی فوجی سوار تھے جنہیں طبروق، صحرائی لومڑ جنرل رومیل کے ہیڈ کوارٹر پہنچ کر تیل کے ذخائر تباہ کرنے کے اہم خفیہ مشن کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ طبروق سے جرمن فضائیہ کے لڑاکا طیارے سرزمین افریقہ پر اترنے والی اتحادی افواج کے ٹھکانوں پر بمباری کرنے کے لئے آیا کرتے تھے اور انہیں بے حد نقصان پہنچایا کرتے تھے۔ ان کی تباہ کاریوں کو روکنے اور جرمن فضائیہ کو عارضی طور پر مفلوج کرنے کے لئے ان کے تیل کے ذخائر تباہ کرنا انتہائی ضروری تھا۔ کیونکہ ظاہر تھا کہ جب تیل نہ ہوگا تو طیارے بھی ہرگز پرواز کے قابل نہ رہیں گے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے جنرل منٹگمری کی صحرائی فوج کے چھاپہ مار دستوں کے کمانڈر کرنل تھامپسن نے یہ خفیہ مشن ترتیب دیا تھا اور اس مشن کا سربراہ ایک انگریز کیپٹن جان سمسن کو بنایا گیا تھا جو سب سے اگلے ٹرک میں سوار تھا۔

جان سمسن کے اس مہم کا سربراہ بنائے جانے کے اقدام کو فرانسیسی فوجیوں سیموئیل، پٹی لویس، فرانسواس جین ماری اور برتھیئر نے اگرچہ سخت ناپسند کیا تھا، مگر اس کے سوا اور کوئی چارہ کار بھی نہ تھا۔ کیونکہ سمسن کو صحراؤں کے بارے میں حیرت انگیز اور قابل قدر معلومات حاصل تھیں اور وہ العالمین سے لے کر طبروق تک با آسانی اپنے قافلے کی راہنمائی کر سکتا تھا۔ اس کے علاوہ کئی محاذوں کا مرد میدان تھا اور اپنے شجاعانہ کارناموں کی بدولت اسے اتحادی افواج میں بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

انہیں اپنے ٹرکوں میں سفر کرتے کرتے تین دن گزر چکے تھے اور طبروق ابھی ڈھائی سو میل کے فاصلے پر تھا۔

جب دوسری جنگ عظیم کا آغاز ہوا تھا تو اس وقت فرانسواس جین ماری پریرے (فرانس) میں انشورنس ایجنٹ تھا۔ ۱۹۴۰ء میں جب ڈیگال کو جرمنوں سے شکست ہوئی اور جرمنوں نے تدریجاً فرانس پر قبضہ جمانا شروع کیا تو افراتفری کے عالم میں فرانسواس بھی فرانس سے فرار ہو کر لندن آ گیا۔ جہاں محب وطن فرانسیسی پناہ گزینوں نے اپنے وطن کی آزادی کے لئے ''آزاد فرانس فوج'' قائم کر رکھی تھی۔ جذبہ حب الوطنی کے تحت فرانسواس اس فوج میں شامل ہو گیا۔ یہاں اس کی دوستی پٹی لویس اور برتھیئر سے ہوئی پھر سیموئیل بھی ان سے آملا۔ سیموئیل نسلاً یہودی تھا اور طب کا عالم تھا۔ جب جرمنوں نے فرانس پر قبضہ جمایا اور گستاپو کے ذریعے یہودیوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کرنے لگے تو ان حالات سے شدید خوفزدہ ہو کر سیموئیل کے خاندان نے فرانس سے خفیہ طور پر فرار ہونے کی ٹھانی، مگر اس سے قبل کہ یہ لوگ اپنے اس ارادے کو عملی جامہ پہناتے کسی ہمسائے کی مخبری پر گستاپو ان سب کو گرفتار کر کے لے گئی، مگر سیموئیل گھر سے باہر ہونے کے سبب ان کے ہتھے چڑھنے سے محفوظ رہ گیا اور چھپتا چھپاتا بہ ہزار وقت لندن آ گیا جب اس نے فرانسواس کی طرح آزاد فرانس فوج میں شمولیت اختیار کر لی۔

جین برتھیئر فرانسیسی فوج میں کارپورل تھا اور ڈنکرک سے پسپا ہونے والی اتحادی فوج میں شامل تھا۔ اسی پسپائی کے دوران اس کی جان سمسن سے دوستی ہوئی اور وہ اس کے گھر باقاعدگی سے آنے جانے لگ گیا۔ سمسن کی بہن میری سے تو اسے خصوصی لگاؤ پیدا ہو گیا تھا جو آگے چل کر ان دونوں کی منگنی پر منتج ہوا۔ اس کے بعد سے برتھیئر کی سمسن سے دوستی برادرانہ تعلقات میں بدل چکی تھی۔ پھر جب جنرل منٹگمری نے جنرل رومیل کی پیش قدمی روکنے کے لئے افریقہ پر یلغار کی تو برطانوی دستوں کے علاوہ، آزاد فرانس فوج کے بہت سے سپاہیوں کو بھی اس صحرائی فوج میں شامل کر لیا گیا۔ ان سپاہیوں میں جین برتھیئر اور اس کے تمام دوست شامل تھے۔

ریتلے صحرائی راستے پر سفر کرتے کرتے انہیں تیسری رات بھی گزر گئی۔ چوتھے دن صبح دس بجے کے قریب انہیں کسی جہاز کی گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دی اور وہ سب اپنے اپنے ٹرکوں میں متوقع حملے کے لئے تیار ہو بیٹھے۔ پٹی لویس نے فوراً اپنے ٹرک میں نصب طیارہ شکن توپ کے قریب پوزیشن سنبھال لی۔ اسی وقت ان کے سامنے افق سے ایک جرمن میسر شمٹ طیارہ نمودار ہوا اور سروں پر چکر لگا کر گولیاں برساتا ایک طرف چلا گیا۔ اس کے ساتھ ہی سب سے اگلے کیپٹن جان سمسن کے ٹرک سے آگ کے شعلے بلند ہونے لگے۔ ٹرک میں بارا سلحہ بارود نے بھی آگ پکڑ لی۔ ٹرک کے پرخچے اڑ جانے کے خوف سے اس میں اور پچھلے ٹرکوں میں سوار سب سپاہی ٹرکوں سے خود کود کر اپنی جان بچانے کے لئے ادھر ادھر دوڑنے لگ گئے، مگر پٹی لویس بدستور اپنی توپ کے قریب نشست باندھے بیٹھا رہا۔ جرمن جہاز چکر لگا کر پھر ان کی طرف آ رہا تھا۔ لویس نے توپ کے دہانے کا رخ اس کی طرف موڑا اور جونہی دشمن طیارہ نشانے کی زد میں آیا، اس نے توپ داغ دی جس سے جہاز کی دیچی کو آگ لگ گئی اور وہ پہاڑوں کی طرف جا کر ایک زبردست دھماکے سے پھٹ گیا۔ اس کا شکستہ، ٹوٹا پھوٹا ڈھانچہ پہاڑوں میں بکھر گیا۔ پٹی لویس اطمینان کا سانس لیتے ہوئے اپنے ٹرک سے نیچے اتر آیا۔

اس مہم کے سربراہ کپتان سمسن کا ٹرک بالکل تباہ ہو چکا تھا۔ اس کے دو انگریزی ساتھی میک ایلوے اور جم جل کر ہلاک ہو چکے تھے۔ سمسن ٹرک کے جلے ہوئے ڈھانچے سے کچھ دور ریت پر زخموں سے چور چور شدید جانکنی کی حالت میں پڑا تھا۔ سب لوگ دوڑ کر اس کے پاس پہنچے۔ برتھیئر نے اپنے بازوؤں میں اٹھا لیا اور بے تابانہ پکارنے لگا۔

''جان! جان! ہوش میں تو آؤ جان۔''

سمسن نے اپنی دھندلائی ہوئی آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھا۔

"جین....." اس نے بمشکل تمام سرگوشی کی۔

"ہاں جان....." بھیر اس کے چہرے پر جھک گیا۔

"اس مہم کی کمان اب تمہارے ہاتھ میں ہے جین..... سٹیفن کو بھیجنا" "اطلاعات کے لئے ..... سب کام اچھی طرح سے انجام دینا جین.....اور.....میری کا خیال رکھنا....." ان الفاظ کے ساتھ ہی تمسن کی سانس اکھڑ گئی اور اس کے ہونٹ ہمیشہ کے لئے ساکت ہو گئے۔

بھیر نے آہستہ سے تمسن کا بے جان جسم ریت پر لٹا دیا۔ پھر بوجھل دلوں سے ان سب نے صحرا کی ریتلی آغوش میں ان کی قبر کھودی اور اسے دفنا دیا۔ اس کے بعد انہوں نے اس کی قبر کے قریب کھڑے ہو کر احتراماً سلوٹ کیا اور دوبارہ ٹرکوں میں جا بیٹھے اور اپنی منزل کی طرف رواں ہو گئے۔

دوپہر تین بجے کے قریب وہ ایک گاؤں الجوبی پہنچ گئے۔ یہ گاؤں ویران اور چھوٹا سا گاؤں تھا۔ جہاں اوائل جنگ میں ناکارہ ہونے والے بے شمار ٹینک، ٹرک اور جیپیں موجود تھیں۔ ان میں وہ آسانی سے پوشیدہ رہ سکتے تھے۔ الجوبی سے آگے ان کی منزل گاؤں سیدی رزاق تھا۔ وہاں بھی ان کے چھپنے کے لئے بے شمار ناکارہ ٹینک اور ٹرک موجود تھے۔ مگر رزاق پہنچنے کے لئے رات کا انتظار کرنا تھا۔ کیونکہ دن کو راستے میں کسی نہ کسی جرمن پٹرول پارٹی سے مڈبھیڑ ہونے کا خدشہ تھا۔

انہیں سیدی رزاق پہنچے کئی گھنٹے گزر چکے تھے۔ اس وقت وہ سب اپنے ٹرکوں کو ناکارہ ٹینکوں اور ٹرکوں کے درمیان پوشیدہ کئے بڑی شدت سے سارجنٹ سٹیفن کی واپسی کے منتظر تھے۔ بھیر اپنے ٹرکوں میں چاروں طرف بکھرے ہوئے ناکارہ برٹس مارک ٹینکوں کو دیکھ رہا تھا۔ یہ ٹینک سب سے پہلے انگریزوں نے ۱۹۴۱ء میں افریقہ میں جرمنوں کے خلاف استعمال کئے تھے اور انہیں اتحادیوں کے بہترین ٹینک سمجھا جاتا تھا۔ مگر جرمن مارک ۸۸ ٹینکوں کے سامنے ان کی کوئی پیش نہ گئی تھی۔ طاقتور جرمن ٹینکوں نے آسانی سے تہس نہس کر ڈالا اور ان کی مدد سے جرمن، اتحادی فوجوں کو شمالی افریقہ سے نکالنے میں کامیاب ہو گئے۔

سیدی رزاق پہنچنے کے بعد فرانسواس، راجر، سیموئیل اور بھیر نے اپنی برطانوی وردیاں اتار کر جرمن فوجی وردیاں پہن لی تھیں۔ جبکہ باقی ساتھیوں نے خون آلود جیبوں والی پھٹی پرانی فرانسیسی اور برطانوی فوجی وردیاں پہنی تھیں۔ انہیں اتحادی قیدیوں کا کردار ادا کرنا تھا اور فرانسواس اور راجر وغیرہ ان کے پہرے دار تھے۔

خاصا وقت گزرنے کے بعد جب سارجنٹ سٹیفن واپس نہ آیا تو بھیر نے اس کی تلاش میں لیفٹیننٹ برکلے کو روانہ کیا جو تھوڑی دیر بعد سارجنٹ سٹیفن کو ساتھ لئے واپس آ گیا۔ سٹیفن نے بھیر کو اطلاع دی کہ وہ سیدی رزاق سے طبروق تک تمام راستہ اچھی طرح دیکھ بھال چکا ہے۔ راستہ بالکل صاف ہے اور پٹرول کاروں کا بھی کوئی خدشہ نہیں لہٰذا وہ آسانی سے طبروق میں داخل ہو کر ٹارگٹ تک پہنچ سکتے تھے۔ جین بھیر نے مہم کمانڈر کی حیثیت سے سب کو فرائض کے بارے میں ضروری ہدایات دیں۔ انہیں طبروق پہنچ کر اپنی ذمے داریوں کے مطابق تیل کے ذخائر تباہ کرنے تھے اور پھر ٹرک میں بیٹھ کر واپس سیدی رزاق پہنچنا تھا۔ جہاں سے وہ العالمین واپس روانہ ہو جاتے۔ ضروری ہدایات اور تیاریوں کے بعد یہ سب لوگ ٹرک میں جا بیٹھے۔ راجر نے ڈرائیونگ وہیل سنبھال رکھا تھا اور ٹرک کے پچھلے حصے میں بھیر فرانسواس اور سیموئیل جرمن سپاہیوں کی وردیاں پہنے ہاتھوں میں سٹین گنیں سنبھالے برکلے، سٹیفن اور مارٹیل کو جو برطانوی جنگی قیدیوں کا کردار ادا کر رہے تھے، کور کئے ہوئے تھے۔

دو گھنٹے تک سست رفتاری سے سفر کرنے کے بعد ان کا ٹرک رات کے ساڑھے گیارہ بجے کے قریب طبروق جانے والی سڑک پر ہولیا۔ اسی وقت دو جرمن پٹرول موٹر سائیکلیں ان کے قریب سے گزر گئیں۔ مگر انہوں نے اس برطانوی ٹرک کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ کیونکہ ان دونوں جرمنوں کو مختلف محاذوں سے جو اتحادیوں کے ٹرک اور جیپیں مال غنیمت کے طور پر حاصل ہو رہی تھیں۔ انہیں وہ بلا دریغ استعمال کر رہے تھے۔ جب وہ بندرگاہ کے قریب پہنچے تو انہیں اپنے سامنے ٹرکوں اور جیپوں کا ایک طویل کارواں سست رفتاری سے جاتا دکھائی دیا۔ راجر نے بھیر کے حکم سے ٹرک کی رفتار بڑھا کر اسے اس سست رفتار کارواں کے ساتھ شامل کر دیا۔ بندرگاہ میں داخل ہوتے وقت ایک چیک پوسٹ آتی تھی۔ جہاں اطولی سنتری تعینات تھے۔ اس جگہ پہنچ کر کارواں رک گیا اور سنتری ہاتھوں میں ٹارچیں لئے ٹرک اور جیپیں دیکھنے لگے۔ ان کے ٹرک میں بھی دو سنتری ٹارچیں لئے گھس آئے۔ انہوں نے جب اس میں جرمن فوجیوں کو سٹین گنیں لئے۔ چند برطانوی قیدیوں کی حفاظت کرتے دیکھا تو مطمئن ہو کر نیچے اتر گئے اور ان کے ٹرک کو جانے کا سگنل دے دیا۔

کچھ دور تک وہ کارواں کے پیچھے پیچھے چلتے رہے۔ مگر اب ان کے لئے اس سے پیچھا چھڑانا ضروری ہو گیا تھا۔ چنانچہ بھیر کے حکم پر راجر ٹرک کی رفتار بتدریج سست کرنے لگا اور ان کے ٹرک اور کارواں کے درمیان فاصلہ بڑھنے لگا۔ جب کارواں ان سے سو گز کے فاصلے تک دور چلا گیا تو راجر نے ایک دم ٹرک کا رخ دوبارہ بڑی سڑک کی طرف موڑ دیا۔ کچھ دور آگے جا کر ایک اور چیک پوسٹ تھی۔ آگے راستے پر بھاری آہنی زنجیر پڑی تھی۔ جب وہ اس کے قریب پہنچے تو "ہالٹ" کی تیز آواز سے ان کا ٹرک رک گیا۔ یہاں لازماً ان کی اچھی طرح سے شناخت کی جانی تھی۔ اب ان کا راز واقعی افشا ہو جاتا۔ چنانچہ جونہی ایک سنتری ٹارچ لئے ٹرک کے قریب آیا فرانسواس نے پوری قوت سے اپنا شکاری چاقو اس کے سینے میں اتار دیا۔ اس کے منہ سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکلی جو اسی دم جاگ اٹھنے والے ہوائی حملے کے سائرنوں کی چنگھاڑ میں دب گئی۔ اس کے ساتھ ہی راجر نے ٹرک چلا دیا اور سڑک پر پڑی ہوئی آہنی زنجیر توڑتا ہوا انتہائی تیز رفتاری سے شہر میں داخل ہو گیا۔ شہر میں بلیک آؤٹ کی وجہ سے مکمل تاریکی اور سناٹا تھا۔ بھیر کے حکم سے اس نے کئی گلیاں گزرنے کے بعد ٹرک ایک ایسی ویران اور اندھیری گلی میں لا کھڑا کیا۔ جہاں سے ان کے ٹارگٹ بالکل قریب تھے۔ یہاں پہنچ کر راجر کے سوا سب ٹرک سے اتر گئے اور اپنے اپنے نشانوں کی سمت روانہ ہو گئے۔

ان کے جانے کے تھوڑی دیر بعد شہر کی مختلف جگہوں سے زبردست دھماکوں کے ساتھ ہی آگ اور دھوئیں کے مہیب بادل آسمان کی طرف لپکنے لگے۔ شہر کا بیشتر علاقہ روشن ہو گیا۔ ہر طرف افراتفری مچ گئی۔ راجر امید و بیم کے درمیان دھڑکتے دل سے ٹرک میں بیٹھا اپنے ساتھیوں کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔ جلد ہی چیٹی لوئیس اس سے آملا۔ اس کے بعد سیموئیل بھی آ گیا۔ پھر فرانسواس بھی برق رفتاری سے دوڑتا ہوا آیا۔ ان لوگوں نے اپنے ٹارگٹ پر صحیح صحیح نشانے لگائے تھے۔ اور اپنی کامیابی پر بے حد مسرور دکھائی دے رہے تھے۔ بھیر اور دیگر ساتھیوں کے انتظار میں یہ سب ٹرک میں چڑھ کر بیٹھ گئے۔ اسی وقت اطالوی فوجیوں کا ایک دستہ زور زور سے باتیں کرتا ان کے ٹرک کی طرف توجہ دیئے بغیر قریب سے گزر گیا۔ یہ سب دم سادھے بھیر کے منتظر رہے۔ پھر دور کسی مشین گن کے چلنے کی آواز سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی انہیں ٹرک سے چند گز دور نیم تاریکی میں بھیر اپنی جانب دوڑتا دکھائی دیا۔ راجر نے ٹرک کا رخ اس کی طرف موڑ دیا۔

"جونہی ٹرک بھیر کے قریب پہنچے، تم اسے اوپر اٹھا لینا۔" اس نے چلا کر پیچھے بیٹھے ہوئے فرانسواس سے کہا۔ ٹرک بھیر کے قریب پہنچا اور فرانسواس اور سیموئیل نے جھک کر اسے ٹرک میں اٹھا لینے کی کوشش کی کہ عقب سے مشین گن چلی اور گولیوں کی شدید بوچھاڑ آئی بھیر کے منہ سے کربناک چیخ نکلی اور وہ لہرا کر زمین پر گر پڑا۔ ٹرک کا پہیہ اس کے جسم پر سے گزر گیا، مگر راجر اس سانحے سے بے خبر ٹرک برق رفتاری سے اڑاتا ہوا آگ اور دھوئیں کے اس شہر سے دور لے آیا۔ راستے میں وہی چیک پوسٹ آئی جہاں وہ ایک سنتری کو موت کے گھاٹ اتار چکے تھے۔ جب وہ پوسٹ کے قریب پہنچے تو بیک وقت کئی سرچ لائٹیں چمکیں۔ اس کے ساتھ ہی ان کے ٹرک پر کئی فائر ہوئے جس سے ٹرک کی ونڈ سکرین اور ہیڈ لائٹیں تباہ ہو گئیں۔ اسی دم چیٹی لوئیس نے ان سرچ لائٹوں پر مشین گن کا فائر کھول دیا۔ سرچ لائٹیں فوراً بجھ گئیں اور چیک پوسٹ کی جانب سے خاموشی چھا گئی۔ شاید ان پر فائر کھولنے والے لوئیس کی گولیوں کا نشانہ بن گئے تھے۔ وہ بہت جلد چیک پوسٹ سے دور نکل آئے، مگر ٹرک کی حالت اب بہت خستہ ہو چکی تھی۔ ان کے فائر خوردہ شکستہ حصے بڑا شور پیدا کر رہے تھے۔ جب ٹرک طبروق سے بہت دور نکل آیا تو راجر نے اپنے عقب میں بیٹھے ہوئے فرانسواس سے بھیر کے بارے میں دریافت کیا۔

"لیفٹیننٹ کس حال میں ہیں؟"

"افسوس۔ وہ اب ہم میں نہیں رہے۔" فرانسواس نے افسردگی سے گردن ہلا کر جواب دیا۔ اس کے بعد اس نے راجر کو بھیر کے ساتھ پیش آنے والے حادثے کے بارے میں بتایا۔ راجر گم سم سا رہ گیا۔ ٹرک میں سوار بھی لوگ اس کی موت پر بے حد اداس دکھائی دے رہے تھے۔ راجر افسردہ دل اور خاموشی سے ٹرک چلاتا رہا۔ دو بجے کے لگ بھگ وہ سیدی رزاق کے قریب پہنچ گئے۔ گاؤں میں پہنچ کر راجر کا ارادہ اس شکستہ ٹوٹے پھوٹے ٹرک سے نجات حاصل کرنے کا تھا۔ مگر گاؤں ابھی کچھ فاصلے پر تھا کہ فرانسواس نے ایک دم راجر کے بازو پر ہاتھ رکھ دیا۔

"ذرا سننا، یہ آواز کیسی ہے!"

راجر نے ٹرک روک کر اس آواز کی طرف کان لگا دیئے۔

"کسی ٹرک کی آواز معلوم ہوتی ہے۔ ہمارا تعاقب شروع ہو چکا ہے، مگر ہم اس ٹوٹے پھوٹے ٹرک میں اپنا سفر جاری نہیں رکھ سکتے۔" اس نے مایوسی سے کہا۔ وہ سب فوراً ٹرک سے نیچے اتر آئے۔ دور افق پر ایک نقطہ سا دکھائی دے رہا تھا۔ جو لحہ بہ لحہ بڑا ہوتا جا رہا تھا۔ وہ ریت کے ایک بلند ٹیلے کے پیچھے چلے گئے اور اپنے آپ کو رائفلوں سمیت سرتاپا ریت میں دھنسا دیا۔

تھوڑی دیر بعد انہوں نے جرمن ہاف ٹریک کے رکنے کی آواز سنی۔ جرمنوں نے برطانوی ٹرک دیکھتے ہی بے تحاشا گولہ باری شروع کر دی۔ کوئی جوابی حملہ نہ ہوا تو وہ اپنے ٹرک سے نکل کر ٹوٹے پھوٹے برطانوی ٹرک کی طرف چلے گئے اور اس میں کسی ذی روح کو نہ پا کر بے حد حیرت زدہ اور اپنی حرکت پر شدید خجل ہوئے۔ ادھر چاروں

دوست ریت میں سے سر نکال کر جرمنوں کی اس خجالت اور بوکھلاہٹ کا نظارہ کر رہے تھے۔ پھر ایک جرمن کو ٹیلے کی طرف بڑھتا دیکھ کر انہوں نے اپنے سر پھر ریت میں چھپا لئے۔

''یہاں کچھ بھی نہیں۔'' انہوں نے اس جرمن کو کہتے سنا۔ اس کی نظر اگرچہ قدموں میں ریت کے چار ڈھیروں پر ضروری پڑی، مگر اس نے ان کی طرف کچھ زیادہ توجہ نہ دی۔ پھر انہوں نے ہاف ٹریک کے جانے کی آواز سنی۔ وہ تھوڑی دیر بعد ریت سے باہر نکل آئے۔ پیٹی لویس کے چہرے پر شدید درد اور تکلیف کے آثار تھے۔ طبروق میں فائرنگ کے وقت ایک گولی اس کے بوٹ اور جراب میں سوراخ کرتے ہوئے پاؤں میں جا گھسی تھی۔ بوٹ کے سوراخ اور جراب میں خون جم چکا تھا۔ سیموئیل نے زخم اچھی طرح صاف کر کے پٹی باندھ دی اور اسے دوبارہ بوٹ پہنا دیا۔ لیکن چونکہ گولی ابھی تک پاؤں میں موجود تھی اسی لئے لویس بڑی تکلیف میں تھا اور لنگڑا کر چل رہا تھا۔ اپنے ٹرک کے سوختہ ڈھانچے کے قریب پہنچ کر وہ اسے حسرت سے دیکھنے لگے۔ ان کا وسیلہ سفر تباہ ہو چکا تھا۔ اب ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہ گیا تھا کہ پیدل مارچ کرتے۔ یہ تجویز سب سے پہلے لویس نے پیش کی تھی، مگر سب کو اس کے زخمی پیر کا خیال تھا کہ ان کا ساتھ نہ دے سکے گا۔

''تم کہتے ہو ہمیں پیدل سفر جاری رکھنا چاہیے مگر یہ تو بتاؤ تم اپنے اس زخمی پاؤں کے ساتھ جس میں سے ابھی تک گولی نکالی نہیں جا سکی، ہمارا کہاں تک ساتھ دے سکو گے۔ پھر تمہیں معلوم نہیں، اس حالت میں پیدل چلنا کتنا نقصان دہ ہے؟''

راجر نے کہا۔

''تو تمہارا خیال ہے ہمیں اس جلے ہوئے ٹرک کے قریب رہ کر کسی معجز کے کے رونما ہونے کا انتظار کرنا چاہیے۔؟'' لویس درشتی سے بولا۔

''ہمیں بہر کیف اپنا سفر جاری رکھنا ہے اور اس جرمن ہاف ٹریک کا تعاقب کرنا ہے۔ اگر ہم اسے حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو ہم آسانی سے العالمین پہنچ سکتے ہیں۔''

لویس کی اس عجیب و غریب تجویز پر سب نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا وہ تعجب سے بولا۔

''تم نے دیکھا نہیں جرمن ہاف ٹریک ست رفتاری سے اپنا سفر جاری رکھے ہوئے تھی۔'' لویس نے کہا ''ہماری تلاشی میں یہ تمام صحرائی راستوں پر خاک چھاننے کے دوران کہیں نہ کہیں رکتی بھی ہو گی۔ اگر ہم نے اسے کہیں رکے ہوئے پالیا اور اس کے عملے پر قابو پانے میں کامیاب ہو گئے، تو ہمیں اس پر قبضہ جمانے میں کوئی دقت پیش نہ آئے گی۔''

©جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 7

"تجویز واقعی عمدہ تھی، سب نے خاموشی سے اس پر صاد کیا۔ راجر نے پانی کا وہ ٹین جو جلے ہوئے ٹرک میں صحیح وسلامت باقی رہ گیا تھا، اپنے کندھے پر لادا اور سب ہاف ٹریک کے پہیوں کے نشانات پر چلتے ہوئے اس کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔ ان کا پیدل سفر تمام رات جاری رہا۔ تینوں دوستوں اور لوئیس کے درمیان فاصلہ برابر بڑھتا جا رہا تھا۔ دن نکلنے تک وہ ان سے تقریباً سو گز پیچھے رہ گیا۔ اس کا جوتا اسے شدید تکلیف دے رہا تھا۔ اور زخمی پاؤں سے درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ وہ اپنے جوتے اور جراب سے نجات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ مگر سیموئیل نے اسے ایسا نہ کرنے دیا۔ کیونکہ اگر وہ بوٹ اور جراب اتار دیتا، تو اس کے زخم میں ریت بھر جاتی۔ جو اس کے لئے انتہائی تکلیف کا باعث بنتی۔ چنانچہ وہ بڑی پامردی اور استقلال سے تکلیف برداشت کر کے اپنے ساتھیوں کے پیچھے پیچھے لنگڑاتا ہوا چلتا رہا۔ صبح ہونے تک وہ کئی میل کا فاصلہ طے کر چکے تھے۔ ان سب کے آگے آگے فرانسواس چلا جا رہا تھا۔ جب وہ ایک بلند ریتلے ٹیلے کے قریب پہنچا تو اس نے اچانک خود کو زمین پر گرا دیا۔ اس کے پیچھے آنے والے باقی ساتھیوں نے بھی فوراً اس کی تقلید کی۔ ٹیلے کی دوسری طرف وہی جرمن ہاف ٹریک کھڑا تھا۔ ایک جرمن سپاہی اس کے قریب کھڑا سگریٹ پی رہا تھا، دوسرا مشین گن صاف کر رہا تھا۔ ایک سپاہی انجن کا بونٹ اٹھائے ٹینکی میں پانی ڈال رہا تھا اور ایک اندر بیٹھا پانی پیتا دکھائی دے رہا تھا۔ چاروں دوستوں نے سرگوشیوں میں طے کیا کہ وہ بیک وقت ان چاروں جرمنوں کو اپنا نشانہ بنائیں گے۔ لوئیس کے حصے میں جو جرمن سپاہی آیا تھا۔ وہ اپنا سگریٹ پھینک کر ٹرک میں جا کر بیٹھ گیا۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے باقی جرمن بھی ٹرک میں جا چڑھے۔ دوسرے ہی لمحے ہاف ٹریک وہاں سے روانہ ہو گیا اور وہ چاروں اسے بے بسی سے جاتے ہوئے دیکھتے رہ گئے۔ اب انہیں پھر ہاف ٹریک کے تعاقب میں طویل مارچ کرنا تھا۔

بیچارہ لوئیس کی حالت بے حد خستہ ہو چکی تھی۔ زخمی پیر کا درد ناقابل برداشت بنتا جا رہا تھا۔ اب کے لئے ایک قدم اٹھانا بھی مشکل ہو گیا تھا۔ اس نے ہاف ٹریک کے تعاقب میں ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ وہ ہرگز اپنے ساتھیوں پر بوجھ نہ بننا چاہتا تھا بلکہ وہیں مر جانا چاہتا تھا۔ اس کے ساتھی اسے تنہا چھوڑنے کو کسی طور پر تیار نہ ہو رہے تھے۔ آخر لوئیس نے حوصلے کا ثبوت دیا اور اس کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ اب اس نے اپنا بوٹ اتار پھینکا تھا اور زخم پر سیموئیل کی مدد سے اچھی طرح سے پٹی بندھوائی تھی۔ اگرچہ اسے چلنے میں آسانی ہو گئی تھی تاہم پاؤں کی تکلیف بھی بے حد بڑھ گئی تھی۔ وہ اپنے ساتھیوں سے کئی گز پیچھے بڑی مشکل سے لنگڑاتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ قدم قدم پر ان کے پاؤں نرم بھربھری ریت میں دھنستے جا رہے تھے۔ لحہ بہ لحہ ان پر شدید تھکن اور پژمردگی غالب آتی جا رہی تھی۔

مسلسل دو گھنٹے تک سفر کرنے کے بعد وہ ایک بلند ٹیلے کے قریب پہنچے، تو انہوں نے ایک دم خود کو زمین پر گرا کر ریت میں دھنسا دیا۔ ان سے تقریباً سو گز کے فاصلے پر دو جرمن ٹرک اور تین جیپیں سست رفتار سے چلتی ہوئی گزر گئیں۔ ان گاڑیوں کے نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد وہ سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ پانی کا ذخیرہ ختم ہونے کو تھا۔ ان سب نے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے پیا، خالی ٹین ایک طرف پھینک دیا اور دوبارہ اپنے سفر پر چل پڑے۔

رات ہو چکی تھی۔ سیاہ آسمان پر جھلملاتے ہوئے ستارے اور صحرا کی ریت کی خوشگوار ٹھنڈک انہیں خواب کے سے ماحول کا احساس دلا رہی تھی اور وہ گویا حالت خواب میں مصروف سفر تھے۔ انہیں چلتے ہوئے زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ ایک بلند ٹیلے کے قریب پہنچتے ہی دفعتاً راجر نے جو سب سے آگے تھا خود کو زمین پر گرا کر ریت میں دھنسا دیا۔ دوسروں نے بھی فوراً اس کی تقلید کی۔ ان سے دو سو گز کے فاصلے پر وہی جرمن ہاف ٹریک کھڑا تھا۔ اس کے قریب ہی ریت پر دو سلیپنگ بیگ بچھے ہوئے تھے۔ ان میں دو جرمن سپاہی محو خواب تھے۔ ایک سپاہی ٹرک کے قریب کھڑا سگریٹ پی رہا تھا۔ اور دوسرا سپاہی اندر موجود تھا۔ چاروں دوستوں نے سرگوشیوں میں ایک ساتھ فائر کرنے کا فیصلہ کیا اور سرکتے سرکتے ہاف ٹریک کے قریب آ گئے۔ جہاں سے انہوں نے ایک ساتھ جرمن سپاہیوں پر فائر کئے۔ گولیاں ٹھیک نشانوں پر لگیں اور چاروں جرمن فوراً مر گئے۔ اسی وقت راجر دوڑتا ہوا ہاف ٹریک کے اندر داخل ہو گیا۔ جہاں ایک جرمن وائرلیس سیٹ کے سامنے بیٹھا اس کے بٹن گھمانے میں مصروف تھا۔ وہ شاید جرمن فوج کا کوئی اہم عہدیدار تھا جس نے گلے میں تمغہ گھمانے میں شجاعت آئرن کراس لٹکا رکھا تھا۔ اس کا چہرہ ذہانت سے بھرپور اور آنکھیں تیز چمکدار تھیں۔ راجر نے اپنی سٹین گن کا بٹ گھما کر اس کے دائیں ہاتھ پر مارا۔ اس ضرب سے جرمن افسر کا کندھا اور ہاتھ زخمی ہونے کے ساتھ ہی وائرلیس سیٹ بھی ٹوٹ پھوٹ گیا۔ اسی لمحے سیموئیل بھی اندر آ گیا۔ اس نے ایک دم بڑھ کر راجر کی سٹین گن چھین لی۔

"پاگل ہو گئے ہو گیا دیکھتے نہیں تم نے کیا حرکت کر ڈالی ہے۔ اب اس ٹوٹے پھوٹے ریڈیو کے ذریعے اپنے ہیڈ کوارٹر سے رابطہ کس طرح قائم کر سکیں گے؟"

"مگر یہ جرمن اس پر ہمارے بارے میں اپنے ہیڈ کوارٹر کو اطلاع دینے کی کوشش کر رہا تھا۔" راجر نے تاسف سے

بولا۔

اسی وقت فرانسواس اور پیٹی اور لوئیس بھی اندر آ گئے۔ ٹرک میں پانی کا خاصہ ذخیرہ موجود تھا۔ ان سب نے پہلے ڈٹ کر پانی پیا۔ پھر جرمن افسر کی فکر ان پر سوار ہو گئی۔ سیموئیل اسے گولی سے اڑا دینے پر تلا بیٹھا تھا۔ کیونکہ جرمنوں کے ہاتھوں اس کے والدین اور بھائی بہنوں کا جو حشر ہوا تھا۔ اس کے انتقام نے اسے بے چین کر رکھا تھا۔ باقی تینوں کی رائے تھی کہ فی الحال اسے اپنے ساتھ لئے چلتے ہیں۔ اگر وہ بخیریت العالمین پہنچ گئے تو وہاں اسے جنگی قیدی بنا لیا جائے گا۔ تینوں دوستوں کے متفقہ فیصلے کے سامنے سیموئیل کو ہار ماننا پڑا، چنانچہ راجر ڈرائیونگ سیٹ پر جا کر بیٹھ گیا۔ اور لوئیس سٹین گن سنبھالے اس جرمن افسر کے سامنے جا بیٹھا۔ جس کے چہرے پر کسی قسم کا تاثر موجود نہ تھا۔ وہ ہر چیز کو خالی خولی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ سیموئیل نے اس کی تلاشی لی۔ جیبوں سے ایک نقشہ اور ایک پستول نکلا۔ جسے سیموئیل نے اپنے قبضے میں لے لیا۔ اس کا شناختی کارڈ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اس جرمن افسر کا نام وان سٹیگل ہے۔ اس کا تعلق آٹھ نمبر آرمرڈ ڈویژن کے سکوارڈن نمبر آٹھ سے تھا، اور عہدے کے لحاظ سے وہ کیپٹن تھا۔

دو گھنٹے تک راجر نقشہ دیکھ دیکھ کر اپنے اندازے کے مطابق العالمین کی طرف ٹرک دوڑاتا رہا۔ جبکہ فرانسواس سویا رہا اور لوئی اور سیموئیل وان سٹیگل کی نگرانی کرتے رہے۔ اس کے بعد فرانسواس نے بیدار ہو کر راجر سے وہیل سنبھال لیا۔ دوپہر کے وقت انہوں نے ایک جگہ رک کر پانی وغیرہ پیا اور وان سٹیگل کو بھی پلایا۔ کچھ دیر ستانے کے بعد وہ پھر اپنے سفر پر چل کھڑے ہوئے۔ شام کے قریب چند جیپوں اور ٹرکوں پر مشتمل ایک جرمن قافلے سے ان کا آمنا سامنا ہو گیا۔ مگر خیریت رہی۔ اور سب ٹرک اور جیپیں ان کی طرف متوجہ ہوئے بغیر قریب سے گزر گئے۔ تھوڑی دور آگے گئے تو ان کا سامنا ایک اور جرمن کارواں سے ہوا۔ یہ بھی کوئی توجہ دیئے بغیر سامنے سے گزر گیا۔ انہیں ڈر تھا کہ اگر کسی جرمن فوجی ٹرک یا جیپ نے انہیں روک کر اتا پتا دریافت کرنے کی کوشش کی تو ایسی صورت میں وہ ہرگز اپنے آپ کو ان کے چنگل میں پھنسنے سے محفوظ نہ رکھ سکیں گے۔ وان سٹیگل کی موجودگی سارا راز افشا کر دے گی۔ چنانچہ آپس میں صلاح مشورے کے بعد فرانسواس نے ٹرک کا رخ موڑا۔ وان سٹیگل ایک دم بول اٹھا۔

''اس طرف مت چلو۔ یہ راستہ خطرناک ہے۔'' اس نے یہ الفاظ نہایت شستہ انگریزی میں کہے۔

''تم اپنا منہ بند رکھو۔'' سیموئیل نے درشتی سے اسے ڈانٹا۔ بھی وان سٹیگل کو تیز نظروں سے گھورنے لگے تھے۔

''مگر اس جگہ ریت بے حد نرم اور بھربھری ہے۔ یہ بھاری ٹرک اس میں دھنس جائے گا۔'' وان سٹیگل پھر بولا۔

''شٹ اپ! تم ہماری ہمدردی میں اپنا منہ تھکانے کی کوشش مت کرو۔''

فرانسواس ڈپٹ کر بولا۔

وان سٹیگل نے سب کو باری باری دیکھا۔ پھر ہر قسم کے تاثرات سے عاری چہرہ لئے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

ٹرک پوری رفتار سے چلا جا رہا تھا۔ انہیں وان سٹیگل کے الفاظ کی سچائی کا اندازہ اس وقت ہوا۔ جب ٹرک کے پہیے بتدریج ریت میں دھنسنے لگے اور اس کی رفتار مدھم پڑنے لگی۔ پھر وہ آہستہ آہستہ رک گیا۔ اس کے چاروں پہیے آدھے سے زیادہ بھربھری ریت میں دھنس چکے تھے۔ انجن کی انتہائی تیز رفتاری بھی ان میں حرکت پیدا کرنے میں ناکام ثابت ہو رہی تھی۔ ان سب نے خجالت بھری چور نظروں سے وان سٹیگل کی طرف دیکھا۔ جو سپاٹ چہرہ لئے کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ انہوں نے اس کا مشورہ نہ مان کر بھیانک غلطی کا ارتکاب کیا تھا۔ اور اب وہ سب امید بھری نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہے تھے، کہ شاید انہیں اس مشکل سے نجات دلانے کی کوئی ترکیب بتائے۔

پھر راجر نے ٹرک کو ریت میں مزید دھنسنے سے بچانے کے لئے انجن بند کر دیا۔ وان سٹیگل نے باری باری سب کی طرف دیکھا اور اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔

''جس قدر سامان ٹرک سے باہر نکالا جا سکے، نکال لینا چاہیے۔ یوں ٹرک میں بوجھ کم ہونے کے سبب اس کے پہیوں کو ریت سے نکالنا آسان ہو جائے گا۔''

وان سٹیگل کی اس تجویز سے کسی نے اختلاف نہ کیا۔ سب اس کے ساتھ ٹرک سے باہر نکل آئے اور اس میں لدا ہوا بھاری اسلحہ اور پیٹیاں وغیرہ ٹرک سے اتار اتار کر باہر رکھنے لگے۔ وان سٹیگل بھی اس کام میں ان کا ہاتھ بٹا رہا تھا اور کام کے دوران بھی ان چاروں کی نظریں لمحہ بھر کے لئے بھی اس پر سے نہ ہٹی تھیں۔ وہ اس کی طرف سے پوری طرح چوکس اور چوکنے تھے۔

جب کافی سامان نیچے اتارا جا چکا تھا تو وان سٹیگل کے کہنے پر لوئیس کے سوا تینوں دوست بیلچے لئے ٹرک کے پہیوں کے اردگرد سے ریت ہٹانے میں جٹ گئے۔ وان سٹیگل بھی اس کام میں ان کا ساتھ دے رہا تھا۔ جب پہیوں کے گرد سے ریت بڑی حد تک ہٹائی جا چکی اور پہیے پوری طرح نمایاں ہو گئے۔ تو وان سٹیگل کی ہدایت پر راجر

نے ٹرک کو انتہائی احتیاط سے آہستہ آہستہ پیچھے کی طرف موڑا۔ جب ٹرک نسبتاً بھربھری جگہ پر پہنچ گیا تو انہوں نے ضروری سامان اس میں لادا، باقی سامان غیر ضروری سمجھتے ہوئے وہیں چھوڑا اور دوبارہ ٹرک میں سوار ہو گئے اور جلد ہی بڑی صحرائی سڑک پر آپہنچے۔ وان سٹینگل ان دوران میں خاموش بیٹھا رہا۔ جب راجر نے العالمین جانے والی سڑک کا موڑ کاٹا تو وہ پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

''تم لوگ کس طرف جا رہے ہو؟''

''العالمین......'' سیموئیل نے جواب دیا۔

یہ سن کر وان سٹینگل کے چہرے پر کسی قسم کا تاثر نہ ابھرا اور وہ چپ چاپ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ وہ بھلا کیا ہی کر سکتا تھا؟ وہ ان لوگوں کے درمیان ایک قیدی تھا اور العالمین پہنچ کر بھی قیدی ہی ہوتا۔

سفر تمام رات جاری رہا۔ سپیدہ سحر نمودار ہوا تو سڑک کے انجن سے ہلکا ہلکا دھواں خارج ہونے لگا۔ راجر ٹرک روک کر نیچے اترا۔ اس نے بونٹ اٹھا کر اندر جھانکا۔ ریڈی ایٹر میں پانی کی ایک بوند بھی باقی نہ تھی۔ اب کیا کیا جا سکتا تھا؟ کافی بحث و تمحیص کے بعد انہوں نے فیصلہ کیا کہ انہیں اپنے پینے کا تمام پانی جو ٹرک میں موجود تھا، ریڈی ایٹر میں ڈال دینا چاہیے اور مزید پانی حاصل کرنے کے لئے کسی نخلستان کا رخ کرنا چاہیے، چنانچہ راجر نے تمام پانی ریڈی ایٹر میں ڈالا دیا۔ پھر ان سب نے وان سٹینگل کے سامنے قدرے جھجکتے ہوئے اپنی برطانوی وردیاں اتار کر جرمن فوجی وردیاں پہن لیں۔ اس دوران بھی وان سٹینگل بدستور خاموش رہا۔ اس کام سے فارغ ہو کر انہوں نے نقشہ دیکھا۔ ایک نخلستان اس جگہ سے قریب ہی موجود تھا، چنانچہ راجر نے ٹرک کا رخ اس طرف موڑ دیا۔ بہت دیر سفر کرنے کے بعد انہیں نے نخلستان کے آثار دکھائی دینے لگے۔ تو راجر نے ٹرک کو اس سے کافی فاصلے پر کھڑا کر دیا۔ سیموئیل اور فرانسواس پانی کے ٹین ہاتھوں میں لئے نخلستان کی طرف روانہ ہو گئے۔ جبکہ راجر اور لوئیس وان سٹینگل کے ساتھ ٹرک میں رہے۔ وان سٹینگل کی طرف سے چونکہ انہیں خطرہ تھا کہ اگر کہیں کوئی جرمن اس طرف نکل آیا تو وان سٹینگل ضرور کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کرے گا۔ لہٰذا اس خطرے کا سدباب کرنے کے لئے لوئیس نے وان سٹینگل کے سر پر بندوق کا بٹ مار کر اسے بے ہوش کر دیا اور اسے ٹرک کے فرش پر لٹا کر اس کے اوپر کینوس کے تھیلے اور خیمے وغیرہ ڈھیر کر دیئے۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ اپنی رائفل سنبھالے راجر کے پاس آکر بیٹھ گیا۔

نخلستان میں کھجور کے درختوں کے جھنڈ کے نیچے بے شمار جرمن جیپیں اور ٹرک کھڑے تھے۔ اس کے علاوہ وہاں جرمن ٹینکوں اور توپوں کی بھی خاصی تعداد موجود تھی۔ وہاں بے شمار جرمن سپاہی بیٹھے گپیں لگانے اور چلنے پھرنے میں مصروف تھے۔ انہوں نے سیموئیل اور فرانسواس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ جب دونوں اپنے ٹین لئے چشمے کی قریب پہنچے تو دو جرمن سپاہی دوستانہ مسکراہٹ لئے ان کی طرف بڑھ آئے۔

''کہو بھئی کس یونٹ سے تعلق رکھتے ہو؟''

باوجود جرمن زبان جاننے کے سیموئیل پسینے میں نہا گیا، مگر اسے وان سٹینگل کے شناختی کارڈ پر درج اس کی یونٹ کا نام و پتہ یاد تھا لہٰذا اس نے وہی بتا دیا۔

''سکواڈرن نمبر ۸۔ آرمرڈ ڈویژن نمبر ۸۔''

''بہت خوب'' اس جرمن سپاہی نے خوش ہو کر پہلے سیموئیل سے پھر فرانسواس سے ہاتھ ملایا اور انہیں چشمے سے پانی بھرنے میں مدد دی۔ اتنے میں اس کا ساتھی دو اور ٹین لئے ہوئے آ گیا۔ انہوں نے وہ ٹین بھی پانی سے بھرے اور سیموئیل اور فرانسواس کے ساتھ ان کی ہاف ٹریک کی سمت روانہ ہو گئے۔ وہاں انہوں نے ریڈی ایٹر میں پانی بھرا اور باقی پانی ٹرک میں موجود پانی کے خالی ٹین میں ڈال دیا۔ اس کے بعد ان جرمنوں نے باری باری ان چاروں دوستوں سے ہاتھ ملایا۔

''تمہارا سفر بخیر ہو دوستو۔ زندگی رہی تو پھر ملیں گے۔''

سیموئیل نے بھی اپنے دوستوں کی جانب سے ان کے لئے جرمن زبان میں ایسی ہی نیک خواہشوں کا اظہار کیا۔ اس کے بعد وہ نخلستان سے روانہ ہو گئے۔ اس مرتبہ راجر نے ٹرک کی رفتار انتہائی تیز رکھی۔ وہ بہت جلد نخلستان سے دور نکل گئے۔ جب انہیں جرمنوں کی پہنچ سے دور نکل جانے کا اطمینان ہوا تو انہوں نے تھیلے اور خیمے وغیرہ ایک طرف ہٹا کر سٹینگل کو دیکھا۔ وہ ہوش میں آچکا تھا۔ ان کے کہنے پر وہ خاموشی سے اٹھ کر اپنی جگہ پر آ بیٹھا۔ اس کا چہرہ حسب معمول سپاٹ تھا۔

تمام دن سفر کرتے رہنے کے بعد شام ہونے کے قریب انہوں نے کسی ہوائی جہاز کی گڑگڑاہٹ کی آواز سنی۔ فرانسواس فیلڈ دوربین سنبھالے ٹرک کی چھت پر جا چڑھا۔ اس نے فیلڈ دوربین کی مدد سے افق پر دیکھنے کے بعد انہیں یہ مژدہ جانفزا سنایا کہ ایک برطانوی طیارہ ان کی طرف آ رہا ہے۔ ان سب نے فرط مسرت سے بیتاب ہو کر اپنی قمیض اتار کر طیارے کی طرف لہرانی شروع کر دیں۔ مگر جہاز ان کے سروں پر زبردست گڑگڑاہٹ پیدا کرتا ہوا گزر گیا۔ اس کے ساتھ ہی ان کے ٹرک سے کچھ دور ایک بم پھٹا۔ یہ امر ایسا غیر متوقع تھا کہ وہ سب حیرت زدہ رہ گئے۔

''ہماری فضائیہ کا یہ پائلٹ لازماً پاگل معلوم ہوتا ہے۔ بھلا اسے اپنی فوج کے سپاہیوں پر بمباری کرنے کی کیا سوجھی تھی؟'' راجر تلخی سے بولا۔

''بھلے آدمیو! تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ تم ایک جرمن ٹرک میں سفر کر رہے ہو۔ جس کے باہر سواستیکا کے نشانات بنے ہوئے ہیں۔ اس طرح تمہارا پائلٹ یہی سمجھ رہا ہوگا کہ اس ٹرک میں جرمن سوار ہیں، وان سٹینگل بولا۔

اور سب کو جیسے ایک دم ہوش آ گیا۔ برطانوی طیارہ پھر چکر لگا کر ان کی طرف آ رہا تھا اور انہیں اس کی رسائی سے دور پہنچنا ضروری تھا۔ چنانچہ راجر نے ٹرک ریت کے ٹیلوں کی سمت تیزی سے دوڑاتے ہوئے اسے ان کے درمیان پھنسا دیا۔ اسی دم جہاز نے ایک غوطہ لگایا۔ چند بم ان کے ٹرک سے کچھ فاصلے پر ریت کے ٹیلوں پر آ کر گرے۔ ریت کا ایک شدید طوفان سا اٹھا جس نے ان کی نظروں کے سامنے ہر چیز کو دھندلا دیا۔ جب یہ گرد چھٹی تو جہاز نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ اس کی آواز سنائی دینا بھی بند ہو چکی تھی۔ شاید پائلٹ اپنے طور پر سمجھ بیٹھا تھا کہ وہ جرمن ہاف ٹریک کو تباہ کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔

بیچارے لوئیس کی حالت انتہائی خستہ تھی۔ اس کا زخمی پیر بری طرح سے سوجھ چکا تھا۔ یہ سوجن اس کے گھٹنے سے اوپر تک پہنچ چکی تھی۔ زخم کے سڑنے کی وجہ سے اس میں ناقابل برداشت قسم کی بو پیدا ہو چکی تھی۔ کربناک درد کی ٹیسوں سے کراہتا ہوا لوئیس اس وقت جانکنی کی حالت میں مبتلا تھا۔ سب اس کی حالت دیکھتے ہوئے شدید دکھ محسوس کر رہے تھے مگر وہ بالکل بے بس تھے۔ وہ لوئیس کی جان بچانے کے لئے کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ سیموئیل کا بار بار زخم صاف کرنا اور اس کے حلق میں پانی اتارنا بھی رائیگاں جاتا معلوم ہو رہا تھا۔ اس کی جان صرف جلد از جلد العالمین پہنچ کر ہی بچائی جا سکتی تھی۔ جہاں ہر طرح کی جراحی اور علاج و معالجے کی سہولتیں میسر تھیں۔ مگر ابھی العالمین سینکڑوں میل کی مسافت پر تھا اور لوئیس کی قسمت میں بھی زیادہ دیر تک زندہ رہنا نہ لکھا تھا۔ رات بھر شدید تکلیف اور عذاب میں مبتلا رہنے کے صبح ہوتے ہی اس نے دم توڑ دیا۔ اس کے ساتھیوں نے ٹرک روک کر ایک ٹیلے کے نزدیک ریت میں خاموشی سے اس کی قبر کھودی اور اسے اس میں لٹا کر اوپر ریت ڈال دی۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد سب سے پہلے وان سٹینگل نے ایک طرف ہٹ کر اس کی قبر کو تعظیماً سیلوٹ کیا۔ پھر سب نے بھی اس کی تقلید کی۔ اس کے بعد بوجھل قدموں سے چلتے ہوئے یہ چاروں دوبارہ ٹرک میں آ بیٹھے۔ سفر پر روانہ ہونے سے پہلے انہوں نے جرمن وردیاں اتار کر اپنی برطانوی فوجی وردیاں دوبارہ پہن لیں اور العالمین کی سمت روانہ ہو گئے۔ جہاں اس وقت جرمنوں اور اتحادیوں کے درمیان فیصلہ کن جنگ شروع ہو چکی تھی۔

تمام دن تمام رات وہ برابر سفر کرتے رہے۔ اس دوران وان سٹینگل بے حد بے چین رہا۔ شاید وہ اپنے انجام سے خوفزدہ تھا۔ اس کی نظریں بار بار افق کو کھوجنے لگتی تھیں۔ فرانسواس فیلڈ دوربین چڑھائے ٹرک کی چھت پر بیٹھا سامنے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ شام ہونے کے قریب اسے اتحادی کیمپوں کی دھندلی دھندلی سی تصویریں دکھائی دینے لگیں۔ وہ منزل مقصود کے قریب ہوتے جا رہے تھے۔ پھر یکایک اس نے راجر سے ٹرک روک دینے کو کہا اور چھت سے اتر کر اس کے پاس آ گیا۔

''چند برطانوی ٹرک اس طرف چلے آ رہے ہیں۔ ان پر توپیں نصب ہیں۔ ان کے قریب پہنچنے سے پہلے ہمیں اپنے جرمن دوست کو نکل جانے کا موقع دینا چاہیے۔'' اتنا کہہ کر اس نے باری باری سیموئیل اور راجر کی طرف دیکھا۔ ان کے چہروں پر عجیب ناقابل بیان قسم کے تاثرات پھیل گئے تھے۔ پھر وہ جلدی سے ٹرک کا دروازہ کھول کر باہر کود گئے۔ وان سٹینگل کچھ نہ سمجھتے ہوئے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ فرانسواس تیزی سے اس کی طرف مڑا۔

''جلدی سے ڈرائیو سیٹ پر بیٹھ جاؤ کیپٹن اور جس قدر جلد ہو سکے، اس جگہ سے واپس چلے جاؤ۔ خدا تمہارا نگہبان ہو'' اتنا کہتے ہوئے فرانسواس نے ٹرک سے چھلانگ لگا دی۔

وان سٹینگل کے چہرے پر جذبۂ احسان مندی روشنی بن کر بکھر گیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ تیزی سے ڈرائیو سیٹ پر جا بیٹھا اور ٹرک سٹارٹ کرتے ہوئے اسے تیزی سے واپسی کے لئے موڑا۔ اس وقت تک برطانوی توپ بردار ٹرک قریب آ پہنچے تھے۔ انہوں نے اس جرمن ٹرک پر بے تحاشا گولہ باری شروع کر دی۔ ٹرک کو کئی گولے آ کر لگے۔ ٹرک وان سٹینگل کے قابو سے باہر ہو کر سیدھا ایک پہاڑی سے جا ٹکرایا اور ایک گڑھے میں گر کر الٹ گیا۔ تینوں دوست جو ایک ٹیلے کے نیچے دبکے سانس روکے یہ نظارہ دیکھ رہے تھے، دوڑ کر الٹے ہوئے ٹرک کے قریب جا پہنچے۔ اس کا دروازہ ٹوٹ چکا تھا اور وان سٹینگل اس میں سے نکل کر پہیے کے نیچے دبا ہوا تھا۔ اس کا نچلا دھڑ پوری طرح ریت میں دھنس چلا تھا۔ باقی حصہ جو ریت سے باہر تھا خون میں لت پت تھا۔ وہ ابھی تک زندہ تھا۔ جب وہ تینوں اس کے قریب پہنچے تو اس نے اپنی دھندلائی ہوئی آنکھیں کھول کر ان کی طرف دیکھا۔ ان میں اخوت

اور محبت کے بے پناہ جذبات کے ساتھ ایک پیغام بھی تھا۔ ''امن..... امن..... امن.....''

سیموئیل احتیاط سے وان سٹیگل کی طرف بڑھا اور ایک جلتی ہوئی سگریٹ اس کے کھلے ہوئے ہونٹوں میں دے دی۔ وان سٹیگل نے آہستہ آہستہ سگریٹ کا ایک کش لگایا۔ اس کے بعد سگریٹ اس کے ہونٹوں سے نکل کر سینے پر پھسلتی ہوئی ریت میں جا گری۔ اس کے ساتھ ہی وان سٹیگل کی آنکھیں ہمیشہ کے لئے بند ہو گئیں۔ تینوں دوست آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس سے کچھ فاصلے پر کھڑے ہو گئے۔ اور تعظیماً سیلوٹ کیا۔ اسے جو جنرل رومیل کی صحرائی فوج کا ایک کپتان تھا۔

تعاقب

کیمپ کے مفرور قیدی یوری کی منزل لمحہ لمحہ قریب آتی جا رہی تھی۔ یہ ستمبر کے آخری ایام تھے اور وہ سخت سرد علاقے سے نسبتاً گرم علاقے میں پہنچ گیا تھا۔ اس کے تن پر مانگے کے کپڑے اور پاؤں میں ٹوٹے ہوئے جوتے تھے۔ جنہیں اس نے دھجیوں سے باندھ رکھا تھا۔ کبھی اسے زندگی کی بہت سی آسائشیں حاصل تھیں وہ ماسکو میں رہتا تھا اس نے یونیورسٹی سے ڈگری لی تھی اور ایک اہم ادارے میں ملازم ہو گیا تھا۔ پھر اس نے جینا سے شادی کر لی تھی اور اس کی زندگی میں پیار کے سارے رنگ کھل گئے تھے۔ لیکن اچانک ہی یہ سارے رنگ بکھر گئے صرف اس لئے کہ وہ ایک باضمیر آدمی تھا اور کبھی کبھی حکومت کے فیصلوں پر تنقید کر دیا کرتا تھا۔ اس جرم کی سزا میں اسے پرم کیمپ بھیج دیا گیا۔

پرم کیمپ وہ عقوبت گاہ تھی جہاں انسان موت کی آرزو میں زندہ رہتے تھے۔ مشقت و صعوبت نے یوری کو بھی موت کی دعائیں مانگنے پر مجبور کر دیا تھا کہ اتنے میں امریکہ کے جاسوس ادارے سی آئی اے نے اس سے رابطہ قائم کیا اور اسے پانچ دوسرے قیدیوں کے ساتھ پرم سے فرار کی دعوت دی۔ وہ اس دعوت کو ٹھکرا دیتا لیکن جب اسے یہ یقین دلایا گیا کہ اس کی بیوی جینا امریکہ پہنچ چکی ہے۔ تو وہ فرار پر رضامند ہو گیا اور ایک روز اسے پانچ دوسرے قیدیوں کے ساتھ اس عقوبت گاہ سے فرار کرا دیا گیا۔

پرم کیمپ سے فرار کے بعد ہر قیدی کے لئے مختلف راستے تجویز کئے گئے تھے۔ اس لئے وہ تنہا سفر کر رہا تھا۔ اب اس کی منزل گاگرا قریب آ چکی تھی۔ یہ جنگل عبور کرتے ہی گاگرا کی حدود میں داخل ہونے والا تھا کہ اچانک عقب سے ہونے والے ایک کھٹکے نے اس کے پاؤں روک دیے ''خداوند..... کیا تقدیر منزل پر پہنچنے کے بعد مجھے دھوکا دینے والی ہے؟'' اس نے سوچا اور ان دیکھے دشمن کا انتظار کرنے لگا۔ اس کا ہاتھ اس ٹیپ پر تھا جو فرار ہوتے وقت اسے دی گئی تھی اور آنکھیں درختوں اور جھاڑیوں پر لگی ہوئی تھیں جن کے پیچھے اسے کھٹکا سنائی دیا تھا۔

لمحے چپ چاپ گزرتے رہے۔ وہ وہیں کھڑا نادیدہ دشمن کی راہ دیکھتا رہا مگر جب کافی دیر بعد بھی کوئی سامنے نہ آیا تو وہ آگے چل پڑا۔

گاگرا، روس کا معدنی چشموں والا صحت افزا مقام ہے۔ جہاں لوگ تعطیلات منانے آتے ہیں۔ یوری نے گاگرا کے پہاڑی ڈھلوان پر بنے ہوئے مکانات پر نظر ڈالی اور ذہن میں اس نقشے کی یاد تازہ کرنے لگا جو اس نے روانگی سے پہلے جلا دیا تھا۔ پھر اسے وہ تین گھر دکھائی دے گئے۔ جو شرقی جانب سب سے الگ تھلگ تھے۔ اسے سب سے اوپر بنے ہوئے گھر میں جانا تھا۔ جہاں اس کے ہمدرد اس کے منتظر تھے۔

یوری نے دروازے پر دستک دی تو ایک درشت چہرے والے آدمی نے دروازہ کھولا اور جب یوری نے اسے خفیہ کوڈ بتایا تو اسے اندر جانے کی اجازت مل گئی۔ وہ تھکن سے چور لڑکھڑاتا ہوا ایک بڑے کمرے میں پہنچا جہاں کھڑکیوں پر پڑے ہوئے بھاری پردوں کے باعث اندھیرا سا چھایا ہوا تھا۔ وہ ایک آرام کرسی پر گر پڑا۔ اس کا حلق خشک ہو رہا تھا اور آنتیں بھوک سے بل کھا رہی تھیں۔ لیکن پہلے اسے آرام کی ضرورت تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور چند لمحوں میں گہری نیند سو گیا۔

نہ جانے کتنی دیر بعد اس نے نیند میں آواز سنیں ''یوری..... یوری..... جاگو بڑی مشکل سے اپنی بوجھل پلکیں اٹھا کر اس نے دیکھا۔ ایک آدمی اس کا کندھا جھنجھوڑ رہا تھا۔ اس کے تین ساتھی اس کے پیچھے کھڑے تھے۔

''یوری تم ٹیپ لائے ہو؟'' آدمی نے پوچھا تو یوری نے اپنی جیکٹ کی اندرونی جیب کی طرف اشارہ کر دیا۔ اس کے ہاتھوں میں اتنی سکت بھی نہیں تھی کہ وہ خود ٹیپ نکالتا۔

اس آدمی نے ہاتھ بڑھا کر ٹیپ اس کی جیب سے نکال لیا اور سر ہلایا۔ اس کے پیچھے کھڑے ہوئے تین ساتھی ایک طرف ہٹ گئے اور ان کے عقب سے ایک نیا شخص بڑھ کر سامنے آ گیا۔ اس نے ایک سب مشین گن تھام رکھی تھی۔ یوری نے سرد نظروں سے انہیں دیکھا اور اسی طرح بے حس و حرکت بیٹھا۔ وہ موت سے بھاگتا رہا تھا لیکن اب خوفزدہ نہیں تھا۔ وہ انہیں پہچان چکا تھا۔ یہ روسی خفیہ پولیس کے جی بی کے آدمی تھے۔ مسلح شخص نے مشین گن اٹھائی اور یوری پر فائر کھول دیا۔ یوری کو مرنے میں چند سیکنڈ سے زیادہ نہیں لگے لیکن مرنے سے پہلے اسے مسکرانے کی مہلت مل گئی تھی۔ وہ فتح کا احساس لئے مرا تھا۔ اسے دھوکا دینے والے خود بھی فریب کا شکار ہو گئے تھے۔ یوری کا ٹیپ خالی تھا..... بے آواز.....

پیٹر ایک بھیانک خواب دیکھتے ہوئے اچانک بیدار ہو گیا۔ اس نے اپنا سر جھٹک کر چاروں طرف دیکھا۔ وہ واشنگٹن میں اپنے فلیٹ میں تھا، پیرس کے یتیم خانے میں نہیں۔ وہ ہالینڈ میں پیدا ہوا تھا۔ دوسری عالمی جنگ میں اس کے والدین مارے گئے تھے۔ ایک اجنبی اسے ہالینڈ سے ڈنمارک اور پھر فرانس لے گیا جہاں اس نے پیٹر کو ایک یتیم خانے سے نکال کر اپنے ساتھ امریکہ لے آیا۔ کامپٹن نے اسے اعلیٰ تعلیم دلوائی تھی اور اپنی بیٹی سونیا کی طرح عزیز رکھا تھا کامپٹن اس کا رہنما تھا، باپ تھا اور بے تکلف دوست بھی۔ اب پیٹر جوان تھا اور امریکہ میں اسسٹنٹ سیکرٹری آف اسٹیٹ برائے حقوق انسانی کے عہدے پر فائز۔ خود کامپٹن اس عرصے میں اپنی قابلیت اور رسوخ کی بنا پر سیکرٹری آف اسٹیٹ بن چکا تھا۔ پیٹر نے ایک بار پھر سر جھٹک کر خواب کا اثر زائل کرنے کی کوشش کی۔ وہ حیران تھا کہ ایسے وقت جبکہ اسے اپنے خوابوں کی تعبیر ملنے والی تھی کہ اپنے بچپن کے ہولناک دور کو خواب میں دیکھنے کی کیا تک تھی۔ ہوش سنبھالتے ہی اس نے دنیا کو جنگ کی لپیٹ میں دیکھا تھا۔ اسے بھوک، تنہائی اور ظلم کے بے شمار تجربے ہوئے تھے۔ دنیا میں قیام امن کو اس نے اپنی زندگی کا مشن بنا لیا تھا۔ اب امریکہ اور روس کے درمیان قیام امن کے لئے ایک معاہدہ ہونے والا تھا۔ جس کی تفصیلات کامپٹن اور روسی وزیر خارجہ کے درمیان طے ہو چکی تھیں۔ ست اکتوبر کو یوگوسلاویہ کے جزیرے کارکولا میں کانفرنس شروع ہو رہی تھی۔ جس کے اختتام پر امریکی صدر اور روسی وزیراعظم نے دنیا کو پرامن دور شروع ہونے کی خوشخبری سنائی تھی اور اس معاہدے پر دستخط کرنے تھے۔ روس اس بار غیر معمولی مراعات دے رہا تھا۔ تقریر و تحریر کی آزادی، سرحدیں عبور کرنے یا ملک چھوڑ دینے کی پابندی کا خاتمہ اور تمام سیاسی قیدیوں کی رہائی۔ آہنی پردہ اب اٹھنے کو تھا۔ حکومت روس اس بات پر رضامند ہو گئی تھی کہ عالمی شہرت یافتہ چھ سیاسی قیدی خیر سگالی کے جذبے کے طور پر سب سے پہلے رہا کر دیئے جائیں گے۔ یوری ان چھ قیدیوں میں سے ایک تھا۔

اتنے میں قریب رکھے ہوئے ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے لگی۔ پیٹر نے فون اٹھایا۔ ''ہیلو۔'' ''پیٹر تم سخت کمینے انسان ہو'' ریسیور میں سے آواز آئی۔

پیٹر نیلی آنکھوں اور سنہرے بالوں والی سونیا کی خوبصورت آواز سن کر مسکرایا ''شاید میں نے تمہیں ناراض کر دیا ہے'' اس نے کہا۔

''میں تم سے بہت خفا ہوں۔ تم نے وعدہ کیا تھا کہ مجھے ڈنر پر لے جاؤ گے اور اب ڈیڈی نے اطلاع دی ہے کہ کل ہمیں یوگوسلاویہ کے سفیر کرسنگ کے ساتھ اوپیرا دیکھنے جانا ہے۔''

پیٹر ہنسا ''تو اس میں میرا کیا قصور ہے ڈارلنگ؟ اپنے ڈیڈی سے پوچھو جنہوں نے ہمارا پروگرام تباہ کیا ہے۔'' وہ کارکولا امن معاہدے کے سلسلے میں بہت مصروف رہا تھا اور سونیا سے اس کی بہت کم ملاقات ہوئی تھی۔ ''خیر کوئی بات نہیں۔ یہ سیاسی مجبوریاں ہیں۔ بہرحال ہم دونوں اوپیرا میں تو ساتھ ہی ہوں گے۔ وہاں سے فراغت کے بعد ڈنر کا وقت بھی شاید نکل آئے۔ کچھ غصہ کم ہوا تمہارا؟''

وہ ہنسی ''پیٹر تم انتہائی نامعقول شخص ہو لیکن پھر بھی پتہ نہیں کیوں مجھے تم سے محبت ہے۔''

پیٹر اپنے دفتر میں بیٹھا سامنے لگا ہوا پوسٹر دیکھ رہا تھا۔ پوسٹر میں چھ خوفزدہ انسان۔ چار مرد اور دو عورتیں سلاخوں کے پیچھے کھڑے دکھائے گئے تھے۔ یہ چھ قیدی اب آزاد ہونے والے تھے۔ لیکن پیٹر نے یہ پوسٹر یونہی دیوار پر لگا رہنے دیا تھا۔ اسے ان چھ قیدیوں کے نام زبانی یاد تھے۔ یوری، ماریا، نکولائی، سمولیو، نینا اور ولاڈی۔

''پیٹر! میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔''

اس کی نگاہیں پوسٹر سے ہٹ کر آنے والے پر پڑیں۔ ''آؤ ڈینیل۔ کہو کیا بات ہے؟''

ڈینیل اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ پچاس سال کا ایک مضبوط جسم آدمی تھا۔ ایک روسی نژاد جو دوسری جنگ عظیم کے وقت اسے امریکہ میں آباد تھا اور اب پیٹر کے محکمے میں بین الاقوامی تعلقات کا افسر تھا۔ اس نے امریکی شہریت اختیار کر لی تھی اور واپس جانے کا کوئی ارادہ نہ رکھتا تھا۔

ڈینیل نے کہا ''ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ ناروے کی سرحدوں کے قریب روسی فوجیں جمع ہو رہی ہیں۔ ادھر نیٹو کی فوجی مشقیں بھی اس سال ملتوی کر دی ہیں۔ ان دونوں باتوں کو یکجا کر کے دیکھا جائے تو ایک عجیب سا احساس پیدا ہوتا ہے۔ میں اس احساس کی وضاحت نہیں کر سکتا لیکن میرا دل بے چین ہے۔''

''یہ بات اتنی اہم نہیں'' پیٹر نے جواب دیا ''ناروے کو اس سے کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا۔ رہیں نیٹو کی فوجی مشقیں تو اس کی وجہ بھی بالکل سادہ ہے۔ ہم اس سال پٹرول کی بچت کر رہے ہیں۔ ان مشقوں پر خواہ مخواہ کروڑوں بیرل ایندھن صرف ہو جاتا ہے۔'' وہ ڈینیل کو دلاسہ دے رہا تھا۔ اسے علم تھا کہ فوجی مشقیں معاہدہ کارکولا کو کامیاب

بنانے کے لیے ترک کی گئی ہیں۔امریکہ روس کو جنگ کا تاثر نہیں دینا چاہتا تھا۔
''ایک بات اور بھی ہے'' ڈینیل نے کہا'' روسیوں نے مشرقی جرمنی کی سرحد کے قریب مغربی جرمنی کا ایک مسافر بردار طیارہ مار گرایا ہے اور بعد میں معذرت کر لی ہے کہ یہ محض ایک حادثہ تھا۔''
''تمہیں اس میں کوئی خاص بات نظر آ رہی ہے۔کیا؟'' پیٹر نے پوچھا۔
''بہت خاص بات'' ''ڈینیل نے کہا'' ''مجھے معاہدہ کارکولا کی فکر ہے۔اس معاہدے کی جزیات طے کرنے سے پہلے روس اور امریکہ کے تعلقات ہرگز خوشگوار نہیں تھے۔انگولا،ایتھوپیا کمبوڈیا اور ویت نام کے جھگڑے،لاطینی امریکہ میں روسی فوجی مراکز اور بعد میں ایران و افغانستان۔ظاہر ہے کہ سارا ہنگامہ تیل پیدا کرنے والے ممالک اور خلیج فارس پر کنٹرول کا تھا پھر اچانک کامپٹن نے نئی سطح پر امن کا فارمولا پیش کیا۔معاہدہ کارکولا کو روسی حیرت انگیز طور پر مان گئے۔اول تو مجھے روسیوں کی نیت پر شبہ ہے۔اگر ان کی نیت درست بھی تھی تو ناروے کی سرحدوں پر فوجیں جمع کرنے اور مغربی جرمنی کا سول طیارہ مار گرانے سے ان کی نیت کا فتور ظاہر ہو جاتا ہے۔''
''کامپٹن کو یہ سب معلوم ہے لیکن اسے یہ معاہدہ خطرے میں نظر نہیں آتا'' پیٹر نے تاویل پیش کی۔
''کامپٹن کے روسی رویے میں زیادہ متفکر ہوں۔'' ڈینیل نے کہا'' مجھے تو ایسا لگتا ہے جیسے وہ جان بوجھ کر روسیوں کی حرکتیں نظر انداز کر رہا ہے۔روسیوں کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنا ہوا ہے۔''
''خدا کی پناہ ڈینیل! تم کیا کہنا چاہتے ہو؟'' پیٹر نے حیرت سے پوچھا۔
ڈینیل نے گہرا سانس لیا'' یہ معاہدہ اتنا خوبصورت دکھائی دیتا ہے۔کہ اس کی حقیقت پر یقین نہیں آتا۔''
امریکی صدر کی دفتر میں کشیدگی تھی۔کامپٹن صدر کے سامنے بیٹھا امریکی بحریہ کی وہ رپورٹ پڑھ رہا تھا جو صدر نے اسے دی تھی۔صدر نے غصے سے کہا'' کیا یہ روسیوں کی طرف سے جنگ کی ابتدا نہیں ہے۔؟''
رپورٹ پڑھ کر کامپٹن کے دل کی حالت غیر ہو رہی تھی لیکن وہ بظاہر پرسکون نظر آ رہا تھا۔رپورٹ میں لکھا تھا کہ شامی بحریے نے امریکہ کے ایک جنگی جہاز کو گھیرے میں لے کر طرطوس کی بندرگاہ میں پہنچا دیا ہے۔امریکی جہاز بحیرہ روم میں اپنے معمول کے گشت پر تھا کہ شامیوں نے بغیر وارننگ کے اسے گھیرے میں لے لیا۔جہاز کا کیپٹن اور عملہ زیر حراست تھا۔
''میں حیرت ہوں کہ شامیوں کی اس حرکت کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔'' کامپٹن بولا۔
''مقصد یہ ہے کہ معاہدہ کارکولا خطرے میں پڑ جائے'' صدر نے کہا'' یا تو شامیوں کو اس معاہدے کا علم ہو گیا ہے اور وہ کارکولا کانفرنس کو ناکام بنانا چاہتے ہیں اور یا پھر روسیوں کو یہ معاہدہ منظور نہیں اور شامیوں نے یہ حرکت ان کے اشارے پر کی ہے۔''
کامپٹن نے نفی میں سر ہلا'' یہ ناممکن ہے،جناب صدر اگر روسیوں کو یہ معاہدہ منظور نہ ہوتا تو ان پر کوئی جبر نہیں تھا۔وہ با آسانی انکار کر سکتے تھے اور اگر شامیوں کو اس معاہدے کی تفصیلات کا علم ہوتا تو وہ روسیوں سے ٹکراتے۔اس کے علاوہ یہ ناممکن ہے کہ کسی تیسری حکومت کو اس معاہدے کا علم ہو سکے۔''
''وہ کیسے۔''
''اس لئے جناب والا کہ جڑواں ٹیپ کا ایک حصہ میرے پاس ہے اور اس کا دوسرا حصہ روسیوں کے پاس۔ان دونوں کو ملائے بغیر کوئی کچھ نہیں جان سکتا۔بہر حال میں اس سلسلے میں روسی سفیر ولوشن سے بات کروں گا۔''
بورس سخت سردی میں ملواسکی کو رپورٹ کرنے ماسکو کے نواحی دیہات میں جا رہا تھا۔کے جی بی کے چیئرمین کے طور پر وہ بہت زیادہ اختیارات کا مالک تھا لیکن ویمر جیسے لوگ اس سے زیادہ آرام کی زندگی بسر کر رہے تھے اسے ویمر پر رشک آتا تھا جو واشنگٹن کے سہانے موسم سے لطف اندوز ہو رہا ہو گا جبکہ وہ اس برفانی فضا میں رہنے پر مجبور تھا۔ویمر نے امریکی شہریت حاصل کر لی تھی اور اب کسی شک و شبہے سے بالاتر ہو کر اپنا کام کرنے کو تیار تھا۔یہ بھیانک اتفاق نہیں تھا کہ وزیر خارجہ ملواسکی نے چند روز دیہات میں گزارنے کا فیصلہ کیا تھا۔وہ یہاں بورس سے ایسی باتیں کر سکتا تھا جو کریملن کے برقی آلات سے لیس کمروں میں نہیں جا سکتی تھیں۔
ایک ملازمہ نے بورس کا اوورکوٹ لے لیا اور اسے ملواسکی کے کمرے میں چھوڑ آئی۔ملواسکی ایک کھڑکی کے قریب کھڑا باہر گرتی ہوئی برف دیکھ رہا تھا۔بورس کی آہٹ پا کر وہ مڑا اور بولا'' شکر ہے تم آ گئے۔کامیابی ہوئی؟''
وہ دونوں نشستوں پر بیٹھ گئے۔ملواسکی نے بورس اور اپنے لئے شراب کے گلاس تیار کئے اور بورس کے جواب کا انتظار کرنے لگا۔بورس نے ایک گھونٹ لیا۔وہ خود کو ایک تکلیف دہ خبر سنانے کے لئے تیار کر رہا تھا'' کامریڈ ملواسکی! مجھے افسوس ہے کہ فی الحال ہمیں کامیابی نہیں ہوئی یوری کے پاس جو ٹیپ برآمد ہوا،وہ خالی تھا۔''
''یوری نے ٹیپ کی آواز صاف کر دی؟'' ملواسکی نے فکرمند ہوتے ہوئے پوچھا۔
''نہیں ..... مجھے یقین ہے ایسا نہیں ہوا'' بورس نے کہا'' ٹیپ اس کے ساتھیوں میں سے کسی کے پاس ضرور ہے۔یوری مر چکا ہے۔باقی پانچ رہ گئے ہیں۔''
''فہرست میں یوری کے بعد کس کا نام آتا ہے؟'' ملواسکی نے پوچھا۔
بورس نے جیب سے فہرست نکال کر پڑھی'' دوسرے نمبر پر ماریا ہے۔اگر ٹیپ اس کے پاس بھی نہ ہوا تو ہم نکولائی کو پکڑیں گے۔ہمیں اب سب کو پکڑنا تو ہی ہے۔کسی نہ کسی کے پاس ٹیپ ضرور ہو گا۔''
ملواسکی نے اپنے گلاس سے چسکی لی'' واشنگٹن میں دوسرا ٹیپ حاصل کرنے کے لیے کیا اقدام کر رہے ہو؟''
''واشنگٹن کا معاملہ زیادہ نازک ہے اور پرخطر بھی کیونکہ دوسرا ٹیپ حاصل کرنے کے لیے ویمر کو کامپٹن تک پہنچنا پڑے گا۔''
''کیا تمہیں پورا یقین ہے کہ دوسرا ٹیپ کامپٹن نے اپنے ہی پاس رکھا ہوا ہے؟''
''کامپٹن اسے ٹیپ کے معاملے میں کسی دوسرے کو اعتماد میں نہیں لے سکتا۔'' بورس نے کہا'' تمہیں علم ہے کہ اسٹیفن امریکہ میں بین الاقوامی تنظیم آزادی کا سربراہ ہے۔یہ شخص اپنے نظریات کی وجہ سے ہمارے کام آ سکتا ہے۔ویمر نے اس ٹیپ کو حاصل کرنے کے لئے کچھ حقیقت بتا دی۔اسٹیفن نے کامپٹن سے ملاقات کی۔لیکن کامپٹن نے اس کی بات کا اعتبار نہیں کیا۔اب وہ دوبارہ کامپٹن سے ملنے کی سوچ رہا ہے۔''
''ہم اسے دوبارہ کامپٹن سے ملنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔'' ملواسکی نے تحکم سے کہا۔
''بالکل نہیں دے سکتے۔ویمر اسے راستے سے ہٹا دے گا'' بورس نے تائید کی۔
''بہت خوب'' ملواسکی نے طنزیہ انداز سے کہا۔'' اسٹیفن ہی ٹیپ حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ہے اور ہم اسے قتل کریں گے۔کیا تم بتاؤ گے کہ پھر ہم ٹیپ تک کیسے پہنچیں گے؟''
بورس نے کہا'' ہم نے اسٹیفن کا بہترین نعم البدل تلاش کر لیا ہے جو زیادہ آسانی سے ٹیپ تک پہنچ سکتا ہے اور وہ ہے پیٹر۔اسسٹنٹ سیکرٹری آف اسٹیٹ اور کامپٹن کا دست راست۔ہم اسٹیفن کو ذرا ڈھیل دیں گے۔کامپٹن نے اسٹیفن کی بات کا اعتبار نہیں کیا۔اس لئے اب وہ یقیناً پیٹر سے لے گا اور وہ جو کچھ پیٹر کو بتائے گا اس کے بعد پیٹر ٹیپ حاصل کرنے کی کوشش ضرور کرے گا اگر وہ کامیاب ہو گیا تو ہم اس سے ٹیپ لے لیں گے۔''
ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔پیٹر نے ریسیور کانوں سے لگا لیا۔'' پیٹر! میں اسٹیفن ہوں۔تم سے ملنا چاہتا ہوں۔بہت ضروری۔'' اسٹیفن کی آواز پریشان تھی۔
''کیا ہوا ہے؟ یوں لگتا ہے جیسے تم۔''
''میں تمہیں فون پر نہیں بتا سکتا۔تم فوراً میرے گھر چلے آؤ۔''
پیٹر اور اسٹیفن صرف بچپن کے ساتھی ہی نہیں تھے بلکہ ان کی زندگی کا مقصد بھی مشترک تھا۔صرف راہیں جدا تھیں۔ان کی دوستی عام تعلقات سے کہیں زیادہ گہری تھی۔اب اسٹیفن کسی پریشانی کا شکار تھا اور پیٹر کو بلا رہا تھا۔
''میں ضرور آتا'' پیٹر نے کہا'' لیکن رات تک بہت مصروف ہوں۔سونیا اور میں نے یوگوسلاویہ کے سفیر کے ساتھ اوپیرا دیکھنے جانا ہے۔سیاسی مصلحتیں۔بہر حال میں پابند ہوں۔اوپیرا کے بعد تم سے ملنے آؤں گا۔''
''ٹھیک ہے لیکن آنا ضرور'' اسٹیفن نے کہا۔
کامپٹن ولوشن سے ملا۔ولوشن کئی سال سے امریکہ میں روس کا سفیر تھا اور اپنی لطیف حس مزاح کی وجہ سے خاصا ہر دلعزیز۔کامپٹن اس کے ساتھ بے تکلفی سے بات کر سکتا تھا۔
''میں تم سے کچھ پوچھنے آیا ہوں'' کامپٹن نے ولوشن سے کہا۔
''شامیوں کا واقعہ؟''
''ہاں شامیوں کے متعلق'' کامپٹن نے کہا'' اگر اس فیصلے میں تم لوگوں کا ذرا سا ہاتھ بھی ہے تو معاہدہ ناکام ہو جائے گا۔میرا تم سے مطالبہ ہے کہ یا تو سچ بولنا یا جواب دینے سے انکار کر دینا۔اب بولو کیا کہتے ہو۔''
ولوشن مسکرایا'' میری حکومت نے مجھے یہ بتانے کی ہدایت کی ہے کہ تمہارا جنگی جہاز پکڑنے جانے کا علم روسی حکومت کو نہیں تھا۔ہمارے ہاتھ صاف ہیں۔''
''اپنی حکومت کی ہدایت پر لعنت بھیجو'' کامپٹن نے جھلا کر کہا'' یہ بتاؤ تمہارا ذاتی خیال کیا ہے؟''
ولوشن سنجیدہ ہو گیا'' میری ذاتی رائے بھی یہی ہے کہ تمہیں اس پیغام کا اعتبار کر لینا چاہیے۔''
''معاہدے کا مستقبل کیا ہے؟'' کامپٹن نے پوچھا۔
''معاہدہ ضرور ہو گا'' ولوشن نے کہا'' وزیر اعظم شیکوف اس معاہدے کو کامیاب بنانے کا فیصلہ کئے ہوئے ہے۔''
کامپٹن کے چہرے پر اطمینان جھلکنے لگا۔
اوپیرا ہاؤس سے مخصوص باکس میں سفیر کرسنگ اور اس کی بیوی،پیٹر اور سونیا کے ساتھ اوپیرا کا آخری منظر دیکھ رہے تھے۔اچانک کرسنگ نے سونیا کے بازو کو چھوا۔

''سپر جی کارکولا'' وہ اپنی زبان میں بڑبڑایا۔اس کی آواز بھاری تھی۔جیسے وہ بہت تھک چکا ہو۔سونیا نے اس کی طرف تعجب سے دیکھا۔وہ نہیں جانتی تھی کہ سفیر کے ان الفاظ کا مطلب کیا ہے۔وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرائی اور پھر اوپیرا دیکھنے لگی۔آخری منظر ختم ہوا۔تالیوں کی گونج میں پردہ گرا اور وہ سب اٹھ کھڑے ہوئے۔

سونیا نے اپنے بازو میں بیٹھے ہوئے سفیر کی طرف دیکھا۔وہ سو رہا تھا۔

سونیا نے نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور بولی ''مسٹر کرسنک'' لیکن وہ پھر بھی سوتا رہا۔''مسٹر کرسنک۔'' سونیا نے اس کے کندھے کو ذرا سا ہلایا تو کرسنک کا جسم فرش پر بچھے قالین کی طرف گرنے لگا۔سونیا نے اسے تھام لیا لیکن وہ جان گئی تھی کہ یوگوسلاویہ کا سفیر مر چکا ہے۔

آدھی رات کو پیٹر سونیا کے ساتھ کامپٹن کی رہائش گاہ پر پہنچا۔وہ لائبریری میں آ گئے۔پیٹر نے اس لئے برانڈی کا پیگ بنایا اور کاؤچ پر نیم دراز ہو کر اپنے پاؤں پھیلا لئے لائبریری حفاظتی برقی آلات سے لیس تھی۔دیواروں میں خفیہ سیف تھے۔سونیا کچھ سوچ رہی تھی۔

''کیا وہ ہارٹ اٹیک تھا؟'' سونیا نے اچانک سوال کیا۔

''ہاں'' پیٹر نے کہا ''ڈاکٹر کہتے ہیں کہ وہ ہارٹ اٹیک ہی تھا لیکن وہ کچھ مشکوک بھی ہیں۔وہ تفصیلی معائنہ کرنا چاہتے ہیں جبکہ کرسنک کی بیوی کا اصرار ہے کہ وہ اپنے شوہر کی لاش اپنے وطن لے جائے گی۔بہر حال لاش کا تفصیلی معائنہ یوگوسلاویہ میں تو ضرور ہوگا۔میں وہاں کے امریکی سفیر سے اس معائنے کی رپورٹ منگوالوں گا۔''

''اس کی موت سے معاہدے پر کوئی منفی اثر تو نہیں پڑے گا؟'' سونیا نے کہا۔

یہ سوال خود پیٹر کے ذہن میں بھی ابھرا تھا ''نہیں۔میرے خیال میں معاہدے کو کوئی خطرہ نہیں۔اس پر یوگوسلاویہ میں ہی دستخط ہوں گے۔''

سونیا پیٹر کی طرف جھکی ''کرسنک نے مرنے سے پہلے کچھ کہا تھا، سپر جی کارکولا، اس کا کیا مطلب ہے؟''

''مجھے علم نہیں'' پیٹر نے کہا ''میں اس کی زبان سے ناواقف ہوں'' پھر اچانک اسے کچھ یاد آ گیا ''اوہ خدا اس نے تاسف سے اپنی پیشانی پر ہاتھ مارا۔''مجھے اسٹیفن سے ملنے جانا تھا۔تم اب آرام کرو۔میرا جانا بہت ضروری ہے۔''

وہ تیز رفتاری کی حدیں توڑتا ہوا اسٹیفن کے گھر پہنچا لیکن اسے دیر ہو گئی تھی۔وہ کار سے باہر کودا اور ہجوم میں راستہ بناتا ہوا آگے بڑھا۔اسٹیفن کا گھر شعلوں میں گھرا ہوا کھنڈر معلوم ہو رہا تھا۔اردگرد کے گھروں کو بھی نقصان پہنچا تھا۔سڑک پر کھڑی دو کاریں جل رہی تھیں۔لوگ ایک دوسرے کو بتا رہے تھے کہ دھماکہ بہت شدید تھا۔ایمبولینس گاڑیوں اور فائر بریگیڈ کے عملے کے ہجوم میں سے گزرتا وہ ایک خیمے تک جا پہنچا۔جو وہاں فوری طبی امداد کے لئے لگایا گیا تھا۔ایک پولیس مین نے اس کا بازو پکڑ کر پیچھے دھکیل دیا۔

''میں یہاں سرکاری کام سے آیا ہوں'' وہ اپنا شناختی کارڈ نکالتے ہوئے غصے سے چلایا۔

پولیس مین نے ایک نظر کارڈ پر ڈالی اور اسے سیلوٹ کیا۔پیٹر خیمے میں داخل ہو گیا۔وہاں بہت سے اسٹریچر تھے لیکن اسے اسٹیفن کی تلاش تھی اور پھر اسے اسٹیفن نظر آیا۔اس کے اسٹریچر کی سفید چادر خون سے سرخ ہو چکی تھی اور وہ جگہ جگہ سے جھلسا ہوا تھا۔پیٹر گھٹنوں کے بل اسٹریچر کے ساتھ بیٹھ گیا ''اسٹیفن۔'' اس نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔جلی ہوئی پلکوں میں حرکت ہوئی ''اسٹیفن! یہ میں ہوں پیٹر۔''

اسٹیفن کی آنکھیں کھل گئیں اور اس نے بولنے کی کوشش کی۔اس کی آواز سرگوشی سے زیادہ بلند نہیں تھی ''بھاگ جاؤ۔انہوں نے مجھے مار ڈالا۔وہ تمہیں بھی مار ڈالیں گے۔''

''وہ کون؟'' پیٹر اس پر پوری طرح جھک گیا۔

اسٹیفن کے تھرتھراتے ہوئے ہونٹوں سے دو لفظ ادا ہوئے ''مارکوپولو۔''

پیٹر کی سمجھ میں کچھ نہ آیا ''مارکوپولو کے بارے میں کیا۔''

اسٹیفن کا چہرہ بالکل سفید ہو چکا تھا۔اس نے آخری کوشش کی ''چھ روسی قیدی۔مارکوپولو ان کا وطن۔سطحی باتیں چھوڑ دینا گہرائی میں دیکھنا'' اس کا سر ڈھلک گیا۔

پیٹر آنکھوں میں آنسو لئے کانپتے جسم کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔اس کا سر چکرا رہا تھا۔اندھوں کی طرح راستہ ٹٹولتا وہ خیمے سے باہر نکل گیا۔چند لمحے بعد قریب کے اسٹریچر کے ساتھ کھڑا ہوا ایک آدمی اسٹیفن کے اسٹریچر کے قریب آ کر جھکا۔اس نے بڑی پھرتی سے اسٹیفن کے نیچے بچھی ہوئی چادر اور گدے کو اٹھا کر ایک چیز اٹھائی اور اپنی جیب میں ڈال کر خیمے سے باہر نکلا۔محتاط نظروں سے چاروں طرف دیکھتے ہوئے اس نے سڑک پار کی اور ایک عمارت میں داخل ہو گیا۔جیب سے چابی نکال کر اس نے اپنے کمرے کا قفل کھولا یہ کمرہ اس نے چند روز پہلے ہی کرائے پر لیا تھا۔اندر فرش پر ایک اٹیچی کیس کھلا پڑا تھا اور اس میں رکھا ہوا ٹیپ ریکارڈ چل رہا تھا۔اس نے ٹیپ ریکارڈ بند کر کے ٹیپ الٹا گھمایا اور دوبارہ بٹن دبا کر سننے لگا۔یہ ٹیپ ریکارڈ ریڈیو ریسیور کے ذریعے اس مائیکروفون سے منسلک تھا جو وہ اپنی جیب میں ڈال کر واپس لے آیا تھا۔ٹیپ ریکارڈ میں سے واضح آوازیں آنے لگیں۔زخمیوں کی چیخیں ڈاکٹروں کے احکامات۔وہ سنتا رہا پھر آواز آئی ''اسٹیفن یہ میں ہوں پیٹر'' اور پھر اسٹیفن کی آواز ''چھ روسی قیدی۔کارکوپولو کا وطن۔سطحی باتیں چھوڑ دینا۔گہرائی میں دیکھنا'' وہ اپنی کامیابی پر مسکرا دیا۔اسٹیفن نے پیٹر کو بتا دیا تھا۔اب اسے ویمر کو رپورٹ کرنی تھی۔ماسکو میں اس خبر کا انتظار ہوگا۔

اور یہ پرم کیمپ کی دوسری مفرور ماریا تھی۔

ماریا نے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا۔وہ قبل از وقت بوڑھی دکھائی دینے لگی تھی دنیا میں اس کا کوئی نہیں تھا۔اس کا ماضی اس سے چھین لیا گیا تھا۔اس کا میڈیکل لائسنس منسوخ ہو گیا تھا۔انہوں نے ڈھونڈ کر اس کا تمام ریکارڈ تلف کر دیا۔وہ زندہ تھی لیکن کاغذات میں اس کا کوئی وجود نہ تھا۔اس کا شوہر اور بیٹا مر چکے تھے۔اسے بھی مر جانا چاہیے تھا لیکن وہ زندہ رہنے کی جدوجہد میں مصروف تھی۔جس گھر کے آئینے میں اس نے اپنا چہرہ دیکھا وہاں پناہ لئے اسے چند ہی گھنٹے گزرے تھے پرم کیمپ سے ایک ہزار میل دور۔وہ یہاں پہنچی تھی تو گھر میں ایک جوان عورت نادیا اور اس کے بچوں کے سوا کوئی موجود نہ تھا۔نادیا کا شوہر کام پر گیا تھا اور اس نے رات کو لوٹنا تھا۔نادیا نے اس کی حالت دیکھ کر بلا سوال کئے اسے پناہ دے دی تھی۔لیکن ماریا خود غرض نہیں تھی۔اسے شام سے پہلے یہ گھر چھوڑ دینا چاہیے۔ورنہ ماریا کسی مصیبت میں پھنس سکتی تھی۔ماریا کمرے سے باہر سیڑھیوں پر نکل آئی۔وہ رخصت ہونے سے پہلے نادیا کا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی۔سیڑھیوں سے اس نے کچن میں نادیا کو دیکھا۔وہ شاید کام کر کے تھک چکی تھی اور اب میز پر سر رکھے سو رہی تھی۔

''نادیا'' اس نے آواز دی۔

اس کے جواب میں ایک مردانہ آواز آئی ''نادیا تمہیں جواب نہیں دے سکتی۔''

ماریا کا کلیجہ اچھل کر جیسے منہ میں آ گیا۔وہ بھاگنا چاہتی تھی لیکن اس کے پاؤں بے جان ہو گئے تھے۔وہ آدمی اسے پکڑ کر کچن میں لے گیا۔ماریا نے ایک آخری کوشش کی۔وہ اس آدمی پر جھپٹ پڑی لیکن وہ ماریا سے کہیں زیادہ طاقتور تھا۔اس نے ماریا کو دیوار سے دے مارا ''ٹیپ نکالو..... جلدی'' اس نے حکم دیا۔

ماریا نے وہی کیا جو یوری نے اُسے بتایا تھا۔مزاحمت نہیں کرنی تھی۔اس نے ٹیپ نکال کر اس کے حوالے کر دیا۔اس شخص نے ماریا کو کچن میں ایسی جگہ بٹھا دیا۔جہاں سے وہ بھاگ نہیں سکتی تھی۔پھر اس نے اپنے شولڈر بیگ میں سے ایک چھوٹا سا ٹیپ ریکارڈر نکالا۔ٹیپ لگایا اور سننے لگا۔وہ دو منٹ سنتا رہا لیکن ٹیپ میں سے کوئی آواز نہ آئی۔اس نے جیب سے ریوالور نکال کر نال ماریا کی کنپٹی پر جما دی۔''اصل ٹیپ کس کے پاس ہے؟'' اس نے گرج کر پوچھا۔

''مجھے علم نہیں'' ماریا نے سہمے ہوئے بتایا۔وہ سچ کہہ رہی تھی اور چند منٹوں بعد اس آدمی کو بھی یقین ہو گیا کہ ماریا سچ کہہ رہی تھی۔ریوالور میں سے گولی چلی اور ماریا کے سر کو پھاڑتی ہوئی نکل گئی۔مرتے وقت ماریا کے چہرے پر سکون تھا۔اس کے لئے موت دائمی آزادی کا پیغام لائی تھی۔

''اسٹیفن کی موت حادثاتی نہیں تھی۔اسے قتل کیا گیا تھا۔آگ لگانے والے بم کے ذریعے'' پیٹر نے سونیا کو بتایا ''اس نے مرنے سے پہلے کچھ بے ربط جملے کہتے تھے لیکن مجھے ان جملوں میں ربط تلاش کرنا ہے'' اس نے اسٹیفن کے جملے دہرائے ''تم مارکوپولو کے بارے میں کیا جانتی ہو؟'' اس نے سونیا سے پوچھا۔

''وہ ایک سیاح تھا۔وینس کا۔''

''یہ تو سبھی جانتے ہیں۔اسٹیفن نے کہا تھا گہرائی میں دیکھنا۔اس کے متعلق تفصیل لائبریری سے معلوم کی جا سکتی ہے۔''

ملواسکی نے دوبارہ بورس سے تنہائی میں ملاقات کی ''ویمر نے کوئی اطلاع بھیجی ہے؟'' اس نے بورس سے پوچھا۔

بورس نے اقرار میں سر کو جنبش دی ''اسٹیفن مر چکا ہے اور ہماری مچھلی پیٹر نے چارہ نگل لیا ہے۔''

''بہت خوب'' ملواسکی نے اطمینان کا اظہار کیا۔

''ہمیں کرسنک کو بھی راستے سے ہٹانا پڑا'' بورس نے وضاحت کی ''اسے معاہدے کی اصلیت کا علم ہو چکا تھا اور اس نے اپنے صدر کے نام خفیہ پیغام بھیجا جو ہمارے ہاتھ لگ گیا۔اس کی موت کے باعث پیٹر کافی دیر بعد اسٹیفن تک پہنچ سکا اگر اس کی ملاقات اسٹیفن سے کچھ تفصیلی ہو جاتی تو بہتر ہوتا۔بم مقررہ وقت پر پھٹ گیا۔تاہم ہماری خوش قسمتی سے اسٹیفن کچھ بامعنی الفاظ پیٹر سے کہنے میں کامیاب ہو گیا۔پیٹر کو حقیقت تک پہنچنے میں کچھ وقت لگے گا۔''

''پیٹر کو زیادہ وقت نہیں لینا چاہیے'' ملواسکی نے کہا ''اگر اسے حقیقت حال جاننے میں زیادہ دیر لگی تو ویمر کو اس کی

مدد کرنا ہوگی۔"

اور یہ پرم کیمپ کا تیسرا مفرور نکولائی تھا۔

نکولائی نے شہر کی گلیوں کے سائے سے نکل کر بندرگاہ کی طرف دیکھا۔ آخر کار وہ اپنی منزل پر پہنچ ہی گیا تھا۔ مچھلیاں پکڑنے والی کشتی بندرگاہ میں اس کی منتظر تھی۔ زیرزمین تنظیم اورسی آئی اے نے سارا انتظام کرلیا تھا۔ یہ روسی بندرگاہ نالن تھی اور یہاں سے اس نے کشتی میں اسٹاک ہوم پہنچنا تھا۔ جہاں آزادی کی دیوی اس کی راہ دیکھ رہی تھی۔ نکولائی نے چند قدم بڑھائے پھر اچانک رک گیا پیچھے کسی نے اس کا نام لے کر آواز دی تھی۔

"کون ہے؟" اس نے دبی زبان سے کہا۔

اندھیرے میں سے نکل کر ایک شخص کاہیولا اس کے قریب آرہا تھا۔ یہ لیو تھا۔ زیرزمین تنظیم کا ممبر۔ نکولائی اسے جانتا تھا "واپس بھاگو" لیو نے گھبراہٹ سے کہا "دھوکا ہوگیا ہے۔ ہم ان کے جال میں آگئے ہیں۔ کے جی بی۔"

©جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 8

ایک لمحے کے لئے نکولائی فیصلہ نہ کر سکا کہ اسے کس طرف بھاگنا چاہیے۔ لیکن اب بھاگنے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ بندرگاہ کی طرف سے گولیاں چلنے کی آواز آئی اور لیوز زمین پر گر پڑا۔ نکولائی مرنے سے پہلے جیب میں رکھی ہوئی ٹیپ کو اتنی دور پھینک دینا چاہتا تھا کہ کسی کے ہاتھ نہ لگ سکے۔ اس نے جیب سے ٹیپ نکال لیا اور اس کا ہاتھ ٹیپ پھینکنے کے لئے بلند ہوا۔ اسی لمحے گولیاں اس کے جسم کے پار ہو گئیں وہ لڑکھڑا کر گرا۔ ٹیپ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر چند قدم کے فاصلے پر پڑا تھا۔ وہ ٹیپ کی طرف گھسٹنے لگا لیکن اس تک پہنچنے میں ناکام رہا۔ وہ مر چکا تھا مگر اس کی آنکھیں اب بھی ٹیپ پر مرکوز تھیں۔

ڈینیل اپنے ہاتھ میں ایک لفافہ لئے پیٹر کے آفس میں داخل ہوا ''کسی نے مجھے بتایا ہے کہ کرسنک کا انتقال ہوا تو تم اس کے ساتھ تھے۔ تمہاری وہ رات تو خاصی پریشان کن گزری ہوگی۔'' اس نے پیٹر سے کہا۔

''اس رات صرف کرسنک ہی نہیں، میرا ایک عزیز دوست بھی مر گیا تھا'' پیٹر نے کہا۔

''مجھے افسوس ہے'' ڈینیل نے ہمدردی سے کہا اور ہاتھ میں پکڑا ہوا لفافہ بڑھایا ''یہ تمہارے کار کو لا میٹنگ میں شرکت کی کاغذات ہیں۔ میٹنگ کے اوقات، ہوٹل ریزرویشن اور تمہارے شناختی کاغذات وغیرہ۔''

''تم نے خود کیوں تکلیف کی'' پیٹر نے کہا ''کسی ملازم کے ہاتھ بھیج دیتے۔''

ڈینیل اس کے سامنے بیٹھ گیا ''میں جان بوجھ کر یہ کاغذات لایا ہوں۔ میں تم سے پوچھنا چاہتا تھا کہ میں نے جن خدشات کا اظہار گذشتہ ملاقات میں کیا تھا، تم اس سلسلے میں کامپٹن سے ملے ہو گے۔ وہ کیا کہتا ہے؟''

''مطمئن رہو'' پیٹر نے کہا ''میں کامپٹن سے ملا تھا اسے یقین ہے کہ شامیوں کے واقعے سے معاہدے پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔''

ڈینیل خاموش رہا لیکن وہ مطمئن نظر نہیں آ رہا تھا۔ پیٹر نے کہا ''مجھے افسوس ہے کہ میرے پاس وقت کم ہے۔ میں تھکا ہوا ہوں اور مجھے کئی مسائل بھی درپیش ہیں۔ بتاؤ کیا تم نے ان چھ اہم قیدیوں کے متعلق کوئی تازہ خبر سنی ہے؟''

ڈینیل نے ایک نظر دیوار پر لگے ہوئے پوسٹر کو دیکھا اور بولا ''نہیں میں نے کوئی خبر نہیں سنی لیکن تمہارے لئے ایک اور خبر ہے۔ تم جینا کو جانتے ہو نا۔ یوری کی بیوی کو۔ وہ اس وقت نیویارک میں ہے۔ میری دوست ڈاکٹر ایلن کے گھر میں۔ تم چاہو تو میں اس کا فون نمبر اور ایڈریس دے سکتا ہوں۔''

پیٹر حیران تھا کہ جینا نے اسے نیویارک پہنچنے کی خبر کیوں نہیں دی۔ بہر حال وہ اس سے ملنا چاہتا تھا۔ اس نے ایڈریس نوٹ کیا اور شام کی فلائٹ سے نیویارک روانہ ہو گیا۔

نیویارک میں ابھی شام نہیں ہوئی تھی۔ ڈاکٹر ایلن نے پیٹر کا استقبال کیا اور اسے جینا کے کمرے کا دروازہ دکھا کر رخصت ہو گئی۔ پیٹر نے دروازہ کھولا۔ جینا دروازے کی طرف پشت کئے کھڑی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ پیٹر کمرے میں داخل ہو چکا ہے لیکن اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ پیٹر جینا کی طرف بڑھا۔ اسی وقت جینا مڑی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور چہرے پر درشتگی ''اگر تم اپنی حکومت کی طرف سے تعزیت کا پیغام لائے ہو تو دفع ہو جائے۔ مجھے کسی ہمدردی کی ضرورت نہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم سی آئی اے کے لئے کام کر رہے ہو۔''

اگر وہ پیٹر کے سینے میں اچانک خنجر اتار دیتی تو بھی پیٹر اتنا حیران نہ ہوتا ''تعزیت؟ سی آئی اے؟ کیا کہہ رہی ہو تم؟ میں یوری کو بھول تو نہیں گیا اور تمہارا یہ طرز عمل؟!

''بس کرو'' جینا ہاتھ اٹھا کر روتے ہوئے بولے ''یوری مر چکا ہے۔ اور تمہاری حکومت۔''

''ٹھہرو'' پیٹر نے تعجب سے کہا ''تمہارا کیا مطلب ہے؟ یوری کیسے مر گیا۔''

''اسے کے جی بی کے ایجنٹوں نے تین دن پہلے گاگرا میں قتل کر دیا۔'' جینا نے تلخی سے کہا۔

پیٹر کے تعجب میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا ''گاگرا میں؟ لیکن وہ تو پرم کے کیمپ میں تھا''

جینا طنز سے ہنسی ''تو تمہیں کچھ خبر نہیں۔ یوری کو کیمپ سے فرار کرایا گیا۔ تمہاری حکومت نے یہ منصوبہ بنایا تھا۔ سی آئی اے نے یوری کو گاگرا پہنچنے کے لئے کہا اور جب وہ وہاں پہنچ گیا تو اس کا استقبال کے جی بی کے ایجنٹوں نے کیا۔ سی آئی اے والے غائب ہو گئے۔ تمہاری حکومت نے یوری کو قتل کرایا ہے۔''

پیٹر اداس ہو گیا۔ ''میں جب تم سے ملنے آیا تو مجھے یہ باتیں معلوم نہیں تھیں۔ واشنگٹن میں میرا ایک دوست اسٹیفن قتل ہو گیا تھا۔ اس نے مرنے سے پہلے چھ قیدیوں کا ذکر کیا تھا۔ میں تم سے اسی سلسلے میں مدد لینے آیا تھا کہ شاید تم کچھ بتا سکو۔''

''اسٹیفن قتل ہو گیا'' جینا نے لرزتی آواز میں پوچھا۔

''تم اسے جانتی تھیں؟''

جینا نے انکار میں سر ہلا دیا ''نہیں۔ لیکن یوری نے یہاں پہنچ کر اس سے ملنا تھا اگر وہ قتل ہو گیا ہے تو اب کون بتائے

گا کہ یوری کو کس سازش کے تحت قتل کیا گیا۔ صرف یوری ہی نہیں ماریا بھی قتل ہو چکی ہے۔ پرم کیمپ سے فرار ہونے والے چھ قیدیوں میں سے اب چار باقی رہ گئے ہیں۔"

پے در پے انکشافات سے پیٹر کے ہوش اڑے جا رہے تھے۔ وہ بولا "مجھے شروع سے بتاؤ پلیز۔"

وہ اسے بتانے لگی "چھ قیدیوں کو پرم کیمپ سے فرار کرنے کا منصوبہ سی آئی اے نے بنایا تھا۔ روس کی زیر زمین تنظیم نے سی آئی اے کی مدد کی۔ ایک ڈیوری ٹرک اور جعلی شناختی کاغذات استعمال کئے گئے۔ قیدی فرار ہو کر چند روز ماسکو کے ایک مکان میں چھپے رہے پھر انہیں علیحدہ علیحدہ راستوں سے روانہ کر دیا گیا تاکہ وہ اکٹھے نہ پکڑے جائیں۔ اس کے بعد جانے کیا ہوا کہ سی آئی اے والے غائب ہو گئے، اور کے جی بی والے قیدیوں کو قتل کرنے لگے۔"

"لیکن روسی انہیں قتل کیوں کر رہے ہیں؟ وہ تو امن معاہدے کے تحت رہا ہونے والے تھے۔ انہیں پکڑ کر واپس کیمپ میں بھیجا جا سکتا تھا" پیٹر نے سوال کیا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ بھی اسی وجہ سے قتل ہو رہے ہیں جس وجہ سے اسٹیفن مارا گیا۔ وہ کوئی ایسی بات جانتے ہوں گے جس سے ان کا زندہ رہنا خطرناک سمجھا گیا ہوگا۔ اس کا دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ باقی چار مفرور بھی خطرے میں ہیں۔ میں تمہیں اتنا بتا سکتی ہوں کہ یوری اپنے ساتھ ایک ٹیپ لا رہا تھا۔"

"ایک ٹیپ" پیٹر کے لئے یہ نیا انکشاف تھا۔

"ایک ریکارڈ شدہ ٹیپ" جینا نے کہا۔ "مجھ سے یہ نہ پوچھنا کہ ٹیپ میں کیا تھا۔ کیونکہ یہ میں نہیں جانتی جس آدمی نے مجھے یوری اور ماریا کی موت کی اطلاع دی تھی اس نے بتایا تھا کہ یوری کے پاس فرار ہوتے وقت ایک انتہائی اہم ٹیپ تھا۔ ماسکو پہنچ کر اس نے پانچ ٹیپ اور خریدے تھے۔ بالکل ایک جیسے ٹیپ۔ پھر اس نے اپنے ٹیپ کو ان میں شامل کر دیا۔ اب یوری سمیت کوئی نہیں جانتا تھا کہ بھرا ہوا ٹیپ کون سا ہے۔ پھر انہوں نے وہ ٹیپ آپس میں بانٹ لئے۔ یہ سب اس لئے کیا گیا کہ ان میں سے کوئی پکڑا بھی جائے تو یہ نہ بتا سکے کہ بھرا ہوا ٹیپ کس کے پاس ہے۔"

اگر یہ بات ہے اور یوری اور ماریا کے پاس سے بھرا ہوا ٹیپ برآمد نہیں ہوا تو اس بات کا امکان ہے کہ باقی چھ قیدیوں میں سے کوئی اصلی ٹیپ سمیت بچ نکلے۔" پیٹر نے پرخیال انداز میں کہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کامپٹن کو اس واقعے کی خبر ہوگی یا نہیں۔

پیٹر جس وقت کامپٹن سے ملنے اس کے گھر گیا وہ ناشتہ کرنے والا تھا۔ پیٹر کو دیکھ کر اس نے اسے ناشتے میں شریک ہونے کا اشارہ کیا۔ پیٹر نے کرسی سنبھالتے ہوئے کہا "آپ کی رات تو بڑی مصروف گزری ہوگی بہرحال کامیابی کی مبارکباد۔"

کامپٹن خوش دلی سے مسکرایا۔ "بڑی اعصاب شکن رات تھی لیکن نتیجہ ہمارے حق میں نکلا۔"

پیٹر نے کہا "ریڈیو پر خبروں کے مطابق ہمارے جہاز کی واگزاری میں روس کی مدد شامل نہیں تھی پھر ہم کیسے کامیاب ہوئے؟"

"یہ سیاسی خبر ہے۔" کامپٹن نے کہا "درحقیقت روسیوں کی مدد کے بغیر ہم اپنا جہاز لطاکیہ سے نہیں لا سکتے تھے۔ روسیوں نے ہمیں آبی سرنگوں سے محفوظ راستہ بتایا اور ہماری کارروائی کے دوران شامی آرام سے سوئے رہے۔ ظاہر ہے یہ سب کچھ روس کی مدد کے بغیر ناممکن تھا۔"

پیٹر نے کافی کی چسکی لی اور اچانک موضوع بدل دیا "کیا آپ کو معاہدہ کارکولا کی کامیابی کا یقین ہے؟" کامپٹن نے اسے محتاط نظروں سے دیکھا "پہلے اپنے سوال کی وجہ بتاؤ۔"

پیٹر نے کہا "میں گذشتہ رات یوری کی بیوی جینا سے ملا تھا۔ اس نے مجھے چھ معروف روسی قیدیوں کے متعلق بڑی تشویشناک اطلاع دی ہے وہ سب کیمپ سے فرار ہو گئے تھے اور اب کے جی بی والے انہیں قتل کر رہے ہیں۔ یوری اور ماریا قتل ہو چکے ہیں۔"

"اوہ مائی گاڈ۔" کامپٹن نے دکھ سے کہا۔

"اور جینا کہتی ہے کہ سی آئی اے نے ان کے فرار کا انتظام کیا تھا۔ جب وہ فرار ہو گئے تو ان سے غداری کی اور ان کے فرار کے راستے کے جی بی والوں کو بتا دیئے۔"

"یہ ناممکن ہے" کامپٹن نے غصے اور تعجب سے کہا۔

"میں یہ نہیں کہتا کہ خبر ضرور سچی ہے حالانکہ ماضی میں جینا کے ذرائع نے کبھی غلط خبر نہیں دی بہرحال اس بات کا علم صرف جینا ہی کو نہ تھا۔ کیا آپ کو اسٹیفن یاد ہے؟"

کامپٹن کے چہرے پر ایسے تاثرات نمودار ہوئے جیسے وہ ایک بھولے ہوئے شخص کو یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

پیٹر نے اس کی مدد کی ''وہ بین الاقوامی تنظیم آزادی کا واشنگٹن میں ڈائریکٹر تھا۔''

''اوہ ہاں! یاد آیا'' کامپٹن نے کہا ''اسے شاید بم مار کر قتل کر دیا گیا تھا۔ وہی نا؟''

پیٹر نے اثبات میں سر کو جنبش دی ''جب اسٹیفن مر رہا تھا تو میں اس کے پاس موجود تھا'' پھر اس نے کامپٹن کو سب کچھ بتا دیا۔ اسٹیفن کی ٹیلیفون کال۔ مرتے ہوئے اسٹیفن کے آخری الفاظ۔ چھ روسی قیدی۔ مارکو پولو۔

کامپٹن بہت متفکر لگ رہا تھا ''اگر اس معاملے میں سی آئی اے کا ہاتھ ہے اور روسی اس بات سے واقف ہیں تو باقی چار قیدیوں کو بھی مردہ ہی سمجھو۔''

ان کی گفتگو دوبارہ بنیادی سوال تک آ گئی۔ پیٹر نے کہا ''روسی جو کچھ ناروے میں کر رہے ہیں اور جو کچھ انہوں نے مغربی جرمنی میں کیا ہے آپ اسے کیا کہیں گے۔ عدم جارحیت؟ کیا یہ حرکتیں معاہدے کے منافی نہیں؟''

''ایسی کوئی بات نہیں۔'' کامپٹن نے جواب دیا۔ ''معاہدے پر دستخط ہونے سے پہلے انہوں نے اپنی ایک ادا دکھائی ہے اور بس معاہدہ ہوتے ہی سب ٹھیک ہو جائے گا۔ مجھ پر اعتماد کرو۔''

''مجھے آپ پر اعتماد ہے۔ لیکن میں فکرمند ہوں کہ روسی ان قیدیوں کو کیوں قتل کر رہے ہیں جنہیں رہا کرنے کا وعدہ کر چکے ہیں۔''

''میں ولوشن سے پوچھوں گا کہ سی آئی اے کی سازش میں کتنی صداقت ہے۔ تبھی اس سوال کا جواب دے سکوں گا۔'' کامپٹن بولا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی بھوک اڑ چکی تھی۔

''کیا جینا نے تمہیں کچھ اور بھی بتایا تھا؟'' اس نے پیٹر سے پوچھا۔

''ہاں..... جینا کہتی تھی کہ یوری ایک ٹیپ اسمگل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔''

کامپٹن کا چہرہ چند لمحوں کے لئے بجھ گیا۔ وہ بے اختیار آگے کو جھکا ''کیسی ٹیپ؟''

پیٹر نے کامپٹن کو بتا دیا کہ یوری اور اس کے ساتھیوں نے کس طرح چھ ٹیپ آپس میں تقسیم کیے۔ اسی لئے وہ مر رہے ہیں۔ غالباً روسی اس ٹیپ کو ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

کامپٹن کے منہ سے کراہ نکلی۔ پھر اس نے غور سے پیٹر کو دیکھا اور نرمی سے بولا ''تم بہت تھکے ہوئے لگ رہے ہو کچھ وقت کے لئے واشنگٹن سے باہر تفریح کر آؤ۔''

''اس وقت..... ایسے حالات میں؟ پیٹر نے حیرانی سے کہا۔

''کیوں نہیں۔ ڈینیل تمہارا کام بخوبی سنبھال لے گا۔ تم ہم سے کارکولا میں آملنا۔ اس وقت تم تازہ دم ہو جاؤ گے۔''

''اگر کارکولا تک پہنچنے کی نوبت آئی تو'' پیٹر نے زہر خند سے کہا۔

کامپٹن مسکرایا ''کارکولا معاہدہ ضرور ہو گا میں موجود صورتحال سے نمٹ لوں گا۔''

کامپٹن امریکی صدر کے سامنے کھڑا کہہ رہا تھا ''مسٹر پریزیڈنٹ! میری اطلاع کے مطابق معاہدہ کارکولا کے ٹیپ کا وہ حصہ جو روسی حکومت کے پاس تھا، اب ان کے قبضے سے نکل گیا ہے۔''

صدر کا چہرہ ایک دم پیلا پڑ گیا۔ کامپٹن نے کہا۔ ''بات یہیں ختم نہیں ہو گئی جناب والا۔ پیٹر کو مارکو پولو کے بارے میں علم ہو گیا ہے۔ میں نے اسے آرام کرنے کو کہا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ وہ ضرور تحقیق کرے گا اور اسے حقیقت تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔''

سی آئی اے کی رپورٹ کامپٹن کے ڈیسک پر پڑی تھی جب پیٹر اس کے کمرے میں داخل ہوا۔

کامپٹن نے کہا ''یہ رپورٹ زیادہ مربوط نہیں لیکن اس سے تمہاری پریشانی کافی حد تک کم ہو جائے گی۔ چھ روسی قیدی واقعی پرم کیمپ سے فرار ہو گئے ہیں۔ یوری اور ماریا کے قتل کا علم تو تمہیں تھا ہی۔ لیکن اس رپورٹ کے مطابق نکولائی بھی قتل ہو چکا ہے۔ ان قیدیوں کو ایک روسی تنظیم نے فرار کرایا تھا۔ البتہ سی آئی اے نے اس تنظیم کی مدد ضرور کی تھی۔ مفروروں کا قتل غالباً اس تنظیم کی کسی غلطی کی وجہ سے ہو رہا ہے۔''

''اور آپ سی آئی اے کی اس رپورٹ پر اعتماد کرتے ہیں؟'' پیٹر نے کہا۔

''اعتماد نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔'' کامپٹن بولا۔

''ذرا سوچئے۔ ظاہر ہے کہ سی آئی اے قیدیوں کے قتل کی ذمے داری اپنے سر نہیں لے سکتی۔ اسے یہ الزام کسی دوسرے گروہ پر ڈالنا تھا سو ڈال دیا۔ مجھے تو اس رپورٹ پر ذرا بھی اعتماد نہیں۔''

کامپٹن نے گہرا سانس لیا ''میں تمہیں جو کچھ بتانے لگا ہوں۔ وہ ایک سیاسی راز ہے۔ تم اس بات کا ذکر کسی سے نہیں کرو گے۔ نہ جینا سے، نہ سونیا سے۔''

پیٹر نے اقرار میں سر ہلایا۔ اس کے اعصاب میں بے چینی کی ایک نئی لہر دوڑنے لگی۔ اب کون سا انکشاف ہونے والا تھا۔ کامپٹن اپنی کرسی پر نیم دراز چند لمحات خیالات میں گم رہا پھر اس نے کہا ''روسی حکومت میں وزیر اعظم

شکوف کے کئی دشمن ہیں۔ بارسوخ، طاقتور اور شکوف کی پالیسیوں کے مخالف۔ دشمنوں کا یہ گروہ اس معاہدے کے خلاف ہے۔ اسی گروہ نے قیدیوں کے فرار کا منصوبہ بنایا حالانکہ قیدیوں کو فرار ہونے کی کوئی ضرورت نہ تھی چند دنوں بعد وہ آزاد ہو جاتے۔ مجھے یہ سب پچھولوشن نے بتایا ہے۔ اس گروہ نے بڑی چابکدستی سے روسی تنظیم اور سی آئی اے کو اپنے مقصد کے لئے استعمال کیا۔ یہی بات اسٹیفن تمہیں بتانا چاہتا تھا کہ معاہدہ کارکولا خطرے میں ہے۔ وہ تم سے کہنا چاہتا تھا کہ قیدیوں کے قتل سے یہ معاہدہ ناکام ہونے کا خطرہ ہے۔"

کاپٹن کے بیان میں کوئی چیز اب بھی پیٹر کے ذہن میں کھٹک رہی تھی۔ اس کہانی میں کوئی سقم تھا۔ بے نام سا۔ جسے محسوس کیا جا سکتا تھا مگر الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

"یہ گروہ کن افراد پر مشتمل ہے؟" اس نے کاپٹن سے سوال کیا۔

"روسی حکومت اس گروہ کے وجود کو محسوس تو کرتی ہے لیکن اس کے پاس کسی شخص کے خلاف ثبوت نہیں ہے۔ اس لئے وہ نہیں جانتی کہ کس شخص پر ہاتھ ڈالا جائے۔ ایسے لگتا ہے جیسے یہ گروہ اس معاہدے کو تباہ کر کے رہے گا۔ اگر بروقت ان کا پتہ نہ چلایا گیا تو ایسا ہونا بعید از قیاس بھی نہیں۔ ابھی تو مفرور قیدیوں کو ہی قتل کر رہے ہیں پھر نہ جانے کیا کر گزریں۔ میں باقی تینوں قیدیوں کی جان بچانے کے لئے سی آئی اے کے ڈائریکٹر سے بات ضرور کروں گا۔"

پرم کیمپ کا چوتھا مفرور سیولیو موت سے بھاگ بھاگ کر اب تنگ آ چکا تھا۔ اس نے بہت سفر کیا تھا۔ کئی بار وہ سرحد کے قریب پہنچ گیا جہاں موت زندگی سے زیادہ عزیز لگنے لگتی ہے۔ اب وہ موت کا متلاشی تھا۔ اچانک اور فوری موت۔ وہ اپنے آبائی گاؤں باکو میں جا پہنچا۔ جہاں مسجدیں ویران تھیں۔ جن میں اب کوئی عبادت کرنے والا نہ تھا۔ وہ مرنے سے پہلے ان گلیوں کو دوبارہ دیکھنا چاہتا تھا جہاں وہ جوان ہوا تھا۔ جہاں کبھی اس کا گھر ہوا کرتا تھا۔ پچھلی دو راتوں سے وہ موت کے انتظار میں تنہا گلیوں میں گھوم رہا تھا۔ بالآخر اس کی یہ خواہش پوری ہو گئی۔ وہ ایک ویران مسجد کے پاس سے گزر رہا تھا کہ اس پر مشین گن کی گولیوں کی بوچھاڑ پڑی اور وہ مر گیا۔ چند لمحوں بعد کے جی بی کے قاتل سیکشن وی کا ایک دن سے اس کے مردہ جسم کی تلاشی لے رہا تھا۔ ٹیپ اس کے کوٹ کے استر میں تھا۔ اس نے کوٹ پھاڑ کر ٹیپ نکال لیا۔ گولیوں کی آواز سن کر کسی نے گھر سے باہر جھانکنے کی ہمت نہیں کی تھی۔ اس آدمی نے اطمینان سے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک چھوٹا سا ٹیپ ریکارڈر نکالا اور ٹیپ لگا کر سننے لگا۔ ٹیپ میں سے ایک سیٹی کی سی آواز آئی اور پھر ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے بہت سی مکھیاں بھنبھنا رہی ہوں۔ یہی اصل ٹیپ تھا۔ اس آدمی نے دوسری جیب سے ایک کم طاقت کا ٹرانسمیٹر نکالا اور پیغام نشر کرنے لگا۔ اپنی کامیابی کی اطلاع دے کر وہ ٹیپ ریکارڈر اٹھانے جھکا ہی تھا کہ مسجد کے مینار سے نیلے شعلے لپکے اور کے جی بی کا ایجنٹ گولیوں کے جھٹکے سے گھوم کر رہ گیا۔ جس طرح اچانک وہ بے رحمی سے لوگوں کو موت سے ہمکنار کرتا تھا۔ آج اسی طرح کسی نے اسے مار ڈالا تھا۔

ڈاکٹر ایلن اور جینا کافی پی رہے تھے۔ ایلن نے کہا "آج ایک عجیب واقعہ ہوا۔ پولینڈ سے چند روز پہلے ایک آدمی مجھ سے ملنے آیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ جب ہٹلر نے وارسا پر حملہ کیا تو اس کا چچا اپنے خاندان سمیت وارسا میں آیا ہوا تھا۔ اس کے چچا کی بیٹی کا نام سارہ تھا اور بیٹے کا نام ڈینیل اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ سارہ کے سوا سب مارے گئے تھے لیکن اب وہ ڈینیل سے ملنا چاہتا تھا ڈینیل کی کہانی چھوٹے سے فرق کے ساتھ اس کے چچا زاد بھائی سے بے جا ملتی تھی۔ میں نے اسے ڈینیل کا پتہ دیا تھا لیکن آج وہ شخص پھر مجھے ملا تو بڑا مایوس دکھائی دیتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ موہوم سی امید لے کر ڈینیل سے ملنے گیا تھا مگر یہ امید بھی ختم ہو گئی۔ ڈینیل اس کا چچا زاد نہیں تھا حالانکہ ڈینیل کے والدین بھی جنگ کے وقت وارسا میں تھے کتنا عجیب اتفاق ہے۔ کہ ڈینیل کی بہن کا نام بھی سارہ نکلا سوا سب مارے گئے جب کہ ڈینیل کا کہنا تھا کہ جنگ میں وہ خود بچ گیا تھا اور اس کے خاندان باقی افراد مارے گئے تھے۔

ایلن نے جینا کے چہرے پر عجیب سا تاثر دیکھا "کیا بات ہے؟" اس نے پوچھا۔

"اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ میں ڈینیل کا کیا عہدہ ہے؟" جینا نے سوال کیا۔

"وہ روسی نژاد تھا اس لئے پہلے اسے روسی امور کا نگران بنایا گیا تھا لیکن آج کل وہ کارکولا کانفرنس کے انتظامات کا افسر ہے۔" ایلن نے بتایا۔

جینا اور زیادہ مضطرب ہو گئی۔ "کیا وہ پیٹر کے قریب کام کرتا ہے؟" اس نے پھر پوچھا۔

"مجھے ٹھیک طرح سے علم نہیں" ایلن نے کہا "کیا یہ بات اہم ہے؟"

"ممکن ہے بہت اہم نکلے" جینا نے جواب دیا۔

وزیر خارجہ ملواسکی کانفرنس روم میں ٹھیک چھ بجے داخل ہوا۔ بورس کے سوا مشاورتی کونسل کے تمام اراکین موجود تھے۔ وہ اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔ دروازہ کھلا اور وزیراعظم شکوف داخل ہوا۔ اس نے خاموشی سے اپنی نشست سنبھال لی اور حاضرین کو دیکھا۔ اس کی نظریں بورس کی خالی کرسی پر رک گئیں۔ ملواسکی نے معذرت کی۔ "کامریڈ بورس کو بالکل غیر متوقع طور پر جانا پڑا۔ انہیں کوئی اطلاع ملی ہے۔ شاید اسی چیز کے سلسلے میں جس کے لئے ہم جمع ہوئے ہیں۔ وہ کچھ دیر بعد حاضر ہو جائیں گے۔"

شکوف نے سر ہلا کر معذرت قبول کی اور حاضرین سے مخاطب ہو "ہمیں ایک بڑا مسئلہ درپیش ہے۔ ہمارا ایک ایجنٹ ٹیپ تک پہنچ گیا تھا لیکن اسے قتل کر دیا گیا اور ٹیپ ایک بار پھر ہمارے ہاتھوں سے نکل گیا۔ چیئرمین بورس کی عدم موجودگی میں وزیر خارجہ ملواسکی مختصر الفاظ میں آپ کو حالات سے آگاہ کریں گے۔"

ملواسکی نے حاضرین کو گہری نظروں سے دیکھا اور کہنے لگا "یہ ٹیپ کئی ہفتے قبل میرے سیف سے چوری ہو گیا تھا۔ یہ چوری میری سیکرٹری نے کی تھی جو سات سال سے اپنے فرائض انجام دے رہی تھی اور بظاہر اس پر کوئی شک نہ کیا جا سکتا تھا۔ بدقسمتی سے ٹیپ چرانے کے بعد اس نے خودکشی کر لی۔ اور ہم یہ معلوم نہ کر سکے کہ اس نے ٹیپ کس کے لئے چرایا تھا۔ ہم اندازاً ہی کہہ سکتے ہیں کہ وہ سی آئی اے کے لئے کام کر رہی تھی۔ سوال یہ تھا کہ سی آئی اے نے یہ حرکت کیوں کی جبکہ معاہدے پر دستخط ہونے والے تھے۔ اس کا جواب ہمیں تب ملا جب پرم کیمپ سے چھ قیدی فرار ہو گئے۔ ہم ویسے ہی ان قیدیوں کو چند روز بعد رہا کرنے والے تھے۔ ان کا قبل از وقت فرار تعجب خیز تھا۔ وزیراعظم شکوف کی ذہانت لاجواب ہے۔ انہیں شک گزرا کہ ٹیپ کی گمشدگی اور قیدیوں کے فرار میں کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہے۔ بعد میں جب مفرور قیدی قتل ہونے لگے تو یہ شک یقین میں بدل گیا۔ روس کی زیر زمین گروہ اور سی آئی اے کی سازش سے قیدیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ ان کا مقصد یہی معلوم ہوتا ہے کہ معاہدہ امن کو ناکام بنایا جائے۔ آخری خبر آپ نے سن لی۔ آپ جانتے ہیں کہ ٹیپ کتنا اہم ہے اور اب یہ ٹیپ دوبارہ کھو گیا ہے۔ ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ کس کے پاس ہے۔" حاضرین میں سے ایک نے سوال کیا "باقی دو قیدیوں کے بارے میں کیا رپورٹ ہے؟"

ملواسکی نے کہا "ہم انہیں پکڑ لیں گے۔ حالانکہ ہمیں معلوم ہے کہ ان کے پاس خالی ٹیپ ہیں۔ جس نے بھی سیولیو کا ٹیپ ہمارے ایجنٹ کو قتل کر کے حاصل کیا ہے وہ اب ٹیپ روس سے باہر پہنچانے کے لئے دوبارہ انہیں ذریعہ نہیں بنائے گا۔"

شکوف نے حاضرین کو مخاطب کیا "آپ لوگ جان چکے کہ معاملات کتنے پیچیدہ ہیں۔ ہم ان حالات میں امریکی حکومت سے بھی بات نہیں کر سکتے کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ ہمارا دشمن کون ہے اگر ان واقعات کی تشہیر ہوئی تو دشمن ہوشیار ہو جائے گا۔ ہمیں سب کچھ اپنے طور پر کرنا ہے اور ہر قیمت پر ٹیپ حاصل کرنا ہوگا۔"

میٹنگ ختم ہو گئی ملواسکی اپنے دفتر میں پہنچا تو بورس اس کا منتظر تھا۔ دونوں کی نظریں ملیں۔ یہ کریملن کی عمارت تھی۔ وہ جانتے تھے کہ ان کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ ریکارڈ ہو جائے گا۔

"اس اطلاع کا کیا بنا، جس کے لئے تم گئے تھے؟" ملواسکی نے بورس سے پوچھا۔

"اطلاع غلط تھی کامریڈ۔ میرا وقت ضائع ہوا اور میں میٹنگ میں شرکت بھی نہ کر سکا۔" بورس نے کہا اور خاموشی سے ایک لفافہ ملواسکی کے ہاتھ میں رکھ دیا۔ لفافہ تیزی سے ملواسکی کی جیب میں پہنچ گیا۔ دونوں مسکرائے۔ کارکولا ٹیپ ملواسکی کے قبضے میں تھا۔

ملواسکی جو کچھ کر رہا تھا۔ اس کے خطرات سے پوری طرح آگاہ تھا اگر مکمل کامیابی سے پہلے اس کا راز فاش ہو جائے تو بورس اور اس کے بچاؤ کی کوئی امید نہ تھی۔ لیکن اب تک وہ کامیاب رہا تھا۔ ٹیپ اس نے خود چرایا تھا۔ اس نے وزیراعظم کے احکام کی خلاف ورزی کی تھی اور اسے دھوکے میں رکھا تھا۔ لیکن وہ غدار نہیں تھا۔ اس نے جو کچھ کیا تھا قومی سلامتی کے نام پر کیا تھا۔ وہ انتظار کرتا رہا تھا کہ روس کے حکمران اپنی پالیسیوں کو لینن کی تعلیمات کے مطابق ڈھال لیں۔ لیکن حالات بد سے بدتر ہوتے گئے۔ معاہدہ کارکولا آخری تازیانہ تھا جسے وہ کسی صورت میں کامیاب نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔ دونوں ٹیپ عین معاہدے پر دستخط ہوتے وقت دوسروں کے ہاتھوں استعمال کرا کے اس نے معاہدے کو ناکام بنا دینا تھا اور خود ایسے لاتعلق ہو جاتا تھا جیسے اس سازش میں اس کا کوئی ہاتھ نہیں۔ ٹیپ مغربی دنیا میں پہنچانے کے لئے اسے ایسے پیغام رساں کی ضرورت تھی جس پر مغربی دنیا میں اعتبار کیا جا سکتا ہو۔ وہ اور بورس اس بات سے واقف تھے کہ روس میں سی آئی اے کی شاخ ان قیدیوں کو چھڑا لینے کی کوشش میں ہے۔ معاہدہ کارکولا پر دستخط ہونے والے تھے اور کاپٹن کسی وقت بھی سی آئی اے کو قیدیوں کی رہائی کی کوشش ترک کر دینے کا حکم دے سکتا تھا کیونکہ معاہدے کے فوراً بعد ان قیدیوں نے یوں بھی رہا ہو جانا تھا۔ اس لئے ملواسکی کاپٹن کا حکم پہنچنے سے پہلے اپنے منصوبے پر عمل کرنا چاہتا تھا۔ قیدیوں سے زیادہ معتبر پیغام رساں کون ہو سکتا تھا۔ اس نے بورس سے یوری تک پہنچنے کو کہا۔ یوری سے ملنے کا انتظام بھی ہو گیا۔ اس نے جب یوری کو ٹیپ کی حقیقت بتائی اور ساتھ ہی ان کی رہائی کا مژدہ سنایا تو یوری ٹیپ ساتھ لے جانے پر فوراً آمادہ ہو گیا۔ ملواسکی نے اپنا ٹیپ خود

چرایا اور یوری کے حوالے کر دیا۔ چوری کو حقیقت کا رنگ دینے کے لئے اسے اپنی سیکرٹری کو قتل کرانا پڑا۔ پھر وہ طیش کے عالم میں دھاڑتا ہوا وزیر اعظم شیکوف کے پاس گیا اور اسے چوری کی اطلاع دی۔ سارا منصوبہ بظاہر بے خطا تھا لیکن دو باتیں ایسی ہو گئیں جو اس نے نہیں سوچی تھیں ایک تو یہ یوری نے اسی جیسے پانچ ٹیپ خرید ے اور ان سب کو ملا کر آپس میں بانٹ لیا۔ دوسری بات یہ کہ وزیر اعظم شیکوف نے اندازہ کر لیا کہ ٹیپ کی چوری اور قیدیوں کے فرار میں کوئی رابطہ ہے۔ اس نے قیدیوں کو پکڑنے اور ٹیپ برآمد کرنے کا حکم جاری کر دیا۔ اب ملواسکی بورس کو ٹیپ برآمد کرنے اور قیدیوں کو پکڑنے کا حکم دینے پر مجبور تھا لیکن اس نے در پردہ بورس سے یہ بھی کہہ دیا کہ وہ کے جی بی کے ایجنٹوں کو ٹیپ حاصل کر کے شیکوف تک نہ پہنچنے دے اور قیدیوں کو قتل کرا دے۔ اسے خطرہ تھا کہ کوئی قیدی زندہ پکڑا گیا تو ممکن ہے وہ اس کی اور یوری کی ملاقات ٹیپ دینے کی تفصیل سمیت بتا دے۔

پچھلے چند دنوں کے ہر لمحے میں وہ شدید اعصابی تناؤ اور ذہنی عذاب میں گزرا تھا۔ لیکن بحران آخر گزر ہی گیا۔ اب ٹیپ دوبارہ اس کے قبضے میں تھا لیکن اسے یہ ٹیپ اپنے پاس نہیں رکھنا تھا۔ اب وقت آ گیا تھا کہ وہ اپنے منصوبے کو کامیاب بنانے کی دوبارہ کوشش کرے۔ اس نے کریملن کے دفاتر سے دور ایک بار پھر بورس سے ملاقات اور ٹیپ اسے دیتے ہوئے کہا ''تمہیں علم ہے کہ تم نے کیا کرنا ہے؟''

بورس مسکرایا ''میں آج ہی روانہ ہو جاؤں گا اور کام مکمل ہونے پر تمہیں رپورٹ کروں گا۔''

ملواسکی نے پوچھا ''پیٹر کا معاملہ کہاں تک پہنچا ہے؟''

بورس نے کہا ''ویمر کی کوشش سے پیٹر کو یقین ہو گیا ہے کہ کرسنگ کو قتل کر دیا گیا تھا۔ اس کا خیال ہے کہ اب پیٹر اپنی کوششیں تیز کر دے گا۔''

''ہمارے پاس وقت بہت کم ہے'' کانفرنس شروع ہونے میں صرف چار دن باقی رہ گئے ہیں۔ ویمر سے کہو کہ فوراً اپنے آدمی پیٹر پر استعمال کرے۔ اس طرح وہ ٹیپ تک پہنچنے پر مجبور ہو جائے گا۔' ملواسکی نے بورس کو ہدایات دیں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

پیٹر کو بلغراد سے امریکی سفر کی رپورٹ موصول ہو گئی۔ اس کا شبہ درست تھا کرسنگ کے جسم میں ایک ایسا محلول داخل کیا گیا جو خون کے دباؤ کو ایک دم ناقابل برداشت حد تک بڑھا دیتا تھا۔ اور اس طرح دل کی حرکت بند ہو جاتی تھی۔ کرسنگ کی موت کے اسباب پر غور کرتے ہوئے پیٹر اپنے دفتر سے نکلا اور اپنی کار لئے عمارت کے زیر زمین نیم روشن گیراج میں داخل ہوا۔ گیراج میں جلتا ہوا تنہا بلب بالکل ناکافی تھا۔ کار کے قریب پہنچ کر اسے محسوس ہوا کہ کوئی عورت کار میں موجود ہے۔ پیٹر نے کار کا دروازہ کھول کر اسے دیکھا۔

''ہیلو پیٹر کیسے ہو؟'' اس عورت نے مسکرا کر کہا۔

پیٹر اسے جانتا تھا۔ (وہ مارگریٹ تھی۔ سی آئی اے کی اہم رکن۔ پیٹر جواباً مسکرایا ''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟''

''میں نے تمہیں جو کچھ کہنا ہے، اس کے لئے چلتی ہوئی کار زیادہ مناسب رہے گی۔''

پیٹر نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور کار چلاتا ہوا سڑک کے ٹریفک میں شامل ہو گیا۔ ''اب کہو کیا کہتی ہو'' پیٹر بولا۔

''میں تمہیں جو کچھ بتانے والی ہوں اس سے میری زندگی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ میں تمہیں ملنے سے پہلے ڈینیل کے پاس گئی تھی۔ اس سے مشورہ کرنے کہ میں تمہیں بتاؤں یا نہیں۔ جو بات میں نے اسے بتائی اسے سن کر ڈینیل کا اصرار تھا کہ میں تمہیں ضرور ملوں اور بتا دوں۔ وہ کہتا تھا کہ تم میری حفاظت بھی کرو گے نا پیٹر؟'' مارگریٹ اب بھی جھجک رہی تھی اور اپنی حفاظت کا یقین چاہتی تھی۔

''ہاں میں تمہاری حفاظت کروں گا'' پیٹر نے کہا ''لیکن تمہیں معلوم ہے کہ چھ روسی قیدیوں کے ساتھ کیا ہوا ہے؟''

''یہ کہ قیدیوں کو فرار کرانے کی اسکیم سی آئی نے بنائی تھی..... ہاں..... میں جانتا ہوں اور یہ بھی کہ وہ قتل کئے جا رہے ہیں۔''

''میں سی آئی اے کی اس ٹیم کی انچارج تھی پیٹر۔''

مارگریٹ نے کہا۔ ''میرے پاس تفصیل کی مکمل فہرست ہے۔ کہ کس قیدی نے فرار ہو کر کہاں پہنچنا تھا اور کیسے سرحد عبور کرنی تھی اور یہ فہرست صرف میرے پاس تھی۔''

''تمہارا مطلب ہے کہ یہ فہرست کسی طرح کے جی بی کے ہاتھ لگ گئی؟'' پیٹر نے پوچھا۔

''نہیں پیٹر۔ ہم نے خود یہ فہرست کے جی بی کے حوالے کی تھی۔'' مارگریٹ نے کہا اور کاغذات پیٹر کے ہاتھ میں تھما دیئے۔ پیٹر نے کار ایک طرف ہٹا کر کھڑی کر دی اور تیزی سے کاغذات پڑھنے لگا۔ سب کچھ موجود تھا یہ سازش نہیں انسانیت کے ماتھے پر کلنگ کا ٹیکا تھا۔ ایک انتہائی بے رحم کمینگی۔ پیٹر کے اعصاب جواب دینے لگے۔

''ہمیں کامپٹن کو اطلاع دینی چاہیے۔'' اس نے مارگریٹ سے کہا۔

مارگریٹ تلخی سے مسکرائی ''کامپٹن کو تمام حالات کا علم ہے۔ ہم نے اسے مکمل رپورٹ بھیجی ہے۔''

کامپٹن نے روسی سفیر ولوشن سے تنہائی میں ملاقات طے کی۔ وہ دونوں رات کے اندھیرے میں شہر سے دور ایک تنہا مقام پر ملے اور باتیں کرتے ہوئے ٹہلنے لگے۔ کامپٹن نے کہا ''مجھے تھوڑی دیر پہلے چھ قیدیوں کے فرار کی خبر ملی ہے۔ اور اب تم مجھے بتاؤ گے کہ ٹیپ کہاں ہے۔''

''آہا! تو تمہیں علم ہو گیا'' ولوشن بولا ''وہ ٹیپ ملواسکی کے سیف سے چوری ہو گیا تھا۔ ہم نے وہ ٹیپ سیولیو کے پاس ڈھونڈ نکالا تھا لیکن کوئی ہمارے ایجنٹ کو قتل کر کے اس سے ٹیپ لے گیا۔ میری حکومت کا خیال ہے کہ یہ کام سی آئی اے کا ہے۔''

کامپٹن غصے سے پلٹ پڑا۔ ''لعنت ہو تم پر اور تمہاری حکومت پر..... اپنی حکومت سے کہو کہ ٹیپ سی آئی اے کے پاس نہیں ہے۔ کریملن میں حکومت کا مخالف گروہ بھی تو موجود ہے۔ وہاں تمہاری نظر کیوں نہیں جاتی؟''

''یقین کرو کہ ہم ہر پہلو پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔ شیکوف کو تو ایک شخص پر شبہ بھی ہے لیکن ہمیں پہلے تمہاری طرف سے یقین دہانی کی ضرورت تھی کہ ٹیپ تمہارے پاس نہیں پہنچا۔ تمہاری طرف سے تسلی کے بعد اب ہم پوری توجہ اس گروہ پر مرکوز کریں گے۔''

کامپٹن نے اس کی طرف تعجب سے دیکھا۔ ''شیکوف کو کس پر شک ہے؟''

ولوشن کی آواز سرگوشی میں بدل گئی ''تمہیں سن کر بڑا تعجب ہوگا۔ میں تمہیں دوستی اور خلوص کے ناطے یہ بات بتا رہا ہوں۔ اسے راز رکھنا ہمیں ملواسکی پر شک ہے۔''

کامپٹن سن ہو کر رہ گیا۔ ملواسکی! جس نے کامپٹن کے ساتھ کئی دن مذاکرات کے بعد معاہدہ کارکولا کا مسودہ تیار کیا تھا۔

''تم ملواسکی کے متعلق کیا طرز عمل اختیار کرو گے۔؟''

اس نے پوچھا۔

''ہم اس پر کڑی نظر رکھے ہوئے ہیں۔ وزیر اعظم نے کے جی بی کے چیئرمین بورس کو بذات خود اس کی نگرانی پر مقرر کیا ہے۔''

سونیا نے پیٹر کے پریشان چہرے کی طرف دیکھا ''کیا بات ہے؟''

''کچھ نہیں'' پیٹر نے جواب دیا ''دفتری مسائل ہیں کوئی خاص بات نہیں'' وہ سونیا کو کامپٹن کے جھوٹ کے متعلق بتانا نہیں چاہتا تھا۔

سونیا نے کہا ''تمہیں یاد بھی نہ ہوگا کہ تم نے میرے ذمے ایک کام لگایا تھا۔''

پیٹر کو یاد آ گیا۔ مارکو پولو۔ اپنی مصروفیت اور الجھنوں میں وہ مارکو پولو کو تو بھول ہی گیا تھا۔ ''آئی ایم سوری'' اس نے کہا ''تم کیا خبر لائی ہو؟''

''میں نے دو باتوں کا پتہ چلا لیا تھا۔ مارکو پو وینس میں پیدا ہوا تھا۔ لیکن تیرہویں صدی میں موجودہ شہر وینس کا وجود نہیں تھا۔ اس وقت وینس ایک بڑا ملک تھا۔ جس کی جنوبی سرحدیں بحیرہ روم سے جا ملتی تھیں اور موجودہ یوگوسلاویہ کے کئی جزیرے بھی اس وقت وینس میں شامل تھے۔''

پیٹر کے کانوں میں اسٹیفن کے الفاظ گونجنے لگے۔ مارکو پو کا اصلی وطن۔ سطحی باتوں کو نظر انداز کر دینا یعنی وینس کو نظر انداز کر دینا۔ مارکو پولو کا اصلی وطن کوئی جزیرہ بھی ہو سکتا تھا۔ ایسا جزیرہ جو اس وقت تو وینس میں شامل تھا لیکن اب یوگوسلاویہ کا حصہ بن چکا تھا۔ کارکولا۔ یہی مارکو پولو کا اصلی وطن تھا۔ سونیا اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ وہ جان گئی تھی کہ وہ جو کچھ اسے بتانا چاہتی تھی وہ سمجھ چکا ہے۔ اس نے سنجیدگی سے سوال کیا۔ ''کارکولا کانفرنس کا اسٹیفن کی موت سے کیا تعلق تھا؟''

''یہ ایک لمبی کہانی ہے'' پیٹر بولا ''مختصر یہ کہ امریکی حکومت نے سی آئی اے کو ان چھ قیدیوں کو فرار کرانے کا فرض سونپ رکھا تھا۔ اس منصوبے پر عمل بھی شروع ہو چکا تھا۔ انہیں ایام میں تمہارے والد کے ملواسکی سے مذاکرات شروع ہوئے۔ مذاکرات کی کامیابی کا یقین ہوتے ہی تمہارے والد نے ملک سے باہر سی آئی اے کی تمام شاخوں کو احکام جاری کر دیئے کہ روسی حکومت کے خلاف ہر قسم کی کارروائی فوراً روک دی جائے۔ روس میں سی آئی اے کے ایجنٹ قیدیوں کے فرار کے منصوبے سے دست بردار ہو گئے۔ لیکن اس وقت تک قیدی پرم کیمپ سے فرار ہو چکے تھے۔ سی آئی اے کی مدد سے انہوں نے مختلف مقامات پر سرحد عبور کرنی تھی۔ یہ مدد انہیں کبھی نہ مل سکی۔ اسٹیفن شاید اس لئے مارا گیا کہ اسے یہ بات معلوم ہو گئی تھی۔''

''او پیٹر'' سونیا کراہی۔

''اس سے بھی برا یہ ہوا کہ کے جی بی کے ایجنٹ ان قیدیوں سے پیچھے لگ گئے۔ اب تک ان قیدیوں میں سے تین قتل ہو چکے ہیں۔'' اس نے سونیا کو یہ نہیں بتایا کہ خود سی آئی اے نے قیدیوں کے فرار کے راستے دشمن کو بتا دیئے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

تھے۔

''میں نے دوسری جو بات معلوم کی ہے وہ بھی سن لو۔'' سونیا نے غمگین لہجے میں کہا ''کرسنک نے مرنے سے پہلے مجھے مخاطب کر کے اپنی زبان میں دو لفظ کہے تھے۔ سپر چی کولا۔ میں نے ان الفاظ کا مطلب ڈھونڈ لیا ہے سپر چی کا مطلب ہے روکنا یا تباہ کرنا۔ کرسنک نے مجھ سے جو کچھ کہا اس کا مطلب تھا کارکولا معاہدہ روک دو۔ اسے تباہ کر دو۔''

صبح کو پیٹر اپنے دفتر کے گیراج میں اپنی کار پارک کر کے جونہی باہر نکلا ایک بے آواز گولی اس کے سر کے قریب کار کی چھت میں لگی۔ پیٹر تیزی سے جھکا اور دوسری کاروں کے درمیان سے گزرتا ہوا ایک ستون کے پیچھے چھپ گیا۔ چند لمحوں بعد اس نے گولی چلانے والوں کو دیکھ لیا۔ وہ دو تھے اور روسی زبان میں باتیں کر رہے تھے۔ کے جی بی کے قاتل..... پیٹر خوفزدہ ہو گیا۔ ستون کی اوٹ سے وہ بے تحاشا باہر نکلنے والے دروازے کی طرف بھاگا۔ دوسری گولی چلی لیکن نشانہ خطا گیا۔ پیٹر ایک کار کی اوٹ میں لیٹ گیا۔ اسی وقت اس نے ایک آواز سنی۔ دونوں حملہ آور فرار ہو رہے تھے۔ وہ کار کی اوٹ سے باہر نکل آیا۔ ایک داڑھی والا نوجوان اس کی طرف آ رہا تھا لیکن وہ پولیس کی وردی میں نہیں تھا۔

''تم ٹھیک ہو نا'' قریب آ کر اس نے پوچھا۔

''ہاں مجھے گولی نہیں لگی'' پیٹر نے جواب دیا۔

''میں پولیس کا آدمی نہیں ہوں'' داڑھی والے نے کہا۔

''صرف انہیں بھگانے کے لئے میں نے پولیس کا نام لیا تھا۔''

''خدا کا شکر ہے کہ تم اتفاق سے یہاں تھے۔''

وہ مسکرایا ''سچی بات تو یہ ہے کہ میں یہاں اتفاقاً نہیں آیا تھا۔ اسٹیفن کے قتل کے بعد پچھلے تین دن سے میں تمہارا پیچھا کر رہا ہوں۔''

''کیوں؟ تم کون ہو؟''

''میرا نام ایرک ہے اور میں اسٹیفن کے ساتھ کام کرتا تھا۔ اب اسٹیفن قتل ہو چکا ہے تو تمام ذمے داری مجھ پر آن پڑی ہے اور مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ اسٹیفن کہتا تھا کہ اگر وہ قتل ہو جائے تو میں تم سے ملوں لیکن میں یقین کر لینا چاہتا تھا کہ تم پر اعتماد کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ آج کے جی بی کے قاتلوں نے تم پر حملہ کر کے مجھے یقین دلا دیا ہے کہ تم سے بات کی جا سکتی ہے۔''

''لیکن کے جی بی والے مجھے کیوں قتل کرانا چاہتے ہیں؟'' پیٹر نے پوچھا۔

''اس لئے کہ اسٹیفن نے مرنے سے پہلے تمہیں حقیقت بتا دی تھی۔''

پیٹر محتاط ہو گیا۔ وہ ابھی ایرک سے کھل کر بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ''اسٹیفن نے چند بے معنی سے الفاظ مجھ سے کہے تھے جن کا مطلب میری سمجھ میں نہیں آ سکا۔ اس نے کہا۔

''لیکن روسیوں کو تو اس کا علم نہیں کہ تم کتنا جانتے ہو۔ ویسے یہ بتاؤ اگر اسٹیفن نے کوئی واضح بات تمہیں نہیں بتائی تھی تو تم جینا سے ملنے کیوں گئے تھے؟''

''جینا میری دوست ہے'' پیٹر نے کہا ''میں کسی خاص وجہ کے بغیر بھی اس سے مل سکتا ہوں۔''

ایرک کا لہجہ طنزیہ ہو گیا ''جینا ایک ایسے آدمی کی بیوہ بھی ہے جو جانتا تھا کہ کارکولا ٹیپ میں کیا ہے۔''

کارکولا ٹیپ..... پھر وہی کارکولا۔ شاید ایرک اسے کارکولا کے راز سے آشنا کر دے۔ ایرک نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ''میرے گھر چلو۔ وہاں ہم تفصیل سے بات کریں گے۔''

''نہیں'' پیٹر نے کہا۔ ''پہلے بتاؤ کہ تم مجھ سے کس قسم کی مدد لینا چاہتے ہو؟''

''آل رائٹ'' ایرک نے کہا ''میں تمہیں بتاتا ہوں بڑی اہم شخصیتیں قتل ہونے والی ہیں۔ وقت بہت کم ہے۔ بارہ اکتوبر میں صرف نو دن باقی رہ گئے ہیں۔''

پیٹر کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔ اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن اس کے حلق میں جیسے پھندا پڑا ہوا تھا۔ سات اکتوبر سے کارکولا کانفرنس شروع ہونے والی تھی اور بارہ اکتوبر کو امریکی صدر اور روسی وزیراعظم نے معاہدے پر دستخط کرنے تھے۔ وہ خاموشی سے ایرک کے ساتھ چل پڑا۔

کچھ دیر بعد وہ ایرک کے گھر میں کافی پی رہے تھے۔ ایرک اس کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ''اب بتاؤ اسٹیفن نے تمہیں کیا بتایا تھا؟''

پیٹر اب بھی جھجک رہا تھا۔ وہ فیصلہ نہیں کر سکتا تھا کہ ایرک پر کس حد تک اعتماد کرے اگر کامپٹن جیسے شخص فریبی ثابت ہو سکتے ہیں تو ایک انجان شخص کیوں نہیں ہو سکتا۔

''میں نے تمہیں بتایا تھا کہ اسٹیفن نے چند بے ربط سے الفاظ کہے تھے مثلاً چھ روسی قیدی۔''

''اور تم ان الفاظ کا ربط معاہدہ کارکولا سے جوڑنے کے لئے جینا سے ملنے گئے تھے۔ یہی بات تھی نا؟''

پیٹر نے اقرار میں سر ہلایا۔ ''جینا نے مجھے بتایا تھا کہ قیدی پرم کے کیمپ سے فرار ہو گئے ہیں۔ اس نے مجھے یوری اور ماریا کے قتل کی خبر بھی دی تھی۔ بعد میں دوسرے ذرائع سے معلوم ہوا کہ نکولائی بھی قتل ہو گیا ہے۔''

''تمہاری اطلاع میں اضافے کے لئے بتا دوں کہ سبولیو بھی قتل ہو چکا ہے۔''

پیٹر نے یہ خبر خاموشی سے سن لی۔ ایرک نے گیراج میں اسے جو کچھ بتایا تھا۔ اس کے مقابلے میں سبولیو کی موت کیا حقیقت رکھتی تھی؟

''جینا نے تمہیں بتایا تھا کہ قیدی کیوں قتل ہو رہے ہیں؟'' ایرک نے سوال کیا۔

''اسے علم نہیں تھا'' پیٹر نے کہا ''لیکن ظاہر ہے کہ وہ سرحد عبور کرنے کی کوشش میں قتل ہوئے۔ اس فرار اور قتل عام کا کوئی نہ کوئی تعلق معاہدہ کو ناکام بنانا چاہتے ہیں۔''

''تمہارا خیال غلط ہے'' ایرک نے کہا ''روسی اس معاہدے کے بارے میں سنجیدہ ہیں البتہ وزیر خارجہ ملواسکی اس کا سخت مخالف ہے۔''

ملواسکی؟ پیٹر نے حیرت سے کہا۔ وہ تو کامپٹن کے ساتھ مذاکرات میں شریک تھا۔ ان دونوں نے مل کر مسودہ تیار کیا تھا۔''

''ان کوششوں کا اصل ذمے دار کامپٹن تھا۔ ملواسکی کو مجبوراً مذاکرات میں شریک ہونا پڑا۔ کیونکہ یہ وزیراعظم کا حکم تھا۔ اب ملواسکی اس معاہدے کو تباہ کرنا چاہتا ہے۔ وہ مارکس اور لینن کی تعلیمات کا کٹر پیروکار ہے۔ وہ اور اس کے ساتھی پوری دنیا میں اشتراکی انقلاب لانا چاہتے ہیں۔ اس معاہدے پر اکتوبر میں دستخط ہونے ہیں۔ اکتوبر میں ہی روس میں اشتراکی انقلاب کی سالگرہ منائی جاتی ہے۔ یہ انقلابی جذبے کی توہین ہے کہ اسی ماہ میں ایسا معاہدہ کیا جائے جس سے انقلاب کی روح مجروح ہوتی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ملواسکی اور اس کے ساتھیوں نے کارکولا میں اپنا وار کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔''

''تمہارا مطلب ہے کہ وہ روسی وزیراعظم اور امریکی صدر کو قتل کریں گے؟ صرف معاہدے کو ناکام کرنے کی خاطر؟''

ایرک نے انکار میں سر کو جنبش دی ''صرف معاہدے کو ہی ناکام کرنے کے لئے نہیں۔ بلکہ اپنے ملک کو دوبارہ صحیح اشتراکی بنیادوں پر چلانے کے لئے۔ ان کا اصل ہدف روسی وزیراعظم ہے۔ لیکن وہ امریکی صدر کو پہلے قتل کریں گے اور وزیراعظم کو بعد میں۔ اس عمل سے ان کا مقصد دنیا کو یہ تاثر دینا ہوگا کہ امریکی صدر کے قتل کا حکم خود روسی وزیراعظم نے دیا تھا۔ لیکن واردات کے وقت اتفاق سے اسے بھی گولی لگ گئی۔ انہوں نے اس بات کو ثابت کرنے کے لئے جعلی حکم نامے پہلے ہی تیار کر لئے ہیں۔ تم خود سوچو۔ جب یہ قتل ہوں گے تو پوری دنیا میں سنسنی پھیل جائے گی کچھ دیر کے لئے ایک عظیم سیاسی خلاف پیدا ہوگا۔ اس وقفے میں ملواسکی آسانی سے روس کی حکومت پر قبضہ کر لے گا۔ اور پھر دنیا میں انسانی قدریں اس بری طرح پامال ہوں گی کہ لوگ اسٹالن کے عہد کے مظالم بھی بھول جائیں گے۔''

پیٹر جیسے کوئی بھیانک خواب دیکھ رہا تھا ''کیا اتنا بڑا حادثہ ہو سکتا ہے؟'' وہ بڑبڑایا۔

''یقین کرو ایسا ہی ہوگا'' ایرک نے کہا۔

''اس کا کوئی ثبوت ہے؟''

''اس کا ثبوت ملواسکی کی اپنی آواز میں ٹیپ پر موجود ہے۔'' ایرک نے بتایا ''اس ٹیپ میں معاہدے کے نکات کے علاوہ کچھ اور بھی ہے۔ جس کی کامپٹن کو خبر نہیں اور خبر ہو بھی تو وہ دوسرے ٹیپ کے بغیر سن نہیں سکتا۔'' پیٹر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایرک نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا ''میں تمہیں سب کچھ بتا رہا ہوں واقعہ یہ ہے کہ جب ملواسکی نے محسوس کیا کہ معاہدہ ضرور کامیاب ہوگا تو اسی رات اس نے اپنے ساتھیوں کی میٹنگ بلائی اس میٹنگ روم میں جہاں دن کو معاہدے کے نکات طے ہوئے تھے۔ وہیں اس نے ساری سازش تیار کی۔ اسے یہ خبر تھی کہ اس کے بااعتماد ساتھیوں میں سے ایک دراصل اسٹیفن کا آدمی ہے۔ اس آدمی نے سازش کو بوسونگھتے ہی ریکارڈنگ سسٹم کا بٹن دبا دیا اور ملواسکی کی ساری گفتگو بھی اسی ٹیپ میں ریکارڈ ہو گئی۔ جس میں دن کے وقت معاہدے کے نکات ریکارڈ کئے گئے تھے۔ بعد میں ملواسکی کو کسی طرح اس بات کی خبر ہو گئی اور یہ سارا جھگڑا پھیلا۔ اب ہمیں تنہا ہی کوئی قدم اٹھانا ہے اس سازش کو روکنے کے لئے۔''

''تم دیوانے ہو گئے ہو گیا'' پیٹر نے کہا ''یہ معاملہ اتنا معمولی نہیں کہ ہم تنہا اس سے نپٹ سکیں۔ ہمیں ایف بی آئی یا

سیکرٹ سروس کی مدد لینی چاہیے۔"

"اسٹیفن نے اس سے بھی بہتر راستہ اختیار کیا تھا اپنی موت سے دو دن پہلے اس نے کامپٹن کو سازش کا سارا حال بیان کر دیا تھا۔" ایرک نے کہا۔

پیٹر کو دھکا سا لگا۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اس کے ذہن میں وہ منظر گھوم گیا جب اس نے کامپٹن سے اسٹیفن کا ذکر کیا تھا۔ کامپٹن نے ایسا تاثر دیا تھا جیسے وہ اسٹیفن کو بھول گیا ہو۔ حالانکہ اتنی اہم ملاقات کے بعد اسٹیفن کو بھول جانا بعید از قیاس تھا۔ کامپٹن کا ایک اور جھوٹ۔ اس نے تو پیٹر سے اس سازش کا ذکر بھی نہیں کیا تھا۔ ابھی کامپٹن اسے مزید کتنے فریب دے گا۔ اس نے آنکھیں کھول کر ایرک کو دیکھا "کامپٹن نے اسٹیفن کو کیا جواب دیا؟"

"اس نے کہا کہ اسٹیفن جاگتے میں خواب دیکھ رہا ہے۔ اس کے مسائل پہلے ہی بے شمار ہیں اور اب اسٹیفن ایک اور مسئلہ لے آیا ہے جس کا کوئی وجود نہیں۔ اس نے صاف کہہ دیا کہ وہ کسی ایسی بات کو سننے پر آمادہ نہیں جس سے معاہدے پر زد پڑتی ہو اگر ایسی کسی سازش کا وجود ہے تو اسٹیفن کو چاہیے کہ وہ ثبوت لے آئے اسی لئے اسٹیفن نے تمہیں بلایا تھا وہ تمہاری مدد سے ثبوت حاصل کرنا چاہتا تھا۔"

پیٹر نے حیرانی سے کہا "کون سا ثبوت؟ میں بھلا اس کی کیا مدد کر سکتا تھا؟" "ثبوت تو ٹیپ میں ہے اور ٹیپ روس میں۔"

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

ایرک آگے جھک گیا۔ "اب تم نے ٹھیک سوال کیا ہے ایک ٹیپ اور بھی ہے۔ یہاں امریکہ میں۔ کامپٹن کے پاس۔ دراصل ایک پیچیدہ اور ٹیکنیکل طریقے سے مذاکرات کو بیک وقت دو ٹیپوں پر ریکارڈ کیا گیا تھا اگر صرف ایک ٹیپ چلایا جائے تو اس میں سے مکھیوں کی بھنبھناہٹ جیسی آواز آتی ہے لیکن دونوں ٹیپ چلانے سے صاف انسانی آواز آتی ہے۔ کامپٹن اور ملواسکی کی آواز۔ ایک ٹیپ روسیوں نے رکھ لی تھی اور دوسری کامپٹن اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ میری نظر میں کامپٹن کا کردار بہت مشکوک ہے۔ وہ کسی صورت میں بھی اپنے ٹیپ کے بارے میں دوسرے کو نہیں بتاتا تمہیں بھی تو نہیں بتایا اور کیا خبر ہو اس سازش سے آگاہ ہو اگر تم یہ بات کامپٹن کو بتاؤ گے تو وہ تمہیں بھی چلتا کر دے گا۔ اب ایک ہی صورت ہے تم کامپٹن کا ٹیپ چرا لو۔"

پیٹر فکر میں ڈوب گیا۔ ٹیپ سے اب بے شمار اسرار وابستہ ہو گئے تھے۔ بہت سے لوگ اس ٹیپ کی صلیب پر اپنی جان ہار چکے تھے۔ کرسنک جیسا مدبر انسان بھی اس معاہدے کے خلاف ہو گیا تھا۔ ٹیپ میں کوئی ایسی بات ضرور تھی جسے کامپٹن اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ ایرک ٹھیک کہہ رہا تھا۔ اسے ٹیپ چرانا ہی پڑے گا تاکہ اتنی خوفناک سازش ناکام ہو سکے۔ اس نے فیصلہ کن انداز سے ایرک کی طرف دیکھا "مگر دوسرے ٹیپ کے بغیر میری کوشش بے کار ہو گی۔"

"تم فکر نہ کرو۔ یہ میرا مسئلہ ہے۔ میرے آدمی روس میں بے کار نہیں بیٹھے۔" ایرک نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ ٹیپ حاصل کرتے ہی میں تمہیں اطلاع دوں گا۔" پیٹر نے فیصلہ سنا دیا۔

نینا اور ولاڈی بھی پرم کیمپ سے فرار ہونے والے قیدی تھے۔ ان کا آپس میں شوہر بیوی کا رشتہ تھا۔ سی آئی اے نے ان دونوں کے لئے بھی فرار کے الگ الگ راستے مقرر کئے تھے۔ لیکن آخر وقت میں ان دونوں نے اکٹھے فرار ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ تنہا بچ نکلنے سے اکٹھے مرجانا بہتر تھا۔ وہ دونوں اس راستے پر روانہ ہوئے جو ولاڈی کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ یہ ٹرین کا مسلسل سفر تھا۔ تین دن کے سفر کے بعد انہوں نے روسی سرحد کے قریب آخری اسٹیشن پر اتر جانا تھا۔ باقی سفر پیدل طے کر کے سرحد عبور کرنی تھی اور اب آخری اسٹیشن آنے میں صرف دو گھنٹے کی دیر تھی۔ خوف سے ان کے دل دھڑکتے رہے تھے۔ لیکن اب تک انہوں نے کسی مشکوک شخص کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ اپنے چار ساتھیوں کے انجام سے بے خبر تھے۔ اور اب منزل قریب آنے کے باعث ان کی امید بحال ہو رہی تھی۔ تبھی ٹرین کی رفتار کم ہونے لگی۔ وہ حیران ہوئے کہ اس برف آلود ویرانے میں بغیر اسٹاپ کے ٹرین کیوں رک رہی ہے؟ پھر ایک ہلکے سے جھٹکے سے ٹرین رک گئی۔ ان کے کمپارٹمنٹ کا دروازہ ایک دھماکے سے کھلا اور ایک آدمی اندر داخل ہوا۔ وہ دونوں اسے اچھی طرح پہنچانتے تھے۔ کے جی بی کا چیئرمین بورس خود انہیں گرفتار کرنے آیا تھا۔ ان کا فرار ناکام ہو چکا تھا۔ بورس کے ساتھ چار مسلح آدمی تھے۔ دونوں سے ٹیپ لے لئے گئے اور انہیں کمپارٹمنٹ سے باہر نکلنے کا حکم دیا گیا۔ باہر ایک فوجی گاڑی ان کا انتظار کر رہی تھی۔ ان کے سوار ہوتے ہی واپسی کا سفر شروع ہو گیا۔ گزرتا ہوا ہر لمحہ انہیں اذیتوں اور ذلت آمیز موت کی طرف لے جا رہا تھا۔ وقت اور فاصلوں کا امتیاز ان کے ذہن میں بیٹھے رہے اور گاڑی ایک فوجی ائیر پورٹ میں رن وے پر آ کر رکی۔

©جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com
www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

قسط نمبر9

اب نہیں طیارے میں سوار کرادیا گیا بورس یہاں بھی ان کے ساتھ تھا۔ طیارہ ماسکو کے قریب ایک فوجی ہوائی اڈے پر اتر گیا۔ وہ سمجھ گئے کہ انہیں کے جی بی کے ہیڈ کوارٹر میں لے جایا جارہا ہے۔ جہاز ایک سرمئی رنگ کی عمارت کے قریب رک گیا۔ ایک ٹرک جہاز کے قریب آیا اور جہاز میں ایندھن بھرا جانے لگا۔ بورس نے پہلی بار انہیں مسکرا کر دیکھا اور کہا ''میں یہاں تم دونوں سے رخصت ہورہا ہوں۔'' پھر اس کی آواز بہت دھیمی ہوگئی ''یوری نے جو ٹیپ تمہیں دیئے تھے۔ وہ خالی تھے۔ اصلی ٹیپ یہ ہے۔'' اس نے ٹیپ ولاڈی کے ہاتھ پر رکھ دی۔ وہ دونوں حیرت سے اسے دیکھ رہے تھے۔ ''یہ ٹیپ لے جاؤ اور آزادی مبارک ہو'' یہ کہہ کر بورس جہاز سے اتر گیا۔

وہ بے یقینی کے عالم میں بیٹھے رہے پھر جہاز کے دروازے بند ہوئے اور وہ حرکت میں آگیا چند لمحوں بعد وہ پھر پرواز کررہے تھے۔ یہ سچ تھا؟ بورس انہیں زندگی اور آزادی دونوں دے گیا تھا؟ جینا کے منہ سے بے اختیار خوشی کی چیخ بلند ہوئی اور وہ ولاڈی کے سینے میں سما گئی۔

پیٹر نے سونیا کے گھر پر اس سے ملاقات کی۔ ''میں تمہیں جو کچھ بتانے والا ہوں۔ اسے سن کر تمہیں صدمہ تو ہوگا لیکن اب میں خاموش نہیں رہ سکتا۔'' وہ جذباتی انداز میں بولتا گیا اور سونیا اپنے باپ کے جھوٹوں اور فریبوں کی کہانی سنتی رہی آخر وہ سسک پڑی اسے صدر امریکہ اور روسی وزیراعظم کو قتل سے بچانے کے لئے کچھ کرنا ہی ہوگا۔ تمام دنیا کا امن اس معاہدے سے نہیں اس ٹیپ سے وابستہ تھا۔ وہ یہ ٹیپ چرا کر امریکہ کو بچا سکتی تھی۔ چاہے اس سے اس کے باپ کی تمام کوششیں خاک میں مل جائیں۔ اس کے باپ کا کردار بھی تو عجیب سا تھا۔ اگر وہ ایف بی آئی یا سیکرٹ سروس کو صورتحال سے آگاہ کرتے تو وہ بھی سرکاری سطح پر کامپٹن سے ہی رابطہ قائم کریں گے۔ اور کامپٹن انہیں ٹیپ کبھی نہ لینے دے گا۔ وہ ٹیپ چرا کر پیٹر کے حوالے کرنے پر آمادہ ہوگئی ''ایرک ٹھیک کہتا ہے'' اس نے سوچا ''پیٹر کو ٹیپ حاصل کرنا ہی چاہیے۔''

''بات اتنی اہم تھی کہ مجھے نیویارک سے واشنگٹن تک خود ہی آنا پڑا۔ کیا تمہارے پاس وقت ہے؟'' جینا نے پیٹر نے کہا۔

''کیوں نہیں جینا..... کہو کیا بات ہے؟''

جینا نے گہری سانس لی اور پیٹر کے سامنے بیٹھ گئی۔ ''تم ڈینیل سے کس حد تک واقف ہو؟'' پھر اس نے پیٹر کو ایلن اور پولینڈ سے آئے ہوئے شخص کا واقعہ سنایا ''اس سے تو ایسے لگتا ہے جیسے اصلی ڈینیل وارسا میں مارا گیا تھا پھر یہ ڈینیل کون ہے؟''

پیٹر سناٹے میں آگیا ''میں اس پولش شخص سے ملنا چاہتا ہوں۔'' اس نے جینا سے کہا۔

''تم نہیں مل سکتے میں خود اس سے ملنے اس کے ہوٹل میں گئی تھی۔ وہ واپس جاچکا ہے'' پیٹر کا سر مایوسی سے جھک گیا۔ آستینوں میں ہی سانپ پلتے ہیں۔ ایک اور تلخ حقیقت اس پر کھل گئی تھی۔ ڈینیل روسی جاسوس تھا۔ ملواسکی کا ساتھی۔

سونیا نے پیٹر کو فون پر بتایا ''پیٹر جلدی سے میرے گھر آجاؤ۔ میں نے ٹیپ حاصل کرلیا ہے۔ میرا دل قابو میں نہیں۔ مجھے اپنے باپ پر رحم آرہا ہے۔ اس سے پہلے کہ میرا ارادہ بدل جائے مجھ سے ٹیپ لے لو۔''

پیٹر آندھی کی رفتار سے سونیا کے پاس پہنچ گیا۔ سونیا نے ٹیپ اسے دے دیا۔

پیٹر نے اس ٹیپ کو غور سے دیکھا جس میں بہت بڑی سازش بند تھی۔ وہ اس کی آواز سننا چاہتا تھا لیکن ابھی وقت نہیں آیا تھا۔ ٹیپ لے کر وہ سائونڈ ٹیکنالوجی کے ڈائریکٹر کے پاس گیا اور آدھے گھنٹے میں اسی جیسے دوسرے ٹیپ پر اس کی کاپی بنوا کر واپس سونیا کے گھر آگیا۔ ٹیپ کی نقل اس نے سونیا کے ہاتھوں واپس اسی سیف میں رکھوادی۔ جہاں سے سونیا نے ٹیپ اٹھایا تھا۔ پھر وہ سونیا سے مخاطب ہوا۔ ''تم نے اتنا بڑا قدم اٹھا ہی لیا، تمہارا جذبہ قابل قدر ہے۔ تمہارا باپ ہم پر شبہ بھی نہیں کرسکتا۔ کیونکہ وہ ٹیپ کو اپنی ہی جگہ پر پائے گا۔ اب تم میری ایک اور درخواست مان لو۔ اس ٹیپ کا میرے پاس رہنا مناسب نہیں۔ تم پر کسی کو شک نہیں ہوسکتا۔ اس لئے تم اسے اپنے پاس چھپائے رکھو۔ جب وقت آئے گا تو میں تم سے لے لوں گا۔''

پھر پیٹر نے ایرک کو فون کیا ''مجھے سات بجے شام لائبریری آف کانگریس کے ہال کمرے میں ملو۔'' اس کے بعد اس نے سی آئی اے ہیڈ کوارٹر کے نمبر ملائے، اپنا تعارف کرایا اور آپریٹر کو حکم دیا ''مارگریٹ سے بات کراؤ'' وہ فون کان سے لگائے انتظار کرتا رہا پھر کسی دوسرے شخص نے آواز آئی۔ ''مجھے افسوس ہے مسٹر پیٹر۔ مارگریٹ کل ایک حادثے میں ہلاک ہوچکی ہے۔''

پیٹر نے آہستہ سے فون رکھ دیا ''وہ بھی چلی گئی۔''

اس نے سوچا ''اسے کس نے سزائے موت دی ہوگی۔ سی آئی اے یا کے جی بی نے؟'' اس سے بہت زیادہ تو خود

اسے معلوم تھا۔اس کی اپنی موت اب کتنی دیر میں آئے گی۔

سات بجے پیٹر لائبریری آف کانگریس کے ہال میں پہنچا ایرک اس کا منتظر تھا۔

''میں نے ٹیپ حاصل کرلیا ہے لیکن تمہیں نہیں دوں گا۔'' پیٹر نے کہا۔

ایرک مایوس نظر آنے لگا ''مگر کیوں؟''

''میرا فرض ہے کہ سرکاری دستاویزات کی حفاظت کروں۔اگر مجھے کوئی خطرہ محسوس ہوا تو میں فوراً اطلاع دے دوں گا۔''

ایرک نے اچانک سوال کیا ''یہ ڈیشیل کون ہے؟''

''اوہ! تو تمہیں بھی اس پر شک ہے'' پیٹر نے کہا۔

''ڈیشیل روسی ایجنٹ ہے۔مجھے بھی ابھی پتہ چلا ہے۔''

''کیا وہ کانفرنس میں شریک ہونے کارکولا جائے گا؟''

ایرک نے پوچھا۔

''ہاں! اس کا نام شرکائے کانفرنس کی فہرست میں شامل ہے۔''

''خیر میں اس کا انتظام کرلوں گا کہ وہ کانفرنس میں شریک نہ ہوسکے۔تم مجھے اسکا ایڈریس بتادو'' ایرک نے کہا۔

''وہ ورجینیا ایونیو میں رہتا ہے۔لیکن تم کیا کرو گے؟

قتل؟

''قتل میرا اسٹائل نہیں ہے۔'' ایرک نے مسکراتے ہوئے کہا ''لیکن میں کسی کو غائب کرنے کا انتظام بخوبی کرسکتا ہوں۔''

سونیا اور پیٹر سات اکتوبر کو کارکولا جزیرے میں پہنچے۔جزیرہ انتہائی دلفریب تھا۔پیٹر نے اسے ساتھ لے کر اس عمارت کا جائزہ لیا جہاں کانفرنس رات سے شروع ہوتی تھی۔کوئی غیر معمولی بات معلوم نہیں ہوتی تھی۔سارے انتظامات تسلی بخش تھے۔

تین دن گزر گئے پیٹر سارا دن کانفرنس میں شریک رہتا اور سونیا جزیرے میں گھومتی رہتی۔تیسرے دن سونیا نے ایک کشتی کرائے پر لی اور نزدیکی جزیرے باویجا کی سیر کرنے چلی گئی۔جب وہ سیر سے واپس لوٹ رہی تھی تو پیٹر کو ایک عجیب خبر سنانے کے لئے بے چین تھی۔وہ اپنے کمرے میں داخل ہوئی تو اسے نہایت ابتر حالت میں پایا۔کسی نے کمرے کی بھرپور تلاشی لی تھی۔وہ مسکرائی۔کوئی ٹیپ کی تلاش میں وہاں سر کھرا تا رہا تھا لیکن ٹیپ اب دوبارہ پیٹر کے پاس تھا۔اسی وقت پیٹر وہاں آگیا۔وہ دونوں بکھری ہوئی چیزیں ترتیب سے رکھنے لگے۔سونیا نے کہا ''میں نے آج بیکر کو باویجا جزیرے میں دیکھا ہے۔''

پیٹر کو حیرت ہوئی۔بیکر امریکہ کی ایک یونیورسٹی میں برقیات کا پروفیسر تھا۔تمام ملک میں وہ ''کمپیوٹر مین'' کے نام سے مشہور تھا۔''وہ باویجا میں کیا کر رہا تھا؟'' پیٹر نے پوچھا۔

سونیا نے کہا ''وہاں ایک پرانے زمانے کی خانقاہ ہے۔جس کے سامنے ایک مسلح فوجی کھڑا تھا۔اس نے مجھے خانقاہ کے قریب آنے سے منع کردیا۔وہیں سامنے سے بیکر کھڑا تھا۔وہ مزے سے چلتا ہوا خانقاہ میں داخل ہوگیا۔جیسے وہ جگہ اس کی ملکیت ہو۔

آدھی رات کے وقت نینا اور ولاڈی جزیرے کے سنسان ساحل پر موٹر بوٹ سے اترے۔وہ نہیں جانتے تھے کہ کہاں آگئے ہیں۔آزادی کی توقع پر انہوں نے خود کو مکمل طور پر ان لوگوں کے سپرد کردیا تھا جو انہیں یہاں لے آئے تھے۔ایک آدمی ان کی رہنمائی کر رہا تھا۔وہ اس آدمی کے پیچھے چلتے ہوئے پرانے شہر میں داخل ہوگئے۔اس آدمی نے ایک مکان کے دروازے پر دوبارہ دستک دی۔دروازہ کھلا وہ تینوں اندر چلے گئے۔ان کے سامنے ایک داڑھی والا نوجوان کھڑا مسکرا رہا تھا ''خوش آمدید'' اس نے دونوں ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا ''میرا نام ایریک ہے۔تم اب روس سے بہت دور یوگوسلاویہ میں بالکل محفوظ ہو۔''

پیٹر اور سونیا ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں ناشتہ کر کے اٹھے تو کاؤنٹر کلرک نے انہیں ایک لفافہ دیا۔پیٹر نے لفافہ چاک کر کے ایک کاغذ نکالا اور پڑھنے لگا۔

''کیا لکھا ہے اس میں؟'' سونیا نے پوچھا۔

پیٹر نے کاغذ اس کی طرف بڑھا دیا۔ایرک کا پیغام تھا۔دونوں جڑواں آج رات ملنا چاہتے ہیں۔نو بجے خانقاہ میں ملو۔

''اس کا مطلب ہے؟'' سونیا نے پوچھا۔

پیٹر نے کہا؟ ''اس نے روسی ٹیپ حاصل کرلیا ہے۔اور چاہتا ہے کہ میں امریکی ٹیپ لے کر اسی خانقاہ میں جاؤں

جہاں تم نے بیکر کو دیکھا تھا۔''

ملواسکی، بورس اور ایرک کمرے میں باتیں کر رہے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی اور ایک آدمی کمرے میں داخل ہوا ''چیئرمین بورس کے لئے پیغام ہے'' اس نے کہا ہے۔ بورس نے لفافہ لے لیا اور کھول کر پیغام پڑھا۔ اس کے چہرے سے پریشانی ظاہر ہونے لگی۔

''کیا پیغام ہے؟'' ملواسکی نے پوچھا۔

''جزیرے میں ایک عورت پکڑی گئی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ سونیا کامپٹن ہے۔

بورس نے بتایا۔

ملواسکی نے پوچھا ''کیا وہ خانقاہ کے اندر پکڑی گئی ہے؟''

بورس نے اقرار کیا۔ ایرک نے کہا ''اسے چھوڑ دو۔ اسے پیٹر کے پاس جانے دو۔''

ملواسکی نے ایرک کی طرف دیکھا ''ہم اسے یرغمال کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں۔''

کامپٹن کے خلاف؟'' ایرک نے سوال کیا۔

''نہیں پیٹر کے خلاف'' ملواسکی نے کہا ''بورس تم اسے یہاں لے آؤ۔''

پیٹر سات بجے سے ہی خانقاہ کے اردگرد گھوم کر جائزہ لے رہا تھا۔ ایرک سے ملنے میں ابھی دو گھنٹے باقی تھے اور وہ اس وقفے میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ بیکر یہاں کیا کر رہا تھا۔ اسے یہ گمان بھی نہ ہو سکتا تھا کہ اسی خانقاہ میں سونیا دوپہر کے وقت پکڑ لی گئی ہے۔ وہ صبح سے ہی جان بوجھ کر سونیا سے علیحدہ رہا تھا۔ تاکہ سونیا اس کے ساتھ چلنے کی ضد نہ کرے۔ سونیا کا ارادہ یہ تھا کہ وہ پیٹر کے ساتھ دن کی وقت خانقاہ کا ایک چکر ضرور لگائے گی لیکن جب پیٹر تلاش کرنے پر بھی نہ ملا تو وہ دوپہر کو وہاں اکیلی چلی گئی تھی۔ پیٹر اس حادثے سے بے خبر سات بجے یہاں پہنچا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا خانقاہ کے دروازے تک پہنچا اور اسے ہلکا سا دھکا دیا۔ دروازہ مقفل نہیں تھا۔ وہ اندر چلا گیا جہاں کوئی بھی موجود نہ تھا۔ سامنے ایک چھوٹا سا گرجا گھر تھا۔ پیٹر پرانے بنچوں کے درمیان سے گزرتا ہوا ڈائس تک چلا گیا۔ کسی انجانے جذبے کے تحت اس نے جیب سے ٹیپ نکالا اور ڈائس کے نیچے کھسکا دیا۔ خانقاہ کے عقبی دروازے سے وہ باہر گلی میں نکل گیا۔ سامنے ایک مکان تھا۔ اس نے پتھر کے دروازے پر کھدا ہوا مکان کا نام پڑھا ''مارکو پولو ہاؤس'' وہ مکان جو مارکو پولو سے منسوب تھا۔ ساتھ ہی ایک بورڈ لگا تھا ''برائے مرمت بند ہے۔'' وہ وہیں اندھیرے میں کھڑا ہو گیا۔ رات کے بڑھتے اندھیرے کے ساتھ چاند کی روشنی تیز ہوتی گئی۔ اب بھی ایرک کے آنے کا وقت نہیں ہوا تھا۔ پھر اس نے مارکو پولو ہاؤس کا دروازہ کھلتے دیکھا۔ باہر نکلنے والے آدمی کو دیکھ کر اسے بڑی حیرت ہوئی۔ کے جی بی کا چیئرمین بورس یہاں کیا کر رہا تھا؟ بورس گلی پار کر کے نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ پیٹر تجسس کے تحت مکان میں داخل ہونا ہی چاہتا تھا کہ ایک بار پھر دروازہ کھلا۔ پیٹر چند لمحے سکتے کے عالم میں باہر نکلنے والوں کو دیکھتا رہا پھر وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔

وہ اندھا دھند بھاگ رہا تھا۔ مارکو پولو ہاؤس اور خانقاہ سے دور۔ کیونکہ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کے دوست کون تھے اور دشمن کون؟ بورس کو دیکھ کر اسے حیرت ہوئی تھی لیکن اس بار باہر آنے والوں کو دیکھ کر اس پر جیسے آسمان ٹوٹ پڑا تھا۔ ان میں ایک ملواسکی تھا اور دوسرا ایرک۔

حواس باختہ پیٹر سونیا کے ہوٹل پہنچا۔ وہ سونیا کو خبردار کرنا چاہتا تھا کہ ایرک بھی ملواسکی کا ساتھی ہے وہ ابھی لابی سے گزر رہا تھا کہ ایک آواز نے اسے متوجہ کیا۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ ایک عورت اسے بلا رہی تھی۔

''میرا تعلق ہوٹل کی انتظامیہ سے ہے'' اس عورت نے قریب آ کر کہا ''ہمیں اینڈری نام کے ایک آدمی نے بتایا ہے کہ مس کامپٹن آج صبح دس بجے اس سے ایک موٹر بوٹ اور غوطہ خوری کا لباس لے کر روانہ ہوئی تھیں کافی دیر بعد بھی جب وہ نہ لوٹیں تو اینڈری دوسری بوٹ پر انہیں ڈھونڈنے نکلا۔ اسے موٹر بوٹ مل گئی لیکن مس کامپٹن غائب ہیں۔''

''اوہ نہیں'' پیٹر بے اختیار چیخ اٹھا۔

''مجھے افسوس ہے مسٹر پیٹر۔ ہم نے مسٹر کامپٹن کو اطلاع دے دی ہے۔ وہ بے چینی سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔''

کامپٹن نے دروازہ کھولا ''پیٹر۔ شکر ہے تم آ گئے۔'' وہ پیٹر کو اندر لے گیا۔ میز پر اسکاچ کی بوتل کھلی ہوئی تھی۔ کامپٹن شراب پیتا رہا تھا۔ فکر سے اس کا چہرہ مرجھایا ہوا تھا ''تم پیو گے؟ اس نے پیٹر سے پوچھا۔''

''میں یہاں پینے پلانے نہیں آپ سے اہم گفتگو کرنے آیا ہوں'' پیٹر کے لہجے میں طنز تھا ''سونیا کی گمشدگی کو معمولی حادثہ نہ سمجھیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ بادیجا جزیرے میں گئی ہے۔''

بادیجا کا نام سن کر کامپٹن کے چہرے پر معمولی سے تعجب کے سوا کوئی تاثر نہ ابھرا۔ جب کہ پیٹر کو توقع تھی کہ وہ یہ نام سن کر اچھل پڑے گا۔

''بادیجا میں؟'' کامپٹن نے کہا ''وہ تو یوگوسلاویہ کا فوجی اڈہ ہے۔''

پیٹر کا طنزیہ لہجہ برقرار تھا ''اگر وہ فوجی اڈہ ہے تو بیکر وہاں کیا کر رہا تھا؟''

''کل شام سونیا نے بیکر کو وہاں دیکھا تھا۔ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ جناب؟''

''مجھے ذرا بھی علم نہیں'' کامپٹن نے کہا۔

''آپ کو کچھ علم نہیں؟ یہ بھی خوب ہے۔ کارکولا اور اس کے اردگرد جو کچھ ہونے والا ہے۔ آپ سب جانتے ہیں۔ اب انجان بننے سے کوئی فائدہ نہیں۔''

کامپٹن نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ وہ یک لخت بہت تھکا ہوا اپنی عمر سے زیادہ معمر نظر آنے لگا۔ اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور بولا آخر کار کوئی تم تک بھی قتل کی داستان لے کر پہنچ ہی گیا۔'' اس نے پیٹر کی طرف مایوسی سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہاں یہ راز کب تک مجھ سے چھپا رہتا۔''

کامپٹن نے اپنے گلاس سے ایک بڑا گھونٹ حلق سے اتارا ''مجھے معلوم ہے تمہیں کیا بتایا گیا ہوگا۔ یہی نا کہ روس کا ایک فوجی گروہ امریکی صدر اور روسی وزیراعظم کو قتل کرنے والا ہے۔ اور پھر یہ گروہ روس پر قبضہ کر لے گا آخر تم بھی اس چکمے میں آ ہی گئے۔''

پیٹر کو جھٹکا سا لگا۔ وہ ایرک کو ملواسکی کے ساتھ دیکھ چکا تھا۔ ہو سکتا ہے کامپٹن ٹھیک کہہ رہا ہو۔ قتل کی یہ سازش محض ایک دھوکا ہو۔ کامپٹن کہہ رہا تھا ''تمہارے دوست اسٹیفن نے بھی مجھے یہی کہانی سنائی تھی۔ میں نے اسے بتا دیا تھا کہ اس کا اندیشہ بالکل غلط ہے۔ قتل کی اس سازش کا کوئی وجود نہیں۔ دشمن گروہ اسے اپنے مقاصد کے لئے استعمال کر رہا تھا۔ میرا اندازہ ہے کہ آخر اسے بھی احساس ہو گیا تھا کہ یہ ڈراما معاہدہ امن کو ناکام کرنے کے لئے کیا گیا ہے۔ اسی لئے دشمن نے اسے قتل کر دیا۔ وہ نہ رہا تو دشمن تمہاری طرف متوجہ ہوا اور یہی وہم تمہارے دل میں پیدا کر دیا گیا تاکہ تم کوئی ایسی حرکت کر گزرو جس سے معاہدے کو نقصان پہنچے۔''

پیٹر کے حلق میں گرہ سی پڑ چکی تھی۔ وہ کامپٹن پر اعتماد نہ کرنے کا مجرم تھا۔ دشمن کے ہاتھوں کھلونا بن کر وہ بہت آگے نکل چکا تھا۔ اس کے ہونٹوں سے بمشکل آواز نکلی۔

''آپ جانتے ہیں کہ دشمن گروہ کن افراد پر مشتمل ہے؟''

''یہ مارکسی خیالات کے حامی چند افراد پر مشتمل ہے۔ جن کا لیڈر ملواسکی ہے۔ روسی وزیراعظم، صدر امریکہ بھی ایک عرصے سے جانتے ہیں۔ کاش تم مجھ سے کھل کر بات کر لیتے۔'' کامپٹن نے کہا۔

''میں نے آپ سے بات کرنے کی کوشش کی تھی لیکن آپ نے مجھ سے جھوٹ بولا۔ مجھے اندھیرے میں رکھا۔''

کامپٹن کے چہرے پر پچھتاوے کا دکھ تھا ''مجھے اب احساس ہوتا ہے کہ مجھے تم سے جھوٹ نہ بولنا چاہیے تھا۔ لیکن یہ میں نے اس لئے کیا کہ مجھے اندیشہ تھا تم میری بات کا اعتبار نہیں کرو گے۔ میں تمہیں مطمئن کرنا چاہتا تھا۔ وقتی طور پر ہی سہی۔ اس وقت میرے سامنے بڑے مسائل تھے اور تمہیں پوری طرح مطمئن کرنا میرے نزدیک زیادہ اہم نہ تھا۔''

پیٹر اندر سے ٹوٹ کر رہ گیا۔ وہ ایرک کے ہاتھوں بہت احمق بن چکا تھا۔ ان حالات میں اس کا فرض تھا کہ وہ کامپٹن کو سب بتا دے۔ اس نے سب کچھ بتا دیا۔ ایرک، ملواسکی اور ٹیپ کی داستان۔ لیکن وہ کامپٹن کو یہ بتانے کی جرات نہ کر سکا۔ اس نے ٹیپ چرا کر اس کی نقل کامپٹن کے سیف میں رکھ دی ہے۔

پیٹر کے رخصت ہونے کے بعد کامپٹن کچھ دیر صورتحال پر غور کرتا رہا پھر اس نے گلاس میز پر رکھا اور فون کے نمبر گھمانے لگا۔ ''میں تم سے ابھی ملنا چاہتا ہوں'' اس نے فون میں کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

چند منٹ بعد روسی سفیر ولوشن اس کے کمرے میں تھا۔ کامپٹن اس پر پھٹ پڑا۔ ''مجھے ابھی معلوم ہوا ہے کہ سونیا بادیجا جزیرے میں گئی تھی اور وہاں کسی مصیبت میں گرفتار ہے اس کی بازیابی تمہاری ذمہ داری ہے۔ اگر تم نے کل تک اسے بحفاظت وہاں سے نہ نکال لیا تو میں امریکی بحریہ کی کم از کم سولہ بٹالین فوج سے بادیجا پر حملہ کرا دوں گا چاہے اس کا انجام کچھ بھی ہو۔''

ولوشن نے سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھا ''ٹھیک ہے۔ میں کچھ کرتا ہوں۔ تمہیں کل تک اطلاع مل جائے گی۔''

کامپٹن نے کہا ''ایک اور مسئلہ بھی ہے'' ولوشن نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ کامپٹن بولا ''ملواسکی بھی بادیجا میں ہے۔''

سونیا نے ہوش میں آ کر یاد کرنے کی کوشش کی کہ اس کے ساتھ کیا بیتی تھی۔ وہ خانقاہ میں گئی تھی کہ اچانک ایک ہاتھ اس کے منہ پر جم گیا۔ اور ایک سوئی اس کے بازو میں اتر گئی۔ پھر جیسے چاروں طرف اندھیرا چھا گیا تھا۔ اب وہ اس

کمرے میں تھی اور دو چہرے اس پر جھکے ہوئے تھے۔ پیٹر کے دفتر میں لگے ہوئے پوسٹر پر یہ دونوں چہرے وہ کوئی بار دیکھ چکی تھی۔ اس نے خود کو دیکھا۔ غوطہ خوری کے لباس میں وہ خاصی مضحکہ خیز لگ رہی تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی ''یہ کون سی جگہ ہے؟'' اس نے نینا اور ولاڈی سے پوچھا۔

''یوکوسلاویہ کا کوئی جزیرہ ہے۔'' نینا نے جواب دیا ''کم از کم ہمیں یہی بتایا گیا ہے۔''

ولاڈی نے کہا ''ہمیں یہ بھی علم نہیں کہ ہم کب سے یہاں ہیں۔ ایک دن سے۔ دو دن سے۔ میرے پاس گھڑی تھی جو انہوں نے لے لی۔''

''تم دونوں یہاں کیسے پہنچے؟'' سونیا نے پوچھا۔

انہوں نے ٹرین میں پکڑے جانے کا واقعہ سنایا اور یہ بھی کہ وہ بورس کا دیا ہوا ٹیپ لے کر یہاں آئے تھے۔ یہاں ہمیں ایک داڑھی والا ملا جس کا نام ایرک ہے۔'' نینا نے بتایا۔ سونیا چونک گئی۔ نینا کہہ رہی تھی۔ ''پہلے تو ایرک نے ہماری بڑی خاطر تواضع کی۔ کہنے لگا کہ ٹرانسپورٹ کا انتظام ہوتے ہی ہمیں آگے روانہ کر دیا جائے گا۔ اس نے ہم سے ٹیپ مانگا۔ ٹیپ لیتے ہی اس کا رویہ بدل گیا۔ تب سے ہم اس کمرے میں بند ہیں۔''

سونیا سوچ رہی تھی کہ ہم ایرک کی قید میں ہیں۔ اور پیٹر نے آج رات ایرک سے ملاقات کرنی ہے۔ وہ شاید ٹیپ بھی ساتھ لائے۔ کسی طرح پیٹر کو روکنا چاہیے۔ لیکن کیسے؟ بے بسی کے احساس سے سونیا نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ وہ سب جال میں پھنس چکے تھے۔

دروازے پر آہٹ ہوئی۔ تالے میں چابی گھومی اور دروازہ کھل گیا۔ آنے والے کو دیکھ کر سونیا کا رنگ اُڑ گیا۔ اس کے ہاتھوں سے اسکارف گر پڑا اور وہ نڈھال سی ہو کر پلنگ پر بیٹھ گئی۔ ملواسکی کے ہاتھ میں سونیا کا سوٹ کیس تھا جو اس نے ہوٹل سے اٹھوا لیا تھا تاکہ سونیا کپڑے بدل سکے۔ ملواسکی کو فرش پر پڑا ہوا اسکارف نظر آیا۔ اس نے اسکارف اٹھا لیا ''یہ تمہارا ہے نا؟'' اس نے سونیا سے پوچھا۔

سونیا نے اسکارف لینے کے لئے ہاتھ آگے بڑھایا لیکن ملواسکی نے اسے جیب میں ڈال لیا۔

صبح ہونے کو تھی اور پیٹر ابھی تک سونے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ فون کی گھنٹی بجی۔ کاؤنٹر کلرک اس سے مخاطب تھا ''ایک لڑکا آپ کے لئے پیکٹ چھوڑ گیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ پیکٹ آپ کو فوراً دینا ہے۔''

پیٹر نے کہا ''میرے کمرے میں بھیج دو۔''

تھوڑی دیر بعد پیکٹ میں سے نکلا ہوا سونیا کا اسکارف اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے اسکارف کے ساتھ منسلک پیغام پڑھا۔ ''اس اسکاف کو پہچانتے ہو۔ مارکو پولو ہاؤس میں مجھ سے ابھی ملو۔ ایرک۔''

وہ اسے کھلی دھمکی دے رہے تھے۔ سونیا کی جان خطرے میں تھی اور وہ انتظار نہیں کر سکتا تھا۔ ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ وہ تیزی سے کپڑے بدلنے لگا۔

اُفق پر سورج نمودار ہو رہا تھا اور اس کی سنہری روشنی میں مارکو پولو ہاؤس چمک رہا تھا۔ پیٹر نے دستک دینے کے لئے ہاتھ اٹھایا لیکن دروازہ کھل گیا۔ اس کے سامنے ایرک کھڑا مسکرا رہا تھا۔ پیٹر نے اسے گریبان سے پکڑ لیا۔ اس کی آنکھوں میں وحشت تھی۔ ''اگر سونیا کو ذرا بھی نقصان پہنچا تو میں تمہیں قتل کر دوں گا۔''

ایرک اسے کاریڈور میں سے لیتا ہوا ایک دوسرے دروازے پر آ گیا۔ وہ ایک سجے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔ ایک بڑی میز انواع و اقسام کے کھانوں سے پر تھی۔ وہ ناشتہ کر رہے تھے۔ پیٹر نے میز کے گرد بیٹھے ہوئے افراد کو دیکھا۔ نینا اور ولاڈی..... اوہ خدایا..... وہ بھی یہیں تھے۔ ان کے علاوہ ملواسکی، بورس اور سونیا پیٹر نے سونیا کو غور سے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں خوف نہیں تھا۔ وہ سب بڑے سکون سے بیٹھے تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ ملواسکی کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ جس کا رخ سونیا کی طرف تھا۔

''ناشتہ کرو گے؟'' ملواسکی نے پوچھا۔

پیٹر نے محسوس کیا کہ ملواسکی کی آواز اعصابی کشیدگی کی غماز تھی۔ کمرے کی فضا میں ایک بے نام سا تناؤ تھا۔ وہ سب بظاہر پرسکون تھے لیکن دل میں بے چینی تھی۔

پیٹر نے سونیا سے کہا ''تم ٹھیک ہو نا۔''

وہ مسکرائی ''مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے تمہیں پریشانی ہوئی میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' پیٹر اس کے پاس خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''کیا ہو رہا ہے؟'' اس نے مبہم سا سوال کیا۔

''تم دیکھ نہیں رہے کہ ہم ناشتہ کر رہے ہیں۔''

ملواسکی نے کہا ''لیکن پہلے میرے مہمانوں کا تعارف ہو جائے پھر ہم بات کریں گے۔''

''تعارف رہنے دو۔ میں ان سب کو جانتا ہوں۔''

پیٹر نے کہا ''مجھ سے کام کی بات کرو۔ ورنہ میں یہاں سے جا رہا ہوں۔''

''آل رائٹ'' ملواسکی نے کہا ''اگر تمہارا اصرار ہے تو کام کی بات ہو جائے۔ تمہیں حقیقت کا اندازہ ہو گیا ہو گا کہ صدر اور وزیر اعظم کے قتل کی سازش محض ایک ڈراما تھی۔ اس کی کوئی حقیقت نہ تھی۔''

پیٹر نے تلخی سے کہا ''تو پھر مجھے کیوں بتایا گیا کہ انہیں قتل کیا جائے گا؟''

''اس لئے کہ تم ٹیپ چرانے پر مجبور ہو جاؤ'' ملواسکی بولا ''یہ ڈراما ویمر نے..... آئی ایم سوری..... ایرک نے تخلیق کیا تھا۔ اور وہ اس میں ایک حد تک کامیاب بھی رہا۔ تم نے ٹیپ چرا لیا لیکن اسے ایرک کے حوالے نہیں کیا۔ ایرک یا ویمر امریکہ میں ہمارے مشن کا انچارج تھا۔''

''شکر ہے کہ میں نے ٹیپ ویمر کے حوالے نہیں کیا'' پیٹر نے ویمر کی گہری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا ''تو تم ہو روس کے سب سے بڑے جاسوس۔ ظاہر ہے کہ ڈینیل کے جاسوس ہونے کی حقیقت تم سے زیادہ کو جانتا ہو گا۔'' پیٹر کے ذہن سے تمام الجھنیں دور ہو رہی تھیں۔ واقعات کی گم شدہ کڑیاں مل رہی تھیں۔

ویمر نے جواب دینے میں تامل کیا لیکن ملواسکی نے کہا ''اب سب کچھ بتا دو ویمر۔ اب کوئی حرج نہیں۔''

ویمر بولا ''میں یہاں کا انچارج تھا۔ اور ڈینیل میری معرفت روس کو اطلاعات فراہم کرتا تھا۔''

''کرتا تھا کے کیا معنی؟'' پیٹر نے تعجب سے کہا۔

''ڈینیل اب کہاں ہے؟''

''میں نے کہا تھا نا کہ میں اسے غائب کر دوں گا۔ وہ غائب ہو گیا ہے۔ اس وقت روس میں تعطیلات منا رہا ہے۔ اب دوبارہ یہاں نہیں آئے گا۔ میں بھی جانے والا ہوں اور بیکر بھی۔''

ایک خیال بیکر اس کے ذہن میں چمکا ''وہ شخص کون تھا جو نیویارک میں ایلین سے ملا تھا اور جس کی وجہ سے جینا اور مجھے ڈینیل پر شک ہوا تھا۔''

''وہ بھی یہی خاکسار تھا۔'' ویمر نے مسکرا کر کہا ''میں نے تم پر گیراج میں مصنوعی حملہ کرایا تھا تاکہ ہمارے تعارف کی نفسیاتی فضا تیار ہو جائے اور تم مجھ پر اعتماد کرنے لگو۔ ڈینیل کا کام یہاں ختم ہو چکا تھا۔ میں نے تمہارے اعتماد کو زیادہ بڑھانے کے لئے ڈینیل کے خلاف تمہارے ذہن میں شکوک پیدا کئے تاکہ تم حالات کی سنگینی سے گھبرا کر ٹیپ چرانے پر آمادہ ہو جاؤ لیکن میں نے تمہیں قتل کی سازش کے سوا باقی تمام باتیں سچ بتائی تھیں۔ اسٹیفن کی کامپٹن سے ملاقات۔ کامپٹن کی دروغ گوئی۔ ڈینیل کی حقیقت اور ملواسکی کا اس معاہدے کے خلاف ہونا۔ میرا کام ختم ہوا۔ اب ملواسکی اور تمہارا فیصلہ باقی رہ گیا ہے۔''

پیٹر غصے سے اٹھ کھڑا ہوا ''میں نے ملواسکی سے کوئی فیصلہ نہیں کرنا ہے۔ میں نینا، ولاڈی اور سونیا کے ساتھ جا رہا ہوں اور کوئی مجھے روک نہیں سکتا۔ میں واحد شخص ہوں جسے علم ہے کہ ٹیپ کہاں ہے؟ اس لئے تم میں سے کوئی مجھ پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتا۔''

ملواسکی نے پیٹر کی طرف تحسین آمیز نظروں سے دیکھا ''تمہاری جرات قابل داد ہے۔ لیکن ہم کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتے۔ سونیا کا اسکارف بھیج کر میرا مقصد صرف یہ تھا کہ تم یہاں آ کر ٹیپ سن لو اور اپنی حقیقت جان لو جس کی ابھی تک تمہیں ہوا بھی نہیں لگی۔'' یہ کہہ کر اس نے گھنٹی بجائی۔ ایک ملازم ہاتھ میں ایک مشین پکڑے کمرے میں داخل ہوا اور اسے پیٹر کے سامنے میز پر رکھ کر کمرے سے رخصت ہو گیا۔

پیٹر نے مشین کی طرف دیکھا۔ اس میں ٹیپ چلانے کے دو خانے بنے ہوئے تھے۔ اور ایک خانے میں ٹیپ لگا ہوا تھا۔ ملواسکی نے کہا ''یہ ٹیپ ہمیں نینا اور ولاڈی نے دیا ہے۔ اور اس کے بدلے ہم نے اسے روس سے نکل آنے کی آزادی دی ہے۔''

پیٹر نے کہا ''لیکن تم نے اتنا پیچیدہ راستہ کیوں اختیار کیا۔ تم خود اسے روس سے باہر لا سکتے تھے۔''

ملواسکی نے تسلیم کیا۔ ''میں ایسا کر سکتا تھا لیکن پھر واپس روس نہیں جا سکتا تھا۔ اس لئے میں دوسروں کو استعمال کرنے پر مجبور تھا۔ میری بات غور سے سنو پیٹر۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ میرے ہاتھ خون سے رنگے ہوئے ہیں لیکن یہی میری مجبوریاں تھیں۔ میں ہر قیمت پر اس معاہدے کو ناکام بنانا چاہتا ہوں۔ جب تم ٹیپ سنو گے تو مجھے یقین ہے کہ تم بھی میرے ہم خیال ہو جاؤ گے۔ میں نے سونیا کو حقیقت بتا دی ہے اور وہ میری بات سے متاثر بھی ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ تم مجھ پر اعتبار نہ کرو گے۔ اس لئے میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ ٹیپ سن لو۔ کامپٹن کی آواز میں جب تم پر اس معاہدے کا حال کھلے گا تو خود فیصلہ کر لینا کہ تمہیں اس معاہدے کا ساتھ دینا ہے یا نہیں۔ تمہیں اب بھی میری نیت کی سچائی پر یقین نہیں تو یہ لو۔ شاید اس طرح تم قائل ہو جاؤ'' اس نے اپنا ریوالور پیٹر کے ہاتھ میں دے دیا۔ اس میں گولیاں موجود تھیں۔

ان کی زندگی اب پیٹر کے ہاتھ میں تھی۔ لیکن وہ اب ریوالور استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ آخر ٹیپ میں کوئی ایسی بات

ضرور تھی کہ ملواسکی نے اپنی موت کا خطرہ مول لے لیا تھا۔ ٹیپ سن لینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ بعد میں آخری فیصلہ بھی اس نے کرنا تھا۔ پیٹر کے جسم میں سنسنی خیز لہر دوڑ گئی۔ کیا معاہدہ کارکولا کسی سازش کا نام ہے کیا کامپٹن اس سے کچھ اور بھی چھپا رہا ہے۔ وہ ٹیپ ضرور سنے گا۔

''میں ٹیپ سنوں گا۔'' اس نے اپنا فیصلہ سنا دیا لیکن تم پہلے نینا، ولاڈی اور سونیا کو جانے دو۔'' ملواسکی نے بغیر توقف کے تسلیم کر لیا۔

پیٹر اور ملواسکی مارکوپولو میں تنہا تھے۔ باقی سب رخصت ہو چکے تھے۔ اور پیٹر جانتا تھا کہ سونیا اور اس کے ساتھی اب محفوظ ہیں۔ وہ ملواسکی کو خانقاہ میں لے گیا اس نے ڈائس کے نیچے سے ٹیپ نکالا تو ملواسکی اپنا تعجب نہ چھپا سکا۔

''بہت خوب'' ملواسکی نے کہا ''ہم نے اسے ہر جگہ تلاش کیا لیکن ہم سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ یہ ہم سے چند قدم کی فاصلے پر موجود ہے۔''

دونوں واپس اس کمرے میں آ گئے جہاں مشین پڑی تھی۔ ملواسکی نے پیٹر سے ٹیپ لے کر مشین کے خالی خانے میں لگا دیا اور مشین چلانے کا بٹن دبایا۔ پیٹر نے کرسی سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ معاہدہ امن کی حقیقت اس پر کھلنے والی تھی۔

مشین میں سے آواز ابھری۔ کوئی انگریزی زبان میں کہہ رہا تھا۔ ''یہ کارکولا کانفرنس شروع ہونے سے قبل ان نکات کا سرکاری ریکارڈ ہے جن پر حکومت امریکہ اور روس متفق ہیں۔''

پھر اسی آواز میں روسی زبان میں کچھ کہا گیا۔

ملواسکی نے وضاحت کی ''تم نے ابھی جو کچھ سنا وہی بات روسی زبان میں کہی جا رہی ہے۔ ابھی تم کامپٹن کی تقریر سنو گے پھر آخر میں کامپٹن کی تقریر کا روسی ترجمہ سنایا جائے گا۔'' چند لمحے ٹیپ بے آواز چلتا رہا پھر کامپٹن کی آواز آئی۔

''جناب روسی وزیر خارجہ! پچھلے تین دن کے مذاکرات کے بعد اب وقت آ گیا ہے کہ ہم ان نکات کو باضابطہ ریکارڈ کر لیں جن پر ہم متفق ہیں۔ اس وقت دنیا ابتری کا شکار ہے۔ مشرق وسطیٰ، وسطی امریکہ، جنوب مشرقی ایشیا اور تیسری دنیا کے تمام ممالک ہماری باہمی کشمکش کے باعث پریشانی اور بدحالی کا شکار ہیں۔ ہمیں ایسا راستہ تلاش کرنا ہے جس سے ہماری آپس کی کشمکش ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔ ہمیں آئندہ کسی ملک میں فوجی یا سیاسی مداخلت کر کے ایک دوسرے کو زک پہنچانے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ اور ہماری آئندہ نسلیں سکون سے رہ سکیں۔ باہمی دوستی کی منزل تک پہنچنے کا یہی طریقہ ممکن ہے کہ ہم ایک دوسرے کی معاشی اور فوجی ضروریات کا خیال رکھیں۔ ہم نے باہمی رضامندی سے دنیا میں اقتدار حاصل کرنے اور چھوٹے ممالک کی ہمدردیاں جیتنے کا روایتی طریقہ منسوخ کر دیا ہے اور اپنے لئے نئے حلقے چن لئے ہیں۔ ہم اس پر متفق ہیں کہ نئے منتخب شدہ حلقوں میں واقع ممالک کی تمام تر ذمہ داریاں ہمارا داخلی معاملہ تصور کی جائیں گی اور ہم ایک دوسرے کی سالمیت کا احترام کرتے ہوئے ان داخلی معاملات میں ہرگز مداخلت نہ کریں گے۔ ہمارا اس بات پر اتفاق ہے کہ اپنے حلقوں میں ہم تیل کی صنعت کو اولین اہمیت دیں گے۔ ہم اتفاق کرتے ہیں کہ اس میٹنگ کے اختتام کے ساتھ ہی اس منصوبے پر عمل شروع کر دیا جائے گا۔ ہم اتفاق کرتے ہیں کہ سروست طے شدہ اصولوں پر عمل کرتے ہوئے امریکہ روس کو نا روے اور مغربی جرمنی میں اپنے مفادات کے مطابق کارروائی کرنے دے گا اور اس کارروائی میں مداخلت نہ کرے گا۔ اس تجرباتی عرصے میں روس بھی ان اصولوں پر عمل کرتے ہوئے امریکہ کو کیوبا اور مشرق وسطیٰ میں اپنے مفادات کے مطابق کارروائی کرنے دے گا اور اس میں مداخلت نہ کرے گا۔ ہم اس بات پر متفق ہیں کہ اس تجرباتی عرصے کے بعد ہم مسودہ نمبر چار کے تحت دنیا کو دو طبقات میں تقسیم کر کے ان کی مکمل ذمہ داریاں سنبھال لیں گے ہم اتفاق کرتے ہیں کہ ان مسودات کی تفصیل کے مطابق معاہدے پر یوگوسلاویہ کے جزیرے کارکولا میں امریکی صدر اور روسی وزیر اعظم دستخط کریں گے۔ جہاں وہ حقوق انسانی کانفرنس میں بھی شریک ہوں گے۔ جو سات اکتوبر سے شروع ہو گی۔ حقوق انسانی کانفرنس محض ایک دکھاوا تھی۔ کامپٹن کے جس معاہدہ امن کا ساری دنیا میں چرچا تھا وہ محض ایک نقاب تھا۔ معاہدہ کارکولا ایک بہت بڑا جھوٹ تھا۔ ایک بین الاقوامی فریب۔

پیٹر نے دنیا میں امن اور افہام و تفہیم قائم کرنے کے لئے دن رات کام کیا تھا۔ اس نے اپنی منزل تک پہنچنے کے بے شمار خواب دیکھے تھے۔ اور ان خوابوں کو حقیقت بنانے کے لئے کامپٹن کو اپنا رہنما بنایا تھا۔ اس نے اپنی سوچیں اپنے ارادے اور اپنے خواب کامپٹن کے حوالے کر دیئے تھے اور کامپٹن نے اس کے خوابوں کی تعبیر معاہدہ کارکولا کی شکل میں اس کے سامنے رکھ دی تھی۔ پیٹر نے ملواسکی کی طرف دیکھا۔ ملواسکی جان گیا تھا کہ اب اسے پیٹر سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ خاموشی سے اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ پیٹر نے مشین اور ٹیپ اٹھا لئے وہ فیصلہ کر چکا تھا۔

''آپ نے ایسا کیوں کیا مسٹر کامپٹن؟'' پیٹر نے انتہائی کرب سے پوچھا۔

کامپٹن نے ٹھنڈی سانس لی ''پیٹر میں نے جو کچھ کیا، انتہائی خلوص سے کیا۔ میں بھی اسی منزل کا راہی ہوں جس پر تم پہنچنا چاہتے ہو۔ صرف ہمارے نقطہ نظر کا فرق ہے۔ میرے نزدیک طاقت کا مفہوم یہ ہے کہ شخصی اقدار کے لئے طاقت استعمال کی جائے، اجتماعی اقدار کے لئے نہیں۔ امریکہ اور روس کے ہاتھوں میں اقوام عالم کی تقدیر ہے۔ جب تک یہ دونوں ملک اقتدار کے لئے آپس میں ٹکراتے رہیں گے دنیا میں امن قائم نہیں ہو سکتا۔ تم دنیا کے واقعات پر نظر ڈالو۔ کیا روس اور امریکہ حق و انصاف کے نام پر دوسرے ممالک میں ابتری پھیلانے کا باعث نہیں بنتے رہے؟ ہمیں کوئی ایسا راستہ تلاش کرنا ہو گا جس سے دنیا میں امن قائم ہو جائے۔ تم نے اس معاہدے کا روشن پہلو نہیں دیکھا۔ جب دنیا دو حلقوں میں بٹ جائے گی تو خود بخود امن قائم ہو جائے گا۔ عدم مداخلت کی بنا پر دونوں ملک اپنے حلقے کو زیادہ سے زیادہ ترقی دیں گے۔ میں مانتا ہوں کہ ہم چھوٹے اور کمزور ممالک پر اپنی مرضی مسلط کر رہے ہیں لیکن چھوٹے پیمانے پر ہم اب تک یہی کچھ کرتے رہے ہیں۔ اب اسے ذرا بڑے پیمانے پر کرنا ہے۔ اب بھی وقت ہے سوچ لو۔ میں نے بڑی مشکل سے یہ عظیم مقصد حاصل کیا ہے اور تم میں یہ قوت ہے کہ تم ٹیپ استعمال کر کے میری کامیابی کو ناکامی میں بدل سکتے ہو۔ کہو کیا کہتے ہو۔''

''نہیں'' پیٹر نے فیصلہ کن لہجے میں کہا ''میں تم سے اتفاق نہیں کرتا۔ تم نے اس معاہدے کے ذریعے دنیا کی آدھی آبادی کو ایک مجہول قسم کی آزادی ضرور عطا کی ہے۔ لیکن باقی نصف آبادی کی گردن میں ابدی غلامی کا طوق ڈال دیا ہے۔ پھر تم ایک بنیادی بات بھی بھول رہے ہو کامپٹن! طاقت کا یہ مصرف نہیں ہوتا کہ اپنی مرضی دوسروں پر مسلط کر دی جائے۔ نوع انسانی نے اپنا فیصلہ خود کرنا ہے۔ چاہے اس کے نتیجے میں اسے خون کے دریا عبور کرنے پڑیں۔''

''تم ٹیپ کا کیا کرو گے؟'' کامپٹن شکست تسلیم کر رہا تھا۔

''میں انہیں اپنے پاس محفوظ رکھوں گا؟'' پیٹر نے کہا ''کسی کو کبھی معلوم نہ ہو گا کہ ٹیپ میں کیا تھا لیکن تمہیں معاہدہ ناکام ہونے کا اعلان کرنا ہو گا۔''

پیٹر اور سونیا کامپٹن کے ساتھ کھڑے تھے۔ ان کے سامنے دنیا بھر کے اخباری نمائندے اپنی نشستوں پر بیٹھے تھے اور کامپٹن پچھلے پانچ منٹ سے ان فرضی اسباب پر روشنی ڈال رہا تھا۔ جن کے باعث یہ معاہدہ ناممکن ہو گیا تھا۔ پھر اس نے اعلان کیا ''ان وجوہات کی بنا پر میں افسوس کے ساتھ معاہدہ کارکولا کی ناکامی کا اعلان کرتا ہوں اور بحیثیت سیکرٹری آف اسٹیٹ اپنا استعفیٰ پیش کرتا ہوں۔''

اخباری نمائندوں میں سنسنی پھیل گئی۔ انہیں گمان بھی نہ تھا کہ کامپٹن نے انہیں معاہدے کی ناکامی کی اطلاع دینے کے لئے طلب کیا ہے۔ پیٹر کے دل میں کامپٹن سے کوئی گلہ نہیں رہا تھا۔ اس نے سونیا کی طرف دیکھا۔ وہ اپنے باپ کی طرف بڑے فخر سے دیکھ رہی تھی۔ جس نے مردانہ وار اپنی شکست تسلیم کر لی تھی۔

بورس اور ملواسکی طیارے میں ماسکو کی طرف محو پرواز تھے۔ ''تمام انتظامات مکمل ہو چکے ہیں'' بورس نے ملواسکی سے کہا ''وزیر اعظم خیکوف کل صبح ماسکو پہنچے گا۔ اسے طیارے سے اترتے ہی گرفتار کر لیا جائے گا۔ جب اسے حالات کی سنگینی کا احساس ہو جائے گا تو ہم اسے زہریلا کیپسول پیش کر دیں گے۔''

''تمہارا کیا خیال ہے وہ کیپسول قبول کر لے گا؟''

ملواسکی نے پوچھا۔

بورس نے کندھے اچکائے ''یہ اس پر منحصر ہے کہ وہ سائبریا کے قید خانوں میں ذلت کی زندگی پسند کرے گا یا اس بات کو ترجیح دے گا کہ ہم اسے سرکاری اعزاز کے ساتھ قومی ہیرو کے طور پر دفن کریں۔ تم اس کی جگہ ہوتے تو کیا پسند کرتے؟''

طیارہ ماسکو کے نزدیک جے جی بی کے پرائیویٹ ہوائی اڈے پر اتر گیا۔ طیارے سے ایک سیڑھی آ لگی۔ ملواسکی نے سیڑھی سے اتر کر زمین پر قدم رکھا۔ ایک باوردی شخص اس کے قریب آیا اور بولا ''کامریڈ ملواسکی! میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ تم زیر حراست ہو۔''

ملواسکی نے اس کی طرف بڑے غصے سے دیکھا۔

''تمہیں یہ کہنے کی جرات کیسے ہوئی؟''

اس شخص نے کوئی جواب نہ دیا لیکن اس کی آنکھیں ملواسکی کے پیچھے کسی کو دیکھ رہی تھیں۔ ملواسکی نے مڑ کر دیکھا۔ اس کے پیچھے بورس کھڑا تھا۔ ''بورس؟'' ملواسکی کے ہونٹوں سے ایک لفظ سوال کی صورت میں نکلا۔

''مجھے افسوس ہے'' بورس نے کہا ''لیکن یہ کھیل اب زیادہ عرصے نہیں چل سکتا۔

تمہارا راستہ ماضی کی طرف جاتا ہے اور مجھے مستقبل کی طرف دیکھنا ہے۔ مجھے یہ حکم کارکولا میں ہی مل چکا تھا۔ میں

مجبور ہوں۔"

ملواسکی کا سر مایوسی سے ہلا "میں تم پر اعتماد کرتا تھا۔"

"ایک بار پھر اعتماد کرو ملواسکی۔ بورس نے کہا۔ اس کا ہاتھ جیب میں گیا۔ ہاتھ باہر نکال کر اس نے ملواسکی کی طرف بڑھا دیا۔ اس کی کھلی ہتھیلی پر ایک کیپسول چمک رہا تھا۔ ملواسکی کو سائبریا کی ذلت آمیز قید یا باعزت جنازے میں سے ایک کا انتخاب کرنا تھا۔ اس نے کیپسول اٹھالیا اور سر جھکائے سرمئی عمارت کی جانب چل دیا۔

زندگی کی جیت

۲۰ اپریل ۱۹۳۹ء کی ایک کہر آلود صبح برطانیہ کی شاہی بحریہ کا فری گیٹ "ایمیتھسٹ" دریائے یانگتسی میں داخل ہوا۔ اس وقت نیشنلسٹ فوجیں شکست کھا کر تتر بتر ہو چکی تھیں اور صرف چند مقامات پر ان کے ٹھکانے ابھی تک باقی تھے۔ یانگتسی کے جنوبی کنارے پر چیانگ کائی شیک کا ڈھیلا ڈھالا تسلط اور اقتدار آخری سانس لے رہا تھا۔

چند دن پہلے شمال کے کمیونسٹوں نے قوم پرست فوجیوں کی جانب آخری الٹی میٹم بھیجا۔

"بیس اپریل تک عوامی نجات دہندہ فوج کا یانگتسی پر غیر مشروط قبضہ تسلیم کر لیا گیا۔ اگر اس پیشکش کو نظر انداز کر دیا گیا تو پھر مسلح کارروائی ناگزیر ہو جائے گی۔"

ایمیتھسٹ کسی قسم کے خطرے سے بے نیاز ناننگ میں واقع برطانوی سفارت خانے کے لئے رسد لے کر جا رہا تھا۔ اسے کمیونسٹوں کی دھمکی سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہ تھی۔ سوفٹ طویل یہ برطانوی فریگیٹ ۱۹ اپریل کی صبح شنگھائی سے روانہ ہوا تو اس پر عملے سمیت ایک سو تراسی افراد سوار تھے۔

یانگتسیا ایک طوفانی دریا ہے۔ اس میں جہاز صرف دن کے وقت ہی سفر کر سکتے ہیں۔ تبت سے یہ دریا اپنے ساتھ کروڑوں ٹن مٹی بہا لاتا ہے۔ جس کی وجہ سے کناروں کے ساتھ ساتھ خوفناک دلدل پائی جاتی ہے۔ اگر کوئی جہاز کسی ایسی دلدل میں پھنس جائے تو پھر اسے وہاں سے نکالنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی خدشے کے پیش ایمیتھسٹ سورج غروب ہونے کے ساتھ ہی کیانگ ین کی دریائی بندرگاہ میں لنگر انداز ہو گیا۔

جہاز کے رکتے ہی کیپٹن مورلینڈ سمکو کی آواز انٹر کام پر ابھری اس کا کہنا تھا کہ چینی کمیونسٹ دریا کے شمالی کنارے پر موجود ہیں۔ وہ اس مقام سے قوم پرست فوجیوں پر گولہ باری کرتے رہے تھے۔ کیپٹن نے تنبیہ کے انداز میں بتایا کہ ایمیتھسٹ جنگی زون میں داخل ہو چکا ہے اور احتیاط سے آگے بڑھنے کی ضرورت ہے۔ اس اطلاع کے ملتے ہی جہاز کے عملے میں سنسنی پھیل گئی مگر پھر امید تھی کہ ان پر حملہ نہیں ہو گا۔

۲۰ اپریل کی صبح طلوع ہوتے ہی ایمیتھسٹ آگے روانہ ہو گیا۔ جہاز پر چند معاون چینی ملاح بھی تھے۔ جنہیں رہبر کے طور پر ساتھ لیا گیا تھا۔ دریا کے دونوں کنارے نظروں سے اوجھل تھے۔ ساڑھے سات بجے سورج نے دھند کی دبیز چادر سے اپنا چہرہ باہر نکالا تو چمکیلی دھوپ میں ہر شخص اس طرح خوش نظر آنے لگا گویا انہیں کسی قسم کا خطرہ درپیش نہ ہو۔ جہاز کی رفتار گیارہ ناٹ سے بڑھا کر سولہ ناٹ کر دی گئی۔

ساڑھے آٹھ بجے کے قریب کچھ ملاح ناشتے سے فارغ ہو کر جہاز کے عرشے پر کھڑے خوش گپیوں میں مصروف تھے کہ اچانک دور سے توپ کی گرج سنائی دی۔ وہ ابھی سوچنے بھی نہ پائے تھے۔ کہ ایک گولہ جہاز کے قریب آن گرا پھٹا جس سے پانی کا بہت بڑا فوارہ اوپر کو اٹھا پھر جیسے جہاز کے اردگرد گولوں کی بارش ہونے لگی جس سے لہروں کا سکون ٹوٹ گیا۔

کمیونسٹوں کی توپیں وقفے وقفے سے گولہ باری کر رہی تھیں۔ کمانڈر سمکو نے فوراً جہاز کے دونوں جانب یونین جیک لہرانے کا حکم دیا۔ کمیونسٹوں نے شاید برطانوی جھنڈے کو پہچان لیا تھا۔ بارہ راؤنڈ داغنے کے بعد ان کی توپیں خاموش ہو گئیں۔ یہ خاموشی تھوڑی ہی دیر بعد طوفان بن کر ٹوٹی اور برطانوی فریگیٹ آگ اور خون میں نہا گیا۔

کمانڈر سمکو نے ہانگ کانگ کی جانب سگنل بھیجنے کے لئے پیغام لکھا۔ اس وقت نو بج کر بیس منٹ ہو چکے تھے۔ گنری آفیسر ویسٹن اپنے ساتھی کمیشنڈ آفیسر کے ہمراہ بی گن ڈیک پر کھڑا تھا کہ ایک گولہ جہاز کے کچھ فاصلے پر آ کر گرا۔ پیپلز لبریشن آرمی کی توپیں ایک نزدیکی قصبے سان چیانگ چنگ سے گولہ باری کر رہی تھیں۔ کمانڈر سمکو نے جہاز کی رفتار بڑھانے کا حکم دیا۔ یہاں دریا ایک نیم دائرے کی صورت میں مڑتا ہے۔ قریب ہی چھوٹا سا جزیرہ دکھائی دے رہا تھا جو حملے سے بچنے کے لئے پناہ گاہ کا کام دے سکتا تھا۔

اچانک ایک گولہ سویل ہاؤس پر گرا ہر طرف بھگدڑ مچ گئی۔ جہاز کی سمت متعین رکھنے والا ملاح نکولس شدید طور پر زخمی ہو گیا۔ اسے ٹانگ اور پیشانی پر گہرے زخم آئے تھے۔ جہاز بے قابو ہو کر لہروں پر ڈولنے لگا۔ گنری آفیسر ویسٹن نے ٹیلیفون پر حکم دیا "جوابی کارروائی ضروری ہو گئی ہے۔ توپوں کا رخ سیدھا کر دیا جائے۔"

اس نے آخری جملہ مشکل ہی سے ادا کیا تھا کہ ایک گولہ اس کے قریب آ کر پھٹا۔ ویسٹن کو محسوس ہوا گویا کسی ہیوی ویٹ باکسر نے اس کے پہلو پر زوردار مکا رسید کیا ہو۔ وہ دوہرا ہو کر فرش پر گرا۔ اسے اپنی سانس رکتی معلوم ہوئی۔ دھات کا ایک ٹکڑا اس کی پسلیاں توڑتا جسم کے اندر پیوست ہو چکا تھا۔ کمیونسٹ توپچی نشانے پر ٹھیک ٹھیک وار کر رہے تھے۔ جہاز کی سمت درست رکھنے والے خودکار آلے نے کام کرنا بند کر دیا تھا۔ بہت سے ملاح ہلاک یا زخمی ہو چکے تھے۔ خود کمانڈر سمکو کے بارے میں کچھ معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں ہے۔؟

ویسٹن نے نیم بیہوشی کے عالم میں دیکھا۔ اس کے چاروں جانب لاشیں پڑی تھیں۔ اور ان میں چند زخمی ابھی تک چیخ پکار کر رہے تھے۔ اسے محسوس ہوا کہ جہاز ابھی تک چل رہا ہے۔ فرینک نامی ایک ملاح مقناطیسی قطب نما کے ذریعے جہاز کو صحیح راستے پر لے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ جہاز کا برقی نظام فیل ہو چکا تھا۔ جہاز پر موجود توپیں جو الیکٹرانک سسٹم کے تحت کام کرتی تھیں اب بے کار ہو چکی تھیں۔ جہاز کو صحیح راستے پر لانے کے بعد فرینک سیڑھیاں چڑھ کر عرشے پر آیا۔ اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ کمانڈر سمکو زخمی حالت میں پڑا کراہ رہا تھا۔ عرشے پر جگہ جگہ انسانی گوشت اور خون کے لوتھڑے پڑے تھے۔ فضا میں بارود کے علاوہ جلے ہوئے اعضا کی سڑاند پھیلی ہوئی تھی۔

انجن روم کا عملہ پوری تندہی سے ڈیوٹی سرانجام دے رہا تھا۔ جب گولہ جہاز سے ٹکرایا تو گیج کی سوئیوں میں ہل چل مچ جاتی انجن روم کا مواصلاتی سلسلہ بالکل کٹ چکا تھا۔ آگے جانے میں بہت سے خطرات پوشیدہ تھے۔ جہاز جنوبی کنارے سے تھوڑے فاصلے پر رہ گیا تھا کہ اس کے دونوں انجن بند ہو گئے۔ ایک عجیب مصیبت کا سامنا تھا۔ آگے دلدل تھی اور پیچھے حملہ آور کمیونسٹ نہ جانے رفتن نہ پائے ماندن۔

ویسٹن پوری طرح ہوش میں آیا تو اسے معلوم ہوا کہ جہاز رک چکا ہے۔ وہ لنگڑاتا ہوا نیچے ویل ہاؤس میں داخل ہوا جو ملبے میں تبدیل ہو چکا تھا۔ ایک ملاح زخموں سے چور فرش پر پڑا تھا۔ ویسٹن نے ملبہ ہٹا کر اسے باہر نکالا۔ لیکن گھنٹے بعد زخمی ملاح نے جان دے دی۔ شدید گولہ باری کے باوجود زخمیوں کو اٹھانے کا کام جاری رہا۔ انہیں ایک محفوظ مقام پر لٹا کر ابتدائی طبی امداد دی جا رہی تھی۔ کئی زخمی اپنے سر کے نیچے لائف بوٹ رکھ کر سو رہے تھے۔ جبکہ اسٹاف ڈاکٹر ایلڈرٹن ان کی مسلسل دیکھ بھال کر رہا تھا۔

اس بات کا خدشہ پیدا ہو چلا تھا کہ کمیونسٹ کشتیوں پر سوار ہو کر جہاز پر قبضہ کرنے کو آئے کہ آئے۔ یہ سنگین صورتحال تھی۔ ایمیتھسٹ کے بحری عملے میں رائفلیں اور برین گنیں تقسیم کر دی گئیں۔ تاکہ وہ حملہ آوروں سے اپنا دفاع کر سکیں۔ عملے کے کچھ ارکان نے ایک موٹر بوٹ کے ساتھ چھپے جوابی فائرنگ میں مصروف تھے کہ ایک گولہ ٹھیک ان پر آ گرا۔ دھواں چھٹنے پر معلوم ہوا کہ تمام لوگ مارے جا چکے ہیں۔ اسی لمحے جہاز کے کمانڈر نے "ایکس گن" چلانے کا حکم دیا۔ ابھی تیس راؤنڈ ہی داغے تھے کہ اس کے بھی توپچیوں سمیت پرخچے اڑ گئے۔ زبردست گولہ باری کے نتیجے میں ڈیک پر آگ لگ گئی جس سے کافی مشکل سے بجھایا جا سکا۔ دس بجکر بیس منٹ پر ایمیتھسٹ نے پہلا سگنل فلیش کیا۔

"ہم زبردست گولہ باری میں گھر چکے ہیں۔ ہمارا جہاز دریا کے جنوبی کنارے پر کچھ فاصلے پر رکا ہوا ہے۔ عملے کے بے شمار افراد ہلاک یا زخمی ہو چکے ہیں۔"

اس سگنل کو برطانوی جہاز کنسورٹ پر سن لیا گیا جو اس وقت ناننگ میں لنگر انداز تھا۔ فوراً ہی پیغام برطانوی سفیر سر رالف اسٹیونس تک پہنچایا گیا۔ انہوں نے ماؤزے تنگ کو ایک برقیے کے ذریعے صورتحال سے آگاہ کیا اور جنگ بندی کی فوری درخواست کی۔ برطانوی سفیر کو یہ پیغام اسسٹنٹ نیول اتاشی جان سائمن کیرینز نے پہنچایا تھا۔ بعد میں ایمیتھسٹ کی واگذاری میں ان کا کردار مرکزی حیثیت اختیار کر گیا۔ کمانڈر سمکو کو جہاز چھوڑے بغیر کوئی اور چارہ کار نظر نہ آیا تو اس نے یونین جیک کی جگہ سفید جھنڈا لہرانے کا حکم دیا۔ اس کے ساتھ ہی کمیونسٹوں کی جانب سے فائرنگ ماند پڑنی شروع ہو گئی جو بالآخر گیارہ بجے دن ختم ہو گئی۔

جہاز چھوڑنے سے پہلے تمام ریکارڈ اور کوڈ بکیں جلا دی گئیں۔ کوڈ مشین ٹکڑے ٹکڑے کر کے دریا میں پھینک دی گئی۔ جہاز پر صرف ایک کشتی سلامت بچی جس پر بیمار اور زخمیوں کو لاد کر دوسرے کنارے پر پہنچا دیا گیا۔ کمانڈر نے باقی ماندہ تندرست افراد کو تیر کر ہی کنارے پر آنے کا حکم دیا۔ یوں جہاز سے عملے کا انخلا شروع ہوا۔

پہلی کھیپ میں شدید زخمی لائے گئے۔ ان میں سے ایک ملاح ہینسٹر بھی تھا جس کی چھاتی میں بم کا ٹکڑا پیوست ہو چکا تھا اور وہ مشکل سے سانس لے رہا تھا۔ کشتی روزنامی دریائی جزیرے کے ساتھ آ کر لگی جس پر ابھی تک نیشنلسٹوں کا قبضہ تھا۔ زخمی کنارے پر پہنچے ہی تھے کہ ان پر کمیونسٹوں نے ہلکے ہتھیاروں سے گولیاں برسانی شروع کر دی۔ وہ فوراً گھاس پر لیٹ کر رینگنے لگے۔ قدم قدم پر بارودی سرنگیں بچھی تھیں۔ ہینسٹر کی حالت بگڑنے لگی۔ زخم کے باعث اس کے ایک پھیپھڑے نے کام کرنا بند کر دیا۔ اس کے خون آلودہ چہرے پر گرد جمی ہوئی تھی۔ زخموں سے ٹیس اٹھتی تو وہ درد کے مارے ہونٹ چبانے لگتا۔ فائرنگ بند ہوئی تو ایک نیشنلسٹ فوجی اپنی خندق سے اٹھ کر معمول کی گشت پر نکلا۔ اچانک اس کا گزر ان زخمیوں کے قریب سے ہوا جو ابھی تک گھاس میں چھپے بیٹھے تھے۔ وہ

انہیں اپنے ہیڈ کوارٹر لے آیا جو چند چھوٹی جھونپڑیوں پر مشتمل تھا۔ زخمیوں نے گرم پانی سے خون دھویا پھر ایک دوسرے کی مرہم پٹی کی۔ وہ اس کام سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ ملاحوں کا دوسرا گروپ ان کی کھوج لگاتا وہاں پہنچ گیا۔

©جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

آخری قسط

ابھی تک آٹھ شدید زخمی جہاز پر باقی تھے۔ انجن روم کا عملہ بھی ضروری مرمت کی غرض سے موجود تھا۔ عملے کے چند سینئر ارکان تباہ حال ''ایمیتھسٹ'' پر کھڑے تھے انہیں امید تھی کہ برطانوی جہاز ''کنسورٹ'' ضرور ان کی مدد کو آئے گا۔ شام کا اندھیرا پھیلنے لگا تو اچانک گولہ باری پھر شروع ہو گئی۔ معلوم ہوا کہ کنسورٹ آ رہا ہے۔ اس کی توپیں جوابی فائرنگ کرتی مسلسل آگ برسا رہی تھیں۔ کنسورٹ رفتار کم کیے بغیر ایمیتھسٹ سے آدھ میل آگے جا کر رکا۔ پھر پیچھے مڑا اور خستہ حال جہاز کے قریب رک گیا۔ ویسٹن نے سگنل مین رابرٹس کو روشنی کے اشاروں کے ذریعے کنسورٹ سے رابطہ قائم کرنے کا حکم دیا۔ دوسری جانب سے غیر متوقع جواب موصول ہوا۔

''کمیونسٹوں کی گولہ باری سے اس پر ڈیک، وائرلیس آفس اور وہیل ہاؤس کو زبردست نقصان پہنچا ہے۔ خود کمانڈر رابرٹسن شدید زخمی ہے۔''

ایمیتھسٹ کم گہرے پانی میں پھنسا ہوا ہے۔ اسے اتنی جلدی باہر نہیں نکالا جا سکتا۔ اگر آپ تھوڑی دیر کے لئے مزید یہاں رکے تو کمیونسٹوں کی توپیں دونوں جہازوں کے پرخچے اڑا دیں گی ''ویسٹن'' کی ہدایت پر سگنل مین نے لیمپ سے اشارہ کیا۔

شدید گولہ باری کی وجہ سے کنسورٹ کی حالت مخدوش تھی۔ اس کا بیشتر اسلحہ ختم ہو چکا تھا۔ رات کے اندھیرے میں یانگسی کی موجیں مجنونانہ حالت میں سر پٹخ رہی تھیں۔ ''کنسورٹ'' ایمیتھسٹ کو مجبوراً پیچھے چھوڑ کر واپس نانکنگ چلا گیا۔ ایمیتھسٹ کے عملے کے تیس ارکان ہلاک ہو چکے تھے۔ جبکہ کنسورٹ کو نو افراد کی قربانی دینی پڑی تھی۔ جہاز کا واحد ڈاکٹر ایلڈرن بھی گولی لگنے سے ہلاک ہو چکا تھا اور زخمی انتہائی کسمپرسی کی حالت میں ایڑیاں رگڑ رہے تھے۔

کنسورٹ کی ناکام مہم کے بعد ایمیتھسٹ کے ملاح جہاز پر اکٹھے ہوئے۔ ان کی ایک ہی سوچ تھی کہ جہاز کو کسی طرح محفوظ مقام پر لایا جائے۔ مسلسل بقا کی جنگ نے ان کی جسمانی حالت تو بگاڑ دی تھی لیکن ان کے حوصلے جوان تھے۔

کپتان سکوا ابھی تک بیہوش تھا۔ اس کی جگہ ویسٹن فرائض سرانجام دے رہا تھا۔ لیکن کمزوری سے اس کی حالت بگڑتی جا رہی تھی۔ جہاز کے دو چینی رہبروں میں سے ایک شدید زخمی تھا۔ جبکہ دوسرا ساحل پر جانے میں کامیاب ہو گیا اور پھر وہاں سے بھاگ نکلا۔ ساحل پر پندرہ زخمی کسی طبی امداد کے بغیر کنیا میں نیم بے ہوش پڑے تھے۔ ایک نوجوان انگریز ملاح اس وقت دریا کی تیز لہروں میں بہہ گیا جب وہ چند ساتھیوں سے ملنے ساحل پر جانے کی کوشش کر رہا تھا۔

دوسرے دن چار چینی قلی جھونپڑی میں داخل ہوئے اور انہوں نے بنسٹر کے علاوہ ایک دوسرے شدید زخمی کو علیحدہ علیحدہ اسٹریچر پر لادا اور وہاں سے چل کھڑے ہوئے۔ بنسٹر نے ان سے بات کرنے کی کوشش کی لیکن وہ انگریزی سے بالکل نابلد تھے۔ اس نے اسٹریچر پر لیٹے لیٹے پیچھے نظر دوڑائی۔ تمام زخمی لنگڑاتے ہوئے ساتھ ساتھ آ رہے تھے۔ انہیں اگلی منزل کی خبر نہیں تھی۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد انہوں نے رک کر سگریٹ سلگا لئے۔ اسٹریچر پر لیٹے زخمیوں کو بھی انہوں نے رک کر سگریٹ پیش کئے اور پھر تیز تیز قدموں سے آگے روانہ ہو گئے۔ کھیتوں سے گزر کر مانگ لو چنگ نامی گاؤں میں پہنچے تو ایک ہجوم انہیں دیکھنے کے لئے امڈ پڑا۔

گاؤں کے ایک کنارے پر ایک بڑا سا چوبی شیڈ بنا تھا۔ زخمیوں کا قافلہ یہاں پہنچ کر رک گیا۔ یہ ہسپتال تھا۔ جس میں ترتیب سے بستر بچھے ہوئے تھے۔'' ہسپتال کے چاروں جانب مسلح نیشنلسٹ سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ ان زخمیوں کو کچھ معلوم نہ تھا کہ ایمیتھسٹ پر کیا گزر رہی ہے۔ صبح ہوئی تو چینی قلی پھر حاضر ہو گئے۔ انہوں نے حسب عادت کوئی بات نہ کی اور پھر اسٹریچر اٹھا کر چل دیئے۔

اب ایک نئی افتاد آن پڑی۔ ایمیتھسٹ دلدل میں پھنس چکا تھا۔ ویسٹن کے حکم پر غیر ضروری سامان اٹھا کر دریا میں پھینک دیا گیا تاکہ جہاز کچھ ہلکا ہو۔ انجینئر آفیسر ولکنسن نے کیے بعد دیگرے جہاز کے دونوں انجن چلائے۔ بوائلر سے اسٹیم کے بادل اوپر اٹھے۔ لیکن جہاز ٹس سے مس نہ ہوا۔ آدھی رات کے قریب مڈشپ مین برجر ویسٹن کے کیبن میں آیا۔ ''چیف ہمیں ایک بار پھر انجن چلانے کی اجازت دی جائے۔ شاید دوسری بار ہم جہاز کو کیچڑ سے نکالنے میں کامیاب ہو جائیں۔'' اس نے ویسٹن کو درخواست کی۔ ویسٹن اس کی بات رد نہ کر سکا۔

برجر نے وہی طریقہ آزمایا جو اس سے پہلے ولکنسن آزما چکا تھا۔ دونوں انجن پوری رفتار سے چلا دیئے گئے۔ پہلے تو کوئی خاص کامیابی نہ ہوئی پھر ان کے چہرے کھل اٹھے کیونکہ دونوں انجن چنگھاڑنے لگے تھے۔ ایمیتھسٹ نے تھوڑا سا فاصلہ طے کیا تھا کہ اس پر دوبارہ گولہ باری شروع ہو گئی۔ مجبوراً اسے پھر رکنا پڑا۔ جہاز اگرچہ دلدل سے نکل چکا تھا۔ لیکن وہ دریا کے محفوظ کنارے سے اب بھی کافی دور تھا۔

دوسرے دن لاشوں کو ٹھکانے لگانے کا کام شروع ہوا جو جہاز پر ہر طرف بکھری پڑی تھیں۔ چوبیس گھنٹے گزر جانے

کے بعد ان سے بدبو اٹھ رہی تھیں۔ تمام لاشوں کو ایکس گن پر اکٹھا کیا گیا اور ضروری رسومات کے بعد انہیں دریا میں بہا دیا گیا۔

۱۲ اپریل کی صبح لیفٹیننٹ کمانڈر کیرنیز ملٹری اتاشی کے ہمراہ چنگ کیانگ کے لئے روانہ ہوا۔ اس کی جیپ میں ادویات، خوراک اور سگریٹ کے سینکڑوں پیکٹ لدے تھے۔ یانگتسی کا ایک نقشہ بھی اس کی جیپ میں تھا۔

راستہ کچا اور گرد آلود تھا۔ جیپ سست رفتاری سے آگے بڑھ رہی تھی۔ اس نے چنگ کیانگ کا بہتر میل کا فاصلہ ساڑھے تین گھنٹے میں طے کیا۔ کیرنیز دو منزلہ عمارت کے سامنے جا کر رک گیا۔ اس کا چہرہ گرد سے اٹا ہوا تھا۔ جیپ سے اتر کر وہ عمارت میں داخل ہوا۔ جسے نیشنلسٹ بحری ہیڈ کوارٹر کے طور پر استعمال کر رہے تھے۔ نیشنلسٹ نیوی کے کمانڈر رانچیف کا تعارفی مراسلہ اس کے پاس تھا۔ کیرنیز مقامی چیف آف اسٹاف کو ملا جس نے امریکہ میں تربیت پائی تھی وہ انگریزی سے اچھی طرح واقف تھا۔

''کیا آپ ایمیتھسٹ تک طبی امداد پہنچانے کے سلسلے میں اپنا کوئی جہاز ہمیں دے سکتے ہیں۔'' کیرنیز نے درخواست کی۔

مجھے افسوس ہے۔ ہمارے اکثر جہاز ناکارہ ہو چکے ہیں اور جو باقی بچے ہیں وہ اتنے سست رفتار ہیں کہ آپکے کام نہیں آسکتے۔'' چینی ایڈمرل نے مایوسی کے انداز میں جواب دیا۔ کیرنیز نے برطانوی بحری اتاشی کو ناکنگ ٹیلیفون کر کے صورتحال سے آگاہ کیا۔ اسی دوران میں ایک چینی سب لیفٹیننٹ کمرے میں داخل ہوا۔ وہ ابھی ایک چھوٹے ہوائی جہاز میں ایمیتھسٹ کا چکر لگا کر لوٹا تھا۔ ''کیا آپ مجھے ایمیتھسٹ تک پہنچا سکتے ہیں۔'' کیرنیز نے جوان افسر سے پوچھا۔

''ہمارے جہاز کم بلندی پر اڑتے ہیں۔ میں خود مشکل سے جان بچا کر آرہا ہوں۔'' سب لیفٹیننٹ نے روکھے پن سے جواب دیا۔

کیرنیز کو یہاں کے بحری ہیڈ کوارٹر سے البتہ ایک خوش کن خبر ضرور ملی۔ تمام زخمی چنگ چو کے بڑے ہسپتال میں داخل ہو چکے تھے اور مقامی ڈاکٹر تندہی سے ان کا علاج کر رہا تھا۔ ایمیتھسٹ پر زخمی اور مریض ابھی تک موجود تھے۔ لیکن کیرنیز ان کی صحیح تعداد سے بالکل بے خبر تھا۔

اسی اثنا میں ایک امریکی ڈاکٹر ناکنگ سے وہاں پہنچ گیا۔ کیرنیز نے مقامی طور پر دو لاریوں کا انتظام کیا۔ تاکہ باقی ماندہ زخمی چنگ کیانگ لائے جاسکیں۔

کیرنیز اپنے ملٹری اتاشی، امریکی ڈاکٹر اور چینی نیول چیف آف سٹاف کے ہمراہ سہ پہر کے وقت آگے روانہ ہوگیا۔ کچے راستے پر لاریاں صرف پانچ میل فی گھنٹے کی رفتار سے چل رہی تھیں۔ تاچیانگ نامی ایک چھوٹے گاؤں کے آتے ہی یہ سڑک بھی ختم ہوگئی۔ کیرنیز نے لاریاں کھڑی کر دیں۔ اس نے گھوم پھر کر دس قلی تلاش کئے اور پھر سامان اٹھوا کر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ آگے چل دیا۔ درجن بھر نیشنلسٹ فوجی بھی ان کے ساتھ تھے۔

رات کے دس بجے یہ قافلہ دریا کے کنارے پہنچ گیا۔ ان کی منزل ابھی دور تھی۔ رات کے اندھیرے میں جہاز کا کہیں نام ونشان دکھائی نہ پڑتا تھا۔ کنارے پر ایک جھونپڑی تھی۔ جس میں چند ماہی گیر سوئے پڑے تھے۔ کیرنیز اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اندر داخل ہوا تو اس کے مکین چونک اٹھے۔ بن بلائے مہمانوں کی آمد پر وہ پہلے تو بہت سٹپٹائے لیکن بعد میں ان کا رویہ دوستانہ ہوگیا۔ چینی ایڈمرل انہیں یہاں بٹھا کر آگے روانہ ہوگیا۔ کیرنیز جھونپڑی میں پاؤں پسارے اونگھ رہا تھا کہ قلی واپس آگئے۔ وہ ایک ضروری پیغام لائے تھے۔ ایڈمرل نے جہاز کا اتا پتا معلوم کرلیا تھا۔ کیرنز فوراً اٹھ کر ان کے ہمراہ جانے کے لئے تیار ہوگیا۔ قلیوں کی رہنمائی میں رات کے بارہ بجے یہ قافلہ دریا کے کنارے اس مقام پر پہنچنے میں کامیاب ہوگیا جہاں چند انگریز ملاح پہلے سے موجود تھے۔

میرا تعلق ناکنگ کے برطانوی سفارت خانے سے ہے۔ جہاز کا عملہ اس وقت کس حالت میں ہے؟'' کیرنیز نے چھوٹتے ہی سوال کیا۔

''اس وقت چار زخمی جہاز پر موجود ہیں، جبکہ بارہ کو اسٹریچر کے ذریعے تاچیانگ بھیج دیا گیا ہے۔ کمانڈر رسکو ان لوگوں میں شامل ہے۔'' ایک سینئر ملاح کالکاٹ نے جواب دیا۔

ملاحوں کی زبانی معلوم ہوا کہ ہانگ کانگ فار ایسٹ اسٹیشن سے ہدایت ملنے پر ایمیتھسٹ ناکنگ کی جانب روانہ ہو چکا ہے۔ کیرنیز بہت سٹپٹایا۔ اس کے خیال میں انقلابیوں کی توپیں جہاز کو منزل مقصود پر پہنچنے سے پہلے ہی تباہ کر سکتی تھیں۔

زخمیوں کی دیکھ بھال کرنے والا چینی ڈاکٹر تاچیانگ جا رہا تھا۔ کیرنیز نے کچھ چینی ڈالر بھی پیش کئے۔ تاکہ وہ ان سے اپنے لئے سگریٹ کے چند پیکٹ خرید سکے۔

جہاز کی روانگی کے بعد کیرنیز کی یانگتسی کے کنارے ٹھہرنے کی ضرورت نہ تھی۔ وہ راتوں رات چیانگ آگیا۔ تاکہ

زخمیوں کو آگے بھیجنے کا بندوبست کر سکے۔ جہاں اسے یہ افسوسناک خبر ملی۔ ایمتھسٹ کا کیپٹن کمانڈر سکور زخموں کی تاب نہ لاکر راستے میں ہی دم توڑ گیا تھا۔ لاریاں ابھی تک موجود تھیں۔ کیرنیز نے مردوں اور زخمیوں کو علیحدہ علیحدہ ان لاریوں میں لادنے کا حکم دیا اور چنگ کیانگ آ گیا۔ شمال میں اس خبر سے سنسنی پھیل چکی تھی کہ انقلابی افواج نیشنلسٹوں کو روندتی یانگتسی کے جنوبی کنارے تک پہنچ چکی ہیں۔ کیرنیز زخمیوں کے ہمراہ اسٹیشن پر پہنچا تو ہر طرف بھگدڑ مچی تھی۔ شنگھائی کے لئے آخری گاڑی بالکل تیار کھڑی تھی۔ کیرنیز نے اسٹیشن ماسٹر کی وساطت سے ایک زائد بوگی کا انتظام کیا۔ جو زخمیوں کے لے کر شنگھائی روانہ ہوگئی۔ یہ نیشنلسٹوں کے دور اقتدار کی آخری گاڑی تھی۔

دن کے دو بجنے میں چند منٹ تھے۔ ایمتھسٹ کا وائرلیس آپریٹر گذشتہ چھپن گھنٹے سے مسلسل ڈیوٹی سرانجام دے رہا تھا۔ اسے دن اور تاریخ کا کوئی احساس نہ تھا جہاز ابھرتی ڈوبتی لہروں کی طرح گزر رہا تھا۔

''ایک امریکی طیارہ جہاز کی جانب بڑھ رہا ہے۔ وقفے وقفے سے شعاعی اشارے بھی دے رہا ہے۔'' ایک ملاح نے وائرلیس آپریٹر کو متوجہ کرتے ہوئے کہا۔

طیارے نے جہاز کے اوپر نیچی پرواز کی جو ساحل سے کچھ فاصلے پر رکا ہوا تھا۔ وائرلیس آپریٹر باہر نکلا تو اس وقت پائلٹ روشنی کے سگنل دے رہا تھا۔ معلوم ہوا کہ اہم شخصیت کو لایا ہے۔ اس کے اترتے ہی کمیونسٹوں نے گولہ باری شروع کر دی۔ تھوڑی دیر بعد طیارہ اوپر کو اٹھا اور توپوں کی گھن گرج کو پیچھے چھوڑتا منزل کی طرف روانہ ہوگیا۔

ملاحوں نے ڈیک پر سے دوربین کے ذریعے دیکھا۔ ایک اکیلا شخص ناؤ کھیتا ان کی طرف آ رہا تھا۔ قریب آنے پر معلوم ہوا کہ وہ کیرنیز ہے۔ کشتی ایمتھسٹ کی فولادی دیوار سے ٹکرائی اور کیرنیز اسی کی سیڑھی کے ذریعے جہاز پر آ گیا۔

''ویسٹن کہاں ہے؟'' اس نے بغیر کسی تمہید کے سوال کیا۔

''وہ زخمی حالت میں کیبن میں موجود ہے جناب'' ساتھ کھڑے آدمی نے جواب دیا۔ ویسٹن کینوس کی سیٹ والی کرسی پر دراز تھا۔ کیرنیز اس کے کیبن میں پہنچا اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ نئے آنے والے چیف کا استقبال کیا۔ ویسٹن کی حالت روز بروز گرتی جا رہی تھی۔ شدید درد اور تکلیف کے باعث وہ کئی دنوں سے سو نہ پایا تھا۔ تمام کشتیاں اور لائف بوٹس آگ بھڑکنے کے نتیجے میں جل کر تباہ ہو چکی تھیں۔ ایک بوسیدہ اور پھٹی پرانی کشتی باقی بچی جس کے ذریعے زخمیوں کو ساحل پر منتقل کیا جا رہا تھا۔

رات کے آٹھ بجے کیرنیز کو فارایسٹ اسٹیشن سے کمانڈر انچیف کا پیغام ملا۔

''عملے کی حفاظت مقدم ہے۔ انخلا ضروری ہوگیا ہے۔ جب کوئی چارہ کار نہ رہے تو جہاز کو تباہ کر کے ساحل پر آ جاؤ۔''

''ایمتھسٹ'' کو کمان میں لینے کے بعد کیرنیز نے ویسٹن کو دریا کے جنوبی کنارے پر بھیج دیا۔ جہاں باقی ماندہ نیشنلسٹ سپاہی کمیونسٹوں کے دباؤ کے آگے مراجعت کی سوچ رہے تھے۔ بعد میں ویسٹن ناننگ کے راستے ہانگ کانگ پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ جہاز پر کچھ اور بدقسمت زخمی دم توڑ چکے تھے۔ لاشوں کے ساتھ کولے باندھ کر انہیں دریا کے عالم برزخ میں پہنچا دیا گیا۔

کیرنیز نے رات کے وقت ملاحوں کو مختلف ٹکڑیوں میں تقسیم کیا اور جہاز کے اردگرد آتش گیر مادہ بچھانے کا حکم دے دیا۔ دس بجے تک جہاز کو بھک سے اڑانے کے تمام انتظامات مکمل ہو چکے تھے۔

کیرنیز رات کے بارہ بجے انخلا کا آخری حکم دینے والا تھا کہ اس نے ارادہ بدل لیا۔ اس وقت دھند چھا رہی تھی۔ اس حالت میں دریا کے محفوظ کنارے پر پہنچنا بہت مشکل تھا۔ تمام ملاح فکر فردا سے بے نیاز جہاز پر سو گئے۔

صبح جب ان کی آنکھ کھلی تو دھند خاصی گہری ہو چکی تھی۔ دور دور تک کچھ دکھائی نہ دیتا کیرنیز نے ماحول کا جائزہ لیا۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ دھند کی دبیز تہہ سورج کی روشنی سے آہستہ آہستہ تحلیل ہو رہی تھی۔ کمیونسٹ کہیں دکھائی نہیں دے رہے تھے وہ شاید کہیں مورچے کھودنے میں مصروف تھے۔ کیرنیز نے ایمتھسٹ کو تباہ کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ اس کا خیال تھا کہ زبردست دھماکے سے کمیونسٹوں کی توجہ اس طرف مبذول ہوگی تو دریا کے کنارے پہ پہنچنے سے پہلے ہی ان کی گولیاں انہیں بھون کر رکھ دیں گی۔ کیرنیز کے حکم پر جہاز کا رخ تبدیل کر کے دریا کے بہاؤ پر کر دیا گیا۔ یہ نہایت خطرناک فیصلہ تھا۔

ہنسٹر اور مارٹن چانگ چو کے مشن ہسپتال میں اپنے زخموں کا علاج کرا رہے تھے۔ کہ کمیونسٹوں نے اس شہر پر یلغار کر کے قبضہ کر لیا۔ ۲۳ اپریل کی شام کمیونسٹ فوجی سبز یونیفارم پہنے گولیاں برساتے شہر میں داخل ہوئے تو ہر جانب بھگدڑ مچ گئی۔ بہت سے انقلابی فوجی ہسپتال میں بھی آئے۔ انہوں نے دونوں انگریز زخمیوں کو چنگ کیانگ بھیج دیا۔

اسی روز انقلابی فوجیں یانگتسی پار کر کے دوسرے کنارے پر بھی قابض ہوگئیں۔ وہ بیسیوں کشتیوں میں سوار

ایمیتھسٹ کے پاس سے گزر رہے لیکن انہوں نے اس طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ انقلاب دشمنوں کا پیچھا کر رہے ہیں اور انہیں انگریزوں سے پرخاش نہیں۔ ان کی رواداری سے متاثر ہو کر کیرنیز نے جہاز تباہ کرنے کا حکم واپس لے لیا اور اپنے فیصلے کی اطلاع فارایسٹ اسٹیشن کو دے دی۔ اپنے ساتھیوں کا مورال بند رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ انہیں کسی بھی لمحے مایوس نہ ہونے دیا جائے۔ اس بات کا امکان تھا کہ نیشنلسٹوں سے نمٹنے کے بعد کمیونسٹ ایمیتھسٹ کا رخ کریں لیکن آمدہ حالات سے نمٹنے کے لئے ریت کی بوریوں کے مورچے قائم کر دیئے گئے۔ کیرنیز نے جہاز کے فالتو فرنیچر، چٹائیوں، کٹ بیگ اور کشن کو راتھوا کر پناہ گاہیں بنانے کا حکم دے دیا۔

۲۶ اپریل کو کمیونسٹوں کے ساتھ پہلا آمنا سامنا ہوا۔ دن کے ایک بجے دریا کے جنوبی کنارے تین انقلابی فوجی ہاتھ ہلا ہلا کر اور آوازیں دے کر انہیں اپنی طرف متوجہ کر رہے تھے۔ جہاز پر ایک چینی سٹیوارڈ موجود تھا۔ اسے عرشے پر بھیجا گیا اور وہ پیغام سن کر کیرنیز کے پاس آیا۔

''ان کا کہنا ہے کہ آپ ہمارے ہاں آئیں۔ وہ کچھ گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔ میں جلد ہی اپنا ایک نائب ان کے پاس بھیج دوں گا۔'' کیرنیز نے اظہار رضامندی کرتے ہوئے کہا۔

اب کیرنیز کو ایک ایسے آدمی کی تلاش تھی جو چینیوں کے ساتھ پوری خود اعتمادی کے ساتھ بات کر سکے۔ اس کی نگاہ پیٹی آفیسر فری مین پر پڑی جو ایک تجربے کار شخص تھا۔ اسے ایک لیفٹیننٹ کی وردی پہنا کر کشتی کے ذریعے کنارے پر بھیج دیا گیا۔ ڈھیلے ڈھالے کپڑوں میں ملبوس ایک چینی میجر جھونپڑی میں اس کا منتظر تھا۔ فری مین اندر داخل ہوا تو سب کی نگاہیں اس کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ ایک لمبا تڑنگا انگریز تھا۔

''میں سان چیانگ ینگ کا بیٹری کمانڈر ہوں۔'' چینی میجر نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ تمہارا جہاز اس جگہ کھڑا رہے تو پھر خاموش رہیں گے۔''

''ہمارے کپتان کا مطالبہ ہے کہ ہمیں یہاں سے بخیر و عافیت گزرنے دیا جائے۔''

''میں کوئی رو رعایت نہیں کر سکتا۔ پیپلز لبریشن آرمی کے اعلیٰ حکام ہی اس بارے میں کوئی فیصلہ کر سکتے ہیں۔'' میجر نے صاف صاف کہہ دیا اور فری مین واپس چلا آیا۔

۲۷ اپریل کو کمیونسٹوں کے ساتھ پھر بات چیت ہوئی مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ خود کیرنیز نے مقامی گیریژن کمانڈر سے ملاقات کی جو لاحاصل رہی۔ ۱۸ مئی کو اعلیٰ حکام کی جانب سے میمورنڈم ملا۔

''برطانیہ کے متعدد جنگی جہاز پیپلز لبریشن آرمی پر گولہ باری کرتے رہے ہیں جس کی وجہ سے بہت سا جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ مزید رابطے کے لئے تھرڈ آرٹلری رجمنٹ چنگ کیانگ کے پولیٹیکل کمیسار سے رجوع کریں۔''

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

اس کے بعد ملاقاتوں کا طویل سلسلہ شروع ہوا۔ چینیوں نے تین مطالبات سامنے رکھے تھے۔

''ایمیتھسٹ کا کمانڈر حملہ کرنے کا جرم تسلیم کرے۔''

''برطانیہ اس واقعے پر اظہار ندامت کرے۔''

''حملے کے نتیجے میں جو جانی یا مالی اتلاف ہوا ہے اس کا چینی حکومت کو معاوضہ دیا جائے۔''

کیرنیز نے مطالبہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور یوں ایمیتھسٹ کا بحران ایک نئی صورت اختیار کر گیا۔

۲۰ جولائی کی صبح کیرنیز کو اطلاع ملی کہ جہاز کی ٹینکیوں میں تر پین ٹن تیل باقی رہ گیا ہے۔ بجلی پیدا کرنے والا پلانٹ چالو رکھنے کے لئے تیل مسلسل خرچ کرنا پڑ رہا تھا۔ اس کے علاوہ خوراک کا ذخیرہ خطرناک حد تک ختم ہو چلا تھا۔ عملے کے ارکان ہفتے سے معمول سے آدھی خوراک کھا رہے تھے۔ چینی حکام نے چند زخمیوں کو صحت یاب ہونے کے بعد جہاز پر واپس بھیج دیا تھا اور وہ کمزوری کے باعث دوبارہ بیمار پڑنے لگے تھے۔ خود کیرنیز تین دن تک علیل رہا تھا۔

چین پر کمیونسٹ عملی طور پر اقتدار قائم کر چکے تھے۔ ان کا محصور انگریزوں کے ساتھ سلوک نہایت اچھا تھا۔ لیکن وہ جہاز کے عملے پر مقدمہ چلانے کی تیاری کر رہے تھے۔ موسم برسات کی بارشوں کے سبب دریا طغیانی پر تھا۔ بہت سے گاؤں پانی میں بہہ گئے۔ کمیونسٹ انقلابی مورچوں سے نکل کر ریلیف کے کاموں میں مصروف تھے۔ عملے کا مورال اب بھی بلند تھا، لیکن وہ تھکے تھکے دکھائی دینے لگے تھے۔

۲۰ جولائی کی سہ پہر کیرنیز انہیں خیالات میں غرق ڈیک پر دراز تھا۔ کہ اس نے اپنے آپ سے کہا ''اب یا پھر کبھی نہیں'' ایک ملاح اس کے سامنے کھڑا تھا۔ کیرنیز نے اسے اشارے سے بلایا۔

''جارج! اس نے کہا ''ہم آج رات کمیونسٹوں کا گھیرا توڑ کر فرار ہونے کی کوشش کریں گے۔'' کیرنیز موت

وحیات کی کشمکش سے باہر نکلنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔انہیں دریا میں لنگر انداز ہوئے سو دن ہو چکے تھے۔بات چیت کی ناکامی کے بعد کیرنیز کا پیمانہ صبر لبریز ہو چکا تھا۔

دن کی آخری روپہلی کرنیں سورج کے جلد ہی ڈوبنے کا اشارہ دے رہی تھیں۔ جہاز کے انجن کی ہلکی ہلکی گڑگڑاہٹ موجوں کے ہلکوروں کے ساتھ ہم آہنگ سی ہو گئی تھی۔دریائی پنکھ پکھیرو مترنم آواز میں آمد شب کے گیت گا رہے تھے۔اس پرسکون ماحول میں فرار کا منصوبہ کچھ بعید از قیاس معلوم ہوتا کیرنیز نے عملے کے تمام ارکان کی میٹنگ بلائی اس کے لہجے میں سنجیدگی کا عنصر نمایاں تھا۔

”آج کی رات یانگتسی کی لہروں پر آخری رات ہوگی۔آخر کب تک یہاں مقید رہیں گے۔ہمیں کمیونسٹوں کا حصار توڑ کر کھلے سمندر میں جانے کی کوشش کرنی چاہیے۔“

ملاح اپنے کمانڈر کی بات غور سے سن رہے تھے۔ان کے زرد چہروں پر مصائب کی علامتیں اور بھی گہری ہو گئی تھیں۔وقفے وقفے سے ایک دو آدمی ہلکے انداز میں سر ہلا کر اس کی تائید کر رہے تھے۔کیرنیز نے انہیں منصوبے کی تفصیلات بتاتے ہوئے بات جاری رکھی۔

”رات کے دس بجے چاند کے ڈوبنے سے ایک گھنٹے پہلے ہم خاموشی سے اپنے سفر پر روانہ ہو جائیں گے۔ہماری توپیں کسی بھی خطرے سے نمٹنے کے لئے بالکل تیار رہیں گی۔کچھ جوان مورچوں کے پیچھے ہلکے ہتھیاروں سے لیس ہو کر بیٹھیں گے۔مخالف سمت سے گولہ باری کے نتیجے میں جہاز بالکل ناکارہ ہو جائے تو گھبرانے کی بات نہیں۔کسی نہ کسی طرح کنارے پر پہنچنے کی کوشش کریں۔اگر ایمیتھسٹ دریا کے بیچ کسی دھماکہ خیز سرنگ سے ٹکرا کر تباہ ہو جائے تو اس کے تختے سے چمٹ کر کھلے سمندر تک پہنچنے کی سرتوڑ جدوجہد جاری رکھیں۔خدا ہمارا حامی و ناصر ہو۔“

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کیرنیز کی میز پر درجن بھر نقشے پڑے تھے اور وہ ان پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔راستہ نہایت خطرناک تھا۔کمیونسٹوں کی توپیں کہیں بھی جہاز کے پرخچے اڑا سکتی تھیں۔یانگتسی کے ڈیلٹائی جزیرے پر ووسنگ کا مضبوط قلعہ موجود تھا اور اس مقام سے آنکھ بچا کر نکل جانا تقریباً ناممکن بات تھی۔

گولہ بارود کے ذخیرے کی جانچ پڑتال کی گئی اور باقی ماندہ ایک دو کارآمد توپوں کو کیموفلاج کر دیا گیا۔جہاز کے چمکدار حصوں پر کالا رنگ مل دیا گیا تاکہ وہ نظر نہ آسکیں فری گیٹ کے دونوں جانب خاکی رنگ کی بڑی بڑی چادریں لٹکا دی گئیں تمام مشینوں میں تازہ تیل ڈالا گیا اور وائرلیس سیٹ کی بھی مرمت کر دی گئی۔اپر ڈیک پر کام کرنے والوں کو حفاظت کی غرض سے اسٹیل ہیلمٹ دیئے گئے۔کیرنیز نے نہ صرف ساتھیوں کا ہاتھ بٹایا بلکہ ان کا حوصلہ بڑھانے میں بھی کوئی کسر نہ چھوڑی۔

دس بجے تک تیاری مکمل ہو چکی تھی۔اگرچہ چاندنی رات تھی لیکن فضا میں بادلوں کے ٹکڑے تیرنے سے کبھی کبھار اندھیرا چھا جاتا تھا۔یہ ان کے لئے خوش آئند موقع تھا۔کیرنیز چاند کے بادلوں کی اوٹ میں آنے کا انتظار کر رہا تھا کہ اس کے کانوں میں انجن کی آواز آئی۔چند منٹ بعد ایک مال بردار جہاز ان کے پاس سے گزر گیا۔دس بج کر سات منٹ پر کیرنیز نے روانہ ہونے کا حکم دے دیا۔کوئی دو منٹ کی تاخیر سے انجن چالو ہوئے۔جہاز دھیرے دھیرے حرکت کرنے لگا تو ملاحوں کے چہرے تمتما اٹھے۔ایمیتھسٹ مال بردار جہاز کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا۔کوئی نصف گھنٹے بعد روشنی کا ایک گولہ فضا میں بلند ہوا۔مال بردار جہاز نے اپنے سائرن بجا کر اس کا جواب دیا۔چند سیکنڈ بعد روشنی کا ایک اور گولہ چھوٹا۔انقلابیوں کا ایک گشتی جنگی جہاز ان کی جانب بڑھ رہا تھا۔

اچانک رات کی خاموشی فائرنگ کی آواز سے ٹوٹ گئی۔اس کے ساتھ ہی دریا کے کنارے لگی توپوں نے گرجنا شروع کر دیا۔ایمیتھسٹ کے اردگرد مسلسل گولے پھٹنے لگے۔کمیونسٹ اس کے فرار کے تمام راستے مسدود کرنا چاہتے تھے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

”فائر کھول دو!“ کیرنیز نے گولوں کی بوچھاڑ میں چلا کر حکم دیا۔

ایمیتھسٹ کی آٹومیٹک رائفلیں اور برین گنیں آگ اگلنے لگیں۔مورچوں کے پیچھے تعینات جوان بھی ساحل کی جانب گولیاں برسانے لگے۔جوابی فائرنگ سے کمیونسٹ تلملا اٹھے انہوں نے شدید گولہ باری شروع کر دی۔جہاز کے بعض حصوں پر آگ بھڑک اٹھی۔کیرنیز نے ہانگ کانگ کی جانب سگنل بھیجا۔

”چاروں جانب سے گولہ باری ہو رہی ہے جہاز شدید خطرے میں ہے۔“

اتنی دور سے مدد ملنی بہت مشکل بات تھی۔اسی اثنا میں واٹر لائن کے قریب ایک گولہ آ کر پھٹا اور جہاز پانی پر کارک کی طرح ڈگمگانے لگا۔اس کے پیندے میں سوراخ ہو چکا تھا۔چینیوں کی ایک سو پانچ ملی میٹر کی توپیں برابر فائرنگ کر رہی تھیں۔ایمیتھسٹ سے کچھ فاصلے پر اچانک بہت بڑا دھماکہ سنائی دیا۔مال بردار جہاز دھوئیں اور شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا۔اس کے ملاح دریا میں کود کر جان بچانے کی کوشش کر رہے تھے۔واٹر لائن کے

مجروح ہونے سے انجن روم میں پانی بھرنا شروع ہوگیا۔سوراخ اتنا بڑا تھا کہ اس کی فوری مرمت ناممکن تھی۔واٹر پمپوں کے ذریعے پانی باہر نکالا گیا تو پھر کہیں جا کر سوراخ کی ویلڈنگ ہوئی۔

گولیوں کی پے در پے بوچھاڑ میں ایمیتھسٹ ایک بجے کے قریب کیانگ ین پہنچ گیا۔یہ وہ مقام تھا جہاں تین ماہ قبل جہاز نے ایک رات کے لئے قیام کیا تھا۔وہ ایک سو ایک دنوں کے بعد دوبارہ یہاں آیا تھا۔اب اس علاقے پر انقلابی قابض ہو چکے تھے۔نام نہاد نیشنلسٹ فوجیں یہاں سے رفو چکر ہو چکی تھیں۔دور سے بھاری توپ کی آواز نے کیرنیز کو چونکا دیا۔یہاں سے آگے جانا اگرچہ موت کو دعوت دینا تھا،مگر اس کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا جہاز اس وقت ایک تنگ سی دریائی کھاڑی میں سے گزر رہا تھا۔جو غرق شدہ جہازوں سے پٹی پڑی تھی۔دلدل میں دھنسے ڈھانچے اندھیرے میں نہایت خوفناک دکھائی دے رہے تھے۔جہاز ان سے ٹکرا کر کسی بھی وقت ڈوب سکتا تھا۔

کھاڑی کے دونوں جانب جہاز پر گولے برس رہے تھے۔ایمیتھسٹ کی چند توپیں بھی جوابی گولے برسانے میں مصروف تھیں۔ایمیتھسٹ آگ اور دھوئیں میں گھرا برابر آگے بڑھ رہا تھا۔جہاز کیانگ ین سے بمشکل گزرا کہ ایک گن بوٹ نے راستہ روک لیا۔رات کے اندھیرے میں فریقین نے ایک دوسرے پر اندھا دھند گولیاں برسائیں۔جہاز موجوں پر جھاگ اڑاتا گن بوٹ کے قریب سے گزر گیا۔تین بج کر اٹھارہ منٹ پر ایمیتھسٹ نے ہانگ کانگ کی جانب دوسرا پیغام بھیجا۔سو میل فاصلہ طے ہوگیا۔چالیس میل ابھی باقی ہیں۔

چار بجے اچانک زبردست جھٹکا محسوس ہوا۔ملاحوں نے خیال کیا کہ جہاز کے پیندے کے ساتھ کوئی کولہ آن ٹکرایا ہے۔دراصل اندھیرے میں بے قابو ایمیتھسٹ کسی غرق شدہ جہاز کے تیرتے ہوئے ملبے سے ٹکرا گیا تھا۔

رات کی سیاہی آہستہ آہستہ ماند پڑتی جا رہی تھی لیکن صبح ہونے میں ابھی کافی دیر تھی۔کیرنیز پر امید تھا کہ اُجالا پھیلنے سے پہلے وہ کھلے سمندر میں پہنچ جائے گا۔

دریائے یانگتسی کا پاٹ وسیع ہونے لگا تھا۔دفعتاً توپ چلنے کی آواز آئی۔سامنے دوسنگ کا آخری قلعہ تھا۔جہاں نو انچ قطر کی بڑی بڑی توپیں نصب تھیں۔سرچ لائٹ وقفے وقفے سے سارے علاقے کا جائزہ لے رہی تھیں۔

ایمیتھسٹ قلعے کے جنوب میں ساحل کی اوٹ میں آ کر ساکت ہوگیا۔نہایت نازک لمحات تھے۔کیرنیز کا خیال تھا کہ چینیوں کی توپیں چند لمحے بعد انہیں بھسم کر دیں گی۔لیکن ایسا نہ ہوا۔سرچ لائٹ کی زرد شعاعیں جہاز پر سے ہوتی ہوئی مڑ گئیں۔

ایمیتھسٹ دھیرے دھیرے بڑھتا دور نکل گیا۔سرچ لائٹ اب پیچھے رہ گئی تھی۔صبح کا اجلا پھیلتے ہی وہ کھلے سمندر میں پہنچ گیا۔تھوڑے فاصلے پر ایک اور جہاز آتا دکھائی دے رہا تھا۔یہ ایک برطانوی جہاز تھا۔ایمیتھسٹ چین کے ساحلی پانیوں اور آگ اگلتی توپوں سے کافی دور نکل آیا تھا۔فرار کی مہم کامیابی سے ہمکنار ہو چکی تھی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com